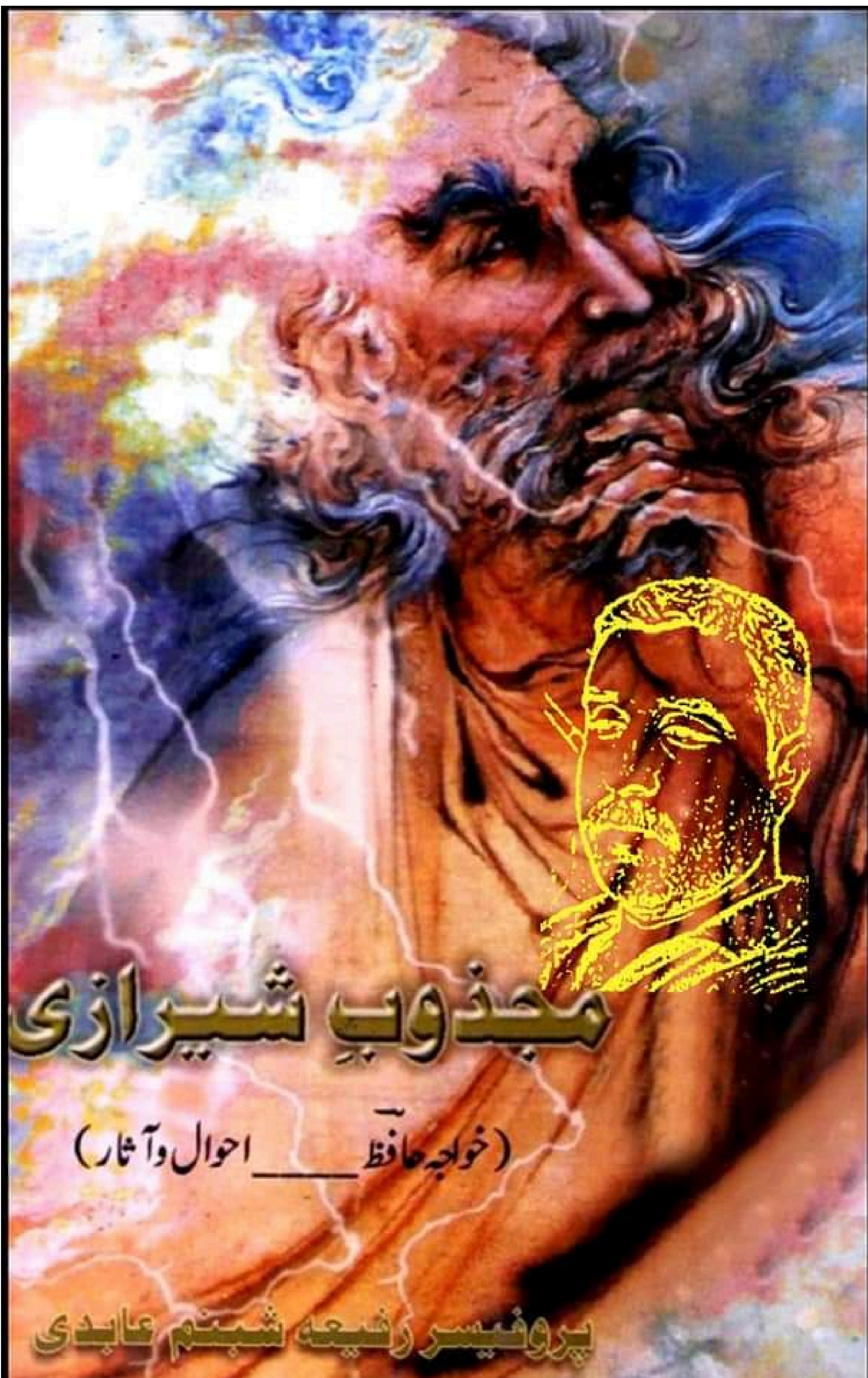


مجذوبِ شیرازی
(خواجہ حافظ ــــــ احوال و آثار)
پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی

ادبی محاسبے

(تحقیقی وتنقیدی مطبوعات سلسلۂ شعبۂ اردو ممبئی یونیورسٹی)

مجذوبِ شیرازی

(خواجہ حافظ ـــــ احوال وآثار)

مصنفہ: پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی

پروفیسر کرشن چندر چیئر وصدر شعبۂ اردو، ممبئی یونیورسٹی

نام کتاب: مجذوبِ شیرازی (خواجہ حافظ ___ احوال وآثار)

زیرِ عنوان: ادبی محاسبے (تحقیقی وتنقیدی مطبوعات سلسلہ ۱، شعبۂ اردو ممبئی یونیورسٹی)

مصنّفہ: پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی

تعداد: ۲۵۰

اشاعتِ اوّل: مارچ ۲۰۰۳ء

قیمت: -/250 (ڈھائی سو روپے)

ناشر: شعبۂ اردو، ممبئی یونیورسٹی، کالینہ، سانتا کروز (ایسٹ) ممبئی۔۴۰۰۰۹۸

سرورق: آقای محمود فرشچیان، مستعار از: دیوانِ حافظ علامہ محمد قزوینی ودکتر قاسم غنی

کمپیوٹر پروسیسنگ: اعجاز صدیقی

کمپوٹر کمپوزنگ: اردو چینل پبلیکیشنز

زیرِ اہتمام: قمر صدیقی (اردو چینل پبلیکیشنز) فون: 25587860
9892164623

تقسیم کار: مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ۔ ممبئی، دہلی، علی گڑھ۔
سیفی بک ڈپو، ابراہیم رحمت اللہ روڈ، ممبئی۔

Name : **Khwaja Hafiz Sheerazi___Ahwal - o - Aasaar**

Under the title : **Adabi Muhasibe**(Research & critical essay's seriesNo.1, Department of Urdu, Mumbai University)

Author : **Prof. Rafia Shabnam Abidi**
Professor, Krishan Chandar Chair & Head Deptt of Urdu, Mumbai University.

Qty : 250

First Edition : March, 2003

Price : Rs.250/-

Type Setting : URDU CHANNEL Publications

لسان الغیب

خواجہ حافظؔ شیرازی

کی

نذر

من بر آن گلِ عارض غزل سرایم و بس
کہ عندلیبِ تُو از ہر طرف ہزارانند

فہرست

۱	ثبت است بر جریدۂ عالم۔۔۔(پیش لفظ)	صفحہ ۷ تا ۹
۲	شخصیت (احوالِ حافظؔ)	صفحہ ۱۰ تا ۶۱
۳	فن (آثارِ حافظؔ)	صفحہ ۶۲ تا ۱۳۱
۴	اعترافِ فن (اثراتِ حافظؔ)	صفحہ ۱۳۲ تا ۲۳۵

Thou who didst dewell where Ruknabad once ran
Melodious beneath the Persian sky,
And watch with mind serene and steady eye
The tragic play that is the life of man;
And, seeing it was so since earth began
And shall continue after thou and I,
Being spent as swiftly as a lover's sigh,
Depart upon death's trackless caravan;
Out of dross sound by sovereign alchemy
Didst fashion melodies of liquid gold,
Creating richs of thy penury,
Transmuting death to immortality:
Accept these words that leave the whole untold,
And in fresh youth renew thy wisdom old.

Arthur I. Arberry

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

غزل کا آبگینہ نازک سہی اور تندیٔ صہبائے فکر سے اس کے پگھل جانے کا اندیشہ بھی غلط نہیں، مگر یہ اس صنفِ سخن کا معجزہ ہی ہے کہ صدیوں سے پیمانۂ غزل میں کسی جامِ جم کی طرح ساری دنیا سمٹتی رہی اور پھر بھی وہ شکستگی سے محفوظ رہا۔ خصوصاً شاعرِ شیراز خواجہ شمس الدین حافظ کے ہاتھوں میں آکر اس جامِ جہاں نما میں وہ الہامی کیفیت پیدا ہوگئی کہ لوگ کلامِ حافظ سے فال نکالنے لگے اور 'شاعری جزو یست از پیغمبری' کا مقولہ اپنے مفہوم سے قریب تر محسوس ہونے لگا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جس قرآن کو انھوں نے حفظ کرلیا تھا، وہ ان کی رگ و پے میں کچھ ایسے اُتر گیا تھا کہ جب خونِ جگر سے اشعار کی تخلیق ہوئی تو اس خون میں گھلی ہوئی، رچی بسی، دوڑتی پھرتی روحانیت لفظوں کے پردوں سے جھانکنے لگی اور اس آئینے کو جس شخص نے جس نظر سے دیکھا، اسے ویسا ہی عکس دکھائی دینے لگا۔ خراباتیوں کے لیے وہ رندِ خرابات ٹھہرے۔ عاشقوں کے لیے عاشقِ صادق اور اہلِ معرفت کے نزدیک عارفِ کامل۔ یہاں تک کہ شارحین وناقدین کو اصطلاحاتِ حافظ کی تشریح میں صفحے کے صفحے سیاہ کرنے پڑے، پھر بھی کلامِ حافظ کے پوشیدہ اسرار و معانی کے پہلو تشنۂ تشریح ہی رہے۔ حافظ کا دعویٰ غلط نہ تھا کہ ___

کس چو حافظ نکشید از رخِ اندیشہ نقاب
تا سرِ زلفِ عروسانِ سخن شانہ زدند

(جب سے عروسِ سخن کی زلفیں سنواری گئیں، تب سے آج تک کسی نے حافظ کی طرح خیال کے چہرے سے یوں نقاب نہیں اٹھائی)

یہی وجہ ہے کہ حافظ کو اس دنیا سے رخصت ہوئے تقریباً چھ سو سال سے زیادہ ہو رہے ہیں۔ لیکن آج بھی ان کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے بلکہ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے، ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ چار دانگِ عالم میں آج بھی 'لسان الغیب' کے کلام کا جادو سر چڑھ کے بول رہا ہے۔

دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کی شرحیں لکھی گئیں۔ ترجمے ہوئے۔ حافظؔ کی شخصیت اور فن پر مقالے، مضامین اور کتابیں لکھی گئیں خصوصاً ان ملکوں میں جہاں فارسی ملک کی دوسری زبانوں کے شانہ بہ شانہ متداول رہی ہے۔ مثلاً ترکی، ماوراءالنہر، افغانستان اور برِصغیر ہندوپاک۔ اس کے علاوہ دیگر ایشیائی، یورپی ممالک میں بھی حافظؔ کی مقبولیت کم نہیں۔ ان سب کا ثبوت جرمنی، ارمنی، چینی، ازبکی، انگریزی، اوکرائینی، بلغاری، تاجیکی، چیک، ڈنمارکی، روسی، سویڈی، عبرانی، عربی، جاپانی، فرانسیسی، فن لینڈی، قفقازی، گرجی، بولونی، ہنگری، ناروی، ہالینڈی اور رومانی جیسی عالمی زبانوں میں کیے گئے حافظؔ کے ترجمے ہیں۔ اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

آج جب ہمارے لطیف جذبات مرتے جارہے ہیں۔ زندگی کی کوکھ بانجھ ہوتی جارہی ہے۔ انسانیت دم توڑ رہی ہے۔ مادّیت، روحانیت کا مذاق اڑا رہی ہے۔ انسان انسان سے قریب تر ہونے کے باوجود دور ہوتا جارہا ہے۔ لہو ستا ہے اور جان ارزاں۔ ضروری ہے کہ ایک بار پھر حافظؔ جیسے شاعر کے فن اور خیالات کا اعادہ کیا جائے کہ جس نے عمر بھر انسان دوستی، محبت اور روحانیت کا پیغام دیا اور کہا ___

درختِ دوستی بنشاں کہ کامِ دل ببار آرد
نہالِ دشمنی برکن کہ رنجِ بی شمار آرد

(دوستی کے درخت لگاؤ کہ دل کی مراد کا پھل دے۔ اور دشمنی کا پودا اکھاڑ ڈالو کیوں کہ اس سے بے شمار تکلیفیں پہنچتی ہیں۔)

چناں بزی کہ اگر خاکِ رہ شوی کس را
غبارِ خاطرے از رہ گزارِ ما نرسد

(اس طرح زندگی بسر کرو کہ اگر تم کسی کے راستے کی خاک بھی بن جاؤ تب بھی تمہارے غبار سے کسی کا دل مکدر نہ ہونے پائے)

اسی طرح ایک جگہ اور کہتے ہیں۔

مباش در پے آزار و ہر چہ خواہی کن
کہ در شریعتِ ما غیر ازیں گناہے نیست

(کسی کو آزار پہنچانے کے پیچھے نہ پڑو اور جو کچھ چاہو کرو۔ کیوں کہ ہمارے مذہب میں بجز اس کے اور کوئی گناہ نہیں۔)

زیرِ نظر کتاب عصرِ حاضر کے اسی احساسِ کرب کے زیرِ اثر تحریر کی گئی ہے۔ اس کا مقصد نہ صرف کلاسیک کی از سرِ نو بازیافت ہے بلکہ ان نفیس جذبات کی تجدید بھی ہے جنھیں سیاسی شاطروں اور تاجروں نے نفرتوں کا کفن اوڑھا کر موت کی گود میں دھکیل دیا ہے۔ یوں بھی اردو اور فارسی کے درمیان جو صدیوں کی رفاقت ہے، تہذیبی رشتہ ہے اور فکری ہم آہنگی ہے اسے زندہ رکھنا ہمارا فرض ہے۔ اسی مقصد سے ایم۔اے (سال اوّل و دوم) دونوں کے نصاب میں ایک اختیاری پرچہ فارسی ادب اور اردو ادب کے مشترکہ مطالعے پر مبنی ہے۔ اور سالِ اوّل کے نصاب میں تو حافظ کا خصوصی مطالعہ شامل ہے۔ شاید اس اعتبار سے یہ کتاب طلبہ کے لیے بھی معاون ثابت ہو۔ اور حافظ پرستوں کے ذوقِ شاعرانہ کی تسکین کا سامان بن جائے۔ ویسے اپنے تئیں نہ فارسی دانی کا دعویٰ ہے، نہ حافظ شناسی کا۔ سخن فہم ہوں نہ ہوں، پھر بھی حافظ مجھے اتنے ہی عزیز ہیں جتنے غالب۔ بس اتنا کہوں گی کہ یہ کتاب آج سے تقریباً چھ سال پہلے لکھی گئی تھی اور اس کی تحریک انجمنِ ترقیِ اردو، مہاراشٹر کی جانب سے ۱۹۹۵ء میں منعقدہ ''جشنِ حافظ'' سے ملی تھی۔ البتہ اس کی اشاعت میں قدرے تاخیر ہوگئی۔ باعثِ تاخیر نہ پوچھیے۔ حافظ ہی کی زبان میں جواب سنیے کہ ـــ

ما نگوئیم بد و میل بی ناحق نکنیم
جامۂ کس سیہ و دلقِ خود ازرق نکنیم

(ہم کسی کو برا نہیں کہتے اور ناحق کی طرف میلان نہیں رکھتے۔ کسی کے جامے کو سیاہ اور اپنی گدڑی کو نیلا نہیں بتاتے۔)

بہر حال آج جب چھ سال کے طویل عرصے کے بعد اس کی اشاعت کے سلسلے میں حافظ سے رجوع ہوئی تو فال نکلی۔

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند
وندر آن ظلمتِ شب آبِ حیاتم دادند

ڈاکٹر رفیعہ شبنم عابدی

شخصیت ــــــــ احوالِ حافظؔ

(حصّہ اوّل)

منم آن شاعرِ ساحر کہ بہ افسونِ سخن
از نے کلِک ہمہ شہد و شکر میبارم

اردو زبان کے جادو بیان انشا پرداز محمد حسین آزاد (جو اپنی طرز کے خود ہی موجد اور خود ہی خاتم تھے) نے ''نیرنگِ خیال'' کے ایک مضمون میں ''شہرتِ عام و بقائے دوام کا دربار'' میں جہاں مختلف مشاہیر عالم اور سخن وران نامور کا تذکرہ کیا ہے وہیں حافظ کا داخلہ دربار میں یوں دکھایا ہے۔

" ایک بزرگ آزاد طبع ، قطع تعلق کا لباس برمیں ، خاک ساری کا عمامہ سر پر، آھستہ آھستہ چلے آتے ھیں۔ تمام علماء ، صلحاء ، مورخ اور شاعر سر جھکائے ان کے ساتھ ھیں وہ دروازے پر آکرٹھھرے سب نے آگے بڑھ کر اِلتجا کی تو کھا۔ "معذور رکھو میرا ایسے مقدسوں میں کیا کام ھے۔ اور فی الحقیقت وہ معذور رکھے جاتے اگر اھلِ دربار کا شوقِ طلب ان کے انکار پر غالب نہ آتا۔ وہ اندر آئے، ایک طلسمات کا شیشۂ مینائی ان کے ھاتھ میں تھا کہ اس میں سے کسی کو دودھ ، کسی کو شربت ، کسی کو شراب شیرازی نظر آتی تھی۔ ھر کرسی نشین انھیں اپنے پاس بٹھانا چاھتا تھا۔ مگر وہ اپنی وضع کے خلاف سمجھ کر کھیں نہ بیٹھے۔ فقط اس سرے سے اس سرے تک گردش کی اور چلے گئے۔"

محمد حسین آزاد کے ناقدانہ مرتبے کو بھلے ہی ہمارے بعض نقاد تسلیم نہ کریں مگر یہ حقیقت ہے کہ جس انداز میں انھوں نے شاعروں کا ادبی مرتبہ متعین کیا ہے وہ ان کے فن کا بہترین تجزیہ ہے۔ ایک نقاد تنقید کی مختلف اصطلاحات کے ذریعے کسی شاعر کے زبان و بیان، اسلوب اور مواد پر سائنٹفک انداز میں بحث کرتا ہے، آزاد اپنے اندر چند رنگین جملوں اور شاعرانہ نثر اور استعاروں کے ذریعے وہی بات بڑی خوبصورتی سے ادا کر جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے نہ ان کی تحریر بوجھل

لگتی ہے اور نہ نا قابلِ تفہیم ۔اسی لیے مندرجہ بالا عبارت کو پڑھ کر قاری کو سمجھنے میں دیر نہیں لگتی کہ یہ ذکر اسی صوفیٔ صافی ، رندِ شاہد باز ، عاشقِ صادق ، عارفِ کامل ، دیوانہ موسمِ بہار ، ترجمان الاسرار ، گم شدۂ سوز و ساز ، بلبلِ شیراز ، لسان الغیب ، نکتہ چینِ شباب و شیب ، دشمنِ زاہد و واعظ ، یعنی خواجہ شمس الدین حافظؔ کا ہے۔

اس مختصر سے تعارف میں حافظؔ کی شخصیت اور فن کا احاطہ ملتا ہے۔ یعنی حافظؔ کی بزرگی ، آزاد طبعی ، بے تعلقی و بے نیازی ، خاکساری و سبک روی ، قبولیت خاص و عام ، عجز و انکساری ، گنجینۂ طلسمِ شاعری ، نقش ہائے رنگا رنگِ سخن ، محترم و معزز ہونا کہ ہر شخص ان کی ہم نشینی یا محبت کو اپنے لیے باعثِ صد افتخار و سعادت خیال کرے۔ لا ابالی پن کے باعث ایک جگہ نہ بیٹھنا ، سیلانی طبیعت ، آزادہ روی اور اضطراب و جستجو سبھی کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

حافظؔ کی شخصیت کے مزید پہلو دیکھنا ہو تو ان کے حالاتِ زندگی جاننا بے حد ضروری ہے۔ مگر یہ امر باعثِ افسوس ہے کہ اس شاعر اعظم کی مقبولیت کے باوجود ہنوز ایسی بہت سی باتیں ہیں جو حافظؔ کے متعلق ہمیں نہیں معلوم اور کئی ایسے واقعات ہیں جو پردۂ خفا میں ہیں۔

حافظؔ سے متعلق عام طور پر جو مواخذ ملتے ہیں ان کی ایک طویل فہرست ہاشم رضی نے حافظؔ کے مقدمہ دیوان میں اس طرح دی ہے۔(۱)

انھوں نے حافظؔ کے مواخذ کو تین حصّوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

ا۔ حافظؔ کے وہ معاصرین یا ان کے زمانے کے بہت قریب کے شاعر ، مورخ راوی وغیرہ۔ جنھوں نے اپنی نگارشات میں مختلف مطالب کے دوران ضمنی طور پر اس کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً

۱۔ المعجم فی معاییر اشعار العجم ___ تالیف ۷۸۱ھ از محمد قیس رازی

۲۔ مجموعہ تاج الدین احمد وزیر شاہ شجاع ___ تالیف ۷۸۳ھ اس مجموعے میں مختلف اہلِ قلم نے چار جگہ حافظؔ کے اشعار نقل کیے ہیں۔

۳۔ مواہب الٰہی ___ تالیف معین الدین یزدی ۷۶۰ھ اس تاریخ میں حافظؔ کے دو شعر بطور سند پیش کیے گئے ہیں۔

۴۔ دیوان روح عطار (حافظ کا ہم عصر) ۸۵۵ھ اس میں حافظؔ اور سلمان ساوجی کا موازنہ کرتے ہوئے ایک قطعہ لکھا ہے۔

۵۔ دیوان کمال خجندی (حافظ کا ہم عصر) اس نے حافظؔ کی اکثر غزلوں سے استفادہ

کیا ہے اور صریحتاً حافظ کا نام بھی لیا ہے۔ مثلاً

بشد بطرز غزل ہم عنان ما حافظ
اگرچہ در صف رندان ابوالفوارس شد

(حافظ کی اس غزل سے "ستارۂ بدرخشید و ماہ مجلس شد" اقتدا کیا ہے۔)

۶۔ ظفر نامہ از نظام الدین شامی ۸۰۴ھ مولف نے صرف ایک جگہ حافظ کا شعر نقل کیا ہے۔

۷۔ دیوان اطعمہ شیرازی ___ ۸۱۴ھ حافظ کے اشعار کی پیروڈی ہے۔

۸۔ تاریخ جغرافیائی تالیف حافظ ابرو نے (۸۲۰ء) شاہ شجاع کی موت کا ذکر کرتے ہوئے ضمناً حافظ کا شعر نقل کیا ہے۔

۹۔ دیوان غزلیات شاہ شجاع (۸۲۳ء) کاتب عبدالحیٔ نے اس کی کتابت کرتے ہوئے اس جملے کا اضافہ اپنی طرف سے کیا ہے۔ "ایں شاہ شجاع ممدوح خواجہ حافظ شیرازی۔"

۱۰۔ ظفر نامہ تیموری از شرف الدین علی یزدی (۸۲۸ھ) اس تاریخ میں متعدد مواقع پر حافظ کے اشعار نقل ہیں۔

۱۱۔ انیس الناس شیرازی کا لکھا ہوا رسالہ (۹۳۰ھ) اس میں مولف نے حافظ کا "اگر آں ترک شیرازی" والا مشہور لطیفہ درج کیا ہے۔

۱۲۔ مجمل فصیحی مولف فصیح خوافی (۷۹۲ھ) اپنی تاریخ میں دو بار حافظ کا ذکر کیا ہے۔

۱۳۔ جامع التواریخ حسینی مولف حسن بن شہاب یزدی (۸۵۵ھ) اس میں کئی بار حافظ کے اشعار بطور مثال پیش کیے گئے ہیں۔

۱۴۔ تاریخ جدید یزد ___ مولف احمد بن حسین الکاتب یزدی (۸۶۲ھ) اس میں تین بار حافظ کے اشعار کا حوالہ ملتا ہے۔

۱۵۔ دیوان ابسہ ___ مولانا نظام الدین قاری یزدی اطعمہ کی تقلید میں حافظ کے اشعار کی پیروڈی کی ہے۔

۱۶۔ مطلع السعدین از عبدالرزاق سمرقندی (۸۷۵ھ) اس میں کئی موقعوں پر حافظ کا تذکرہ اور ان کے اشعار ملتے ہیں۔

غرضیکہ یہ تمام ایسے تذکرے، دستاویزات دیوان یا تاریخی نگارشات ہیں جن میں بالواسطہ یا بلاواسطہ حافظ کا ذکر آیا ہے اور ان کے اشعار کے حوالے ملتے ہیں۔

ہاشم رضی نے دوسری قسم کے مواخذ میں ان مستند اور معتبر تذکروں اور تاریخوں کو شامل کیا ہے جن میں حافظ کا باضابطہ تذکرہ موجود ہے۔ مثلاً

۱۔ حبیب السیر ،خواند میر، بعض حالات ملتے ہیں۔
۲۔ تذکرۃ الشعراء۔ دولت شاہ سمرقندی
۳۔ تذکرۂ مے خانہ۔ عبدالنبی فخر زمانی (۱۰۳۶ء)
۴۔ بہارستان۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی
۵۔ نفحات الانس۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی
۶۔ آتش کدۂ آذر۔ لطف علی بیگ آذر اصفہانی (۱۱۹۳۔۱۱۷۴ء)
۷۔ ہفت اقلیم۔ امین الدین احمد رازی (۱۰۰۲ء)
۸۔ مجمع الفصحاء۔ رضا قلی خان ہدایت
۹۔ تاریخ فرشتہ۔ ضمناً بعض قصے درج ہیں۔
۱۰۔ تذکرہ حسینی۔ میر حسین دوست سنبھلی
۱۱۔ تاریخ نادرہ۔ کہیں کہیں بعض قصے ضمناً آ گئے ہیں۔
۱۲۔ ریاض العارفین۔ رضا قلی خان ہدیات
۱۳۔ تذکرہ خزانہ عامرہ۔ غلام علی
۱۴۔ لطائف الطوائف۔ مولانا فخر الدین علی (۹۳۹ھ)
۱۵۔ کشف الظعون۔ حاجی خلیفہ
۱۶۔ نتائج الافکار۔ قدرت خاں قدرت (۱۲۵۸ء)
۱۷۔ روضۃ الصفا۔ میر خوند
۱۸۔ سفینۃ الاولیاء
۱۹۔ دریای کبیر۔ مرزا محمد نصیر الحسینی
۲۰۔ مراۃ الصفا۔ محمد علی خان محمد صادق الحسینی

اس کے علاوہ بعض ایسی کتابیں جو تحقیق میں حافظ کے باب میں مددگار ثابت ہوئیں۔ مثلاً۔

۱۔ مجالس لعشاق۔ ۹۰۸ھ مطبوعہ نول کشور سلطان حسین بایقرا
۲۔ عرفات العاشقین: از تقی ابن معین الدین اوحدی (۱۰۲۲ھ)
۳۔ لطائف الخیال۔ تالیف محمد بن الدرائی (۱۰۲۷ھ)

۴۔خلاصۃ الافکار۔تالیف ابوطلاب تبریزی (۷۔۱۲۰۵ھ)
۵۔ریاض الشعراء۔تالیف علی قلی خان (۱۱۵۱ھ)

تیسری قسم کے مواخذ ہیں جن کی حیثیت تحقیقی اور تنقیدی قسم کی ہے۔مثلاً

۱۔ **تاریخ عصر حافظ**: ڈاکٹر قاسم غنی کی یہ کتاب حافظ کے عہد اور تصوف پر ایک اہم تحقیقی کارنامہ ہے۔اس میں علامہ محمد قزوینی کا مقدمہ بھی شامل ہے جس میں حافظ کی شاعری پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۲۔ **درسی از دیوان حافظ**: دوحصّوں پر مشتمل اس کتاب میں حافظؔ کی زندگی پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔پہلا حصّہ نظام تربیت اور تعلیم کے عنوان سے ہے جو بارہ فصلوں پر مشتمل ہے۔اور دوسرا حصّہ معارف معنوی کے عنوان سے ہے جس میں اصطلاحات حافظ پر بحث کی گئی ہے۔

۳۔ **اشعار و احوال حافظ**: از استاد سعید نفیسی اس میں حافظؔ کی غزلیات کا ایران کے تہذیبی مناظر میں وقیع ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے۔

۴۔ **حافظ شیریں سخن** : ڈاکٹر محمد معین کے اس رسالے میں حافظؔ کے حالات زندگی اور اس کے افکار وعقائد پر عالمانہ بحث کی گئی ہے۔

۵۔ **الھامات خواجہ یا حافظ شناسی**: محمد علی بامداد کی اس کتاب میں حافظؔ کے مسلک پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۶۔ **حافظ نامہ**: عبدالرحیم خلخالی۔اس رسالے میں حافظؔ اور کلامِ حافظؔ سے متعلق کچھ نئے تحقیقی گوشے پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

۷۔ **نقشے از حافظ**: از علی دشتی۔اس کتاب کے تین حصے ہیں جن کے عنوانات ہیں۔حافظ در عالم لفظ،حافظ در جہان اندیشہ اور ہنر حافظ (ہاشم رضی نے دیوان حافظ کے مقدمے میں یہ طویل فہرست دی ہے۔کے۔این۔پنڈت نے یہ فہرست بغیر حوالے کے ہاشم رضی سے لی ہے۔)

افسوس تو یہ ہے کہ یہ تمام مواخذ بھی حافظ کے متعلق مکمل معلومات فراہم نہیں کرتے۔ اور ان ک زندگی کے بہت سے پہلو پردۂ خفا میں ہیں۔اسی لیے علامہ شبلی فرماتے ہیں۔

"تاریخ شاعری کا کوئی واقعہ اس سے زیادہ افسوس ناک نہیں ہوسکتا کہ خواجہ حافظؔ کے حالات زندگی اس قدر معلوم ہیں کہ تشنگانِ ذوق کے لب بھی تر نہیں ہوسکتے۔ اس پایہ کا

شاعر یورپ میں پیدا ہوتا تو اس کثرت اور تفصیل سے اس کی سوانح عمریاں لکھی جاتیں کہ اس کی تصویرکا ایک ایک خد و خال آنکھوں کے سامنے آجاتا۔ (شعر العجم صفحہ ۱۹۶)

میر ولی اللہ بھی اسی بات کا افسوس کرتے ہیں۔

"سوائے چند مستند واقعات کے خواجہ حافظؔ کی زندگی کے حالات کے متعلق تذکروں اور تواریخوں میں جو کچھ لکھا ہے وہ بھی روایات ہیں جن کا اعادہ کرنا صرف خواجہ صاحب کی روح کو تکلیف پہنچانا ہے۔" (لسان الغیب صفحہ ۳)

بہر حال روایتوں اور حکایتوں کے درمیان حافظ کے جو حالات زندگی ملتے ہیں۔ انھیں پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ اب تک کے جتنے تذکرے ملتے ہیں وہ سب ایک دوسرے سے ماخوذ ہیں۔ اوران کے بیانات میں مشکل ہی سے کوئی فرق نظر آتا ہے۔ ان سب تذکروں میں عبدالنبی فخر زمانی کا تذکرہ ''میخانہ'' میں حافظ کے ابتدائی حالات نسبتاً ذرا تفصیل سے دیے ہیں۔ اسی طرح حافظ کے کمال فن سے متعلق کچھ اشارات حبیب السیر میں مذکور ہیں۔ اردو کی کتابیں جو بھی حافظ پر لکھی گئی ہیں فارسی تذکروں سے ہی اخذ کردہ مواد پیش کرتی ہیں۔ اس اعتبار سے اگر حافظ کی سوانح کا مطالعہ کیا جائے تو حالات زندگی تو دور کی بات ہے خود حافظ اور ان کے آباواجداد کے ناموں تک میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اس سے قبل کہ حافظ کے نام اور خاندان پر بحث کی جائے یہ امر مزید قابلِ غور ہے کہ تذکروں میں حافظ کے والد کے نام کے سلسلے میں اختلاف ملتا ہے۔ مثلاً

۱۔ شبلی نعمانی، شعرالعجم صفحہ ۱۹۱ پر تحریر کرتے ہیں کہ خواجہ صاحب کے دادا اصفہان کے مضافات کے رہنے والے تھے۔ اتابکان شیراز کے زمانے میں شیراز آئے اور وہیں سکونت کرلی۔ خواجہ صاحب کے والد کا نام بہاء الدین تھا۔ انھوں نے یہاں تجارت شروع کی۔

۲۔ ''حیات حافظ'' میں اسلم جے راج پوری رقمطراز ہیں۔

"خواجہ کا لقب شمس الدین، نام محمد اور تخلص حافظؔ ہے۔ ان کے آباء و اجداد مقام سرکان کے باشندے تھے جو شہر نہاوند کے قریب ہے۔ ان کے دادا شیراز میں آگئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔ کسی تذکرے سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ ان کا کیا نام تھا۔ البتہ

اتنا پته لگتا هے که وه بڑے نیک تھے۔تجارت ان کا پیشه تھا۔ اور شیراز میں ان کی عزت اور وقعت تھی۔ خواجه کے والد کا نام کمال الدین تھا جو علماء اور اہلِ کمال میں شمار کیے جاتے تھے اور اپنی آبائی تجارت کی وجه سے دولت مند تھے۔" (صفحہ۱۰)

۳۔محمد عنایت اللہ کا خیال ہے کہ

"خواجه کے دادا مضافات کے رهنے والے تھے۔ اتابکان شیراز کے عهد حکومت میں شیراز آئے اور وهیں سکونت اختیار کرلی۔ مولانا کے والد کا نام بهاء الدین تھا۔ انهوں نے تجارت کا کاروبار شروع کیا اور اس قدر روپیه کمایا که دولت مندوں میں شمار هونے لگے۔" (دیوان حافظ۔مترجم صفحہ۱۶)

۴۔حافظ کے ایک شارح میر ولی اللہ فرماتے ہیں۔

" خواجه صاحب کانام محمد اور لقب شمس الدین تھا جو ان کے اپنے استاد نے عطاکیاتھا۔ چونکه آپ حافظ قرآن تھے اور اسی نام سے عموماً پکارے جانے لگے اس لیے اپنا تخلص حافظ رکھا۔ داد امضافات اصفهان میں شهر نهاوند کے نزدیك مقام سرکان کے باشنده تھے۔ اتابکان شیراز کے عهد میں شیراز آئے اور وهیں سکونت پذیر هوئے۔ خواجه صاحب کے والد نے شیراز میں تجارت شروع کی اور ایسا معلوم هوا هے که وه آباو اجداد سے تجارت پیشه تھے اور دولتمند تھے ۔ خواجه صاحب کا خاندان شیراز میں علم و فضل میں بھی ممتاز تھا۔"

۵۔الحافظ (دیوان حافظ کے اردو دیباچے میں محمد رحمت اللہ رعدؔ نے حافظ کے والد کا نام شیخ کمال الدین لکھا ہےاوران کا اصلی وطن تو ی وسرکان بتایا ہے۔حاشیے میں انھوں نے لکھا ہے کہ توی وسرکان اس وقت ایک مختصر آبادی کا نام تھا جوشہرنہاوند سے شمال کی جانب واقع تھی۔(نہاوند حدود ہمداں میں اس وقت موجود ہے) کسی وجہ سے ترکِ وطن کر کے شیراز میں آباد ہوئے۔اوریہیں حافظ کی ولادت ہوئی۔

۶۔دیوان حافظ مترجم قاضی سجاد حسین کے مقدمے میں کوثر چاند پوری لکھتے ہیں۔

"میخانہ" عبد النبی میں جو حالات قلم بند کیے گئے ھیں۔ ان سے ظاھر ھوتا ھے کہ حافظؔ کا نام شمس الدین باپ بھاء الدین اصفھانی تھے اور اتابکوں کے عھد حکومت میں شیراز گئے تھے۔ یھیں توطن اختیار کرلیا تھا۔ حافظ کی والدہ کازرون کی تھی بھاء الدین شیراز میں تجارت کرنے لگے تھے۔"

۷۔ فارسی کے بعض نقادوں کی تحقیق کے مطابق وہ اصفہان کے نزدیک کوپای نام کے گاؤں کے رہنے والے تھے۔ رضا قلی علی خان ہدایت کے مطابق وہ توی سرکان فارس) کے باشندے تھے لیکن پروفیسر براؤن، استاد حکمت اور ہاشم رضی نے اسے قبول کرنے سے تامل کیا ہے۔ جو لوگ حافظ کے والد کو توی سرکان کا بتاتے ہیں انھوں نے ان کا نام بہاء الدین لکھا ہے اور جو لوگ حافظ کے خاندان کو اصفہان کا مہاجر خاندان خیال کرتے ہیں وہ کمال الدین بتاتے ہیں۔ بعض تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ حافظ کی والدہ کازرون (فارس) کی تھیں۔ اور حافظ کا مکان شیراز میں محلّہ دروازہ کازرون میں تھا۔ بعض محلّہ شیادان میں بتاتے ہیں۔ (کے۔ این۔ پنڈت، "حافظ کی شاعری" صفحہ ۷۶)

غرضیکہ ان تمام حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں تک حافظ کے نام لقب اور تخلص کا سوال ہے اس پر سب متفق ہیں کہ ان کا نام خواجہ محمد لقب شمس الدین اور تخلص حافظ تھا۔ لیکن ان کے آبائی وطن کے بارے میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ بعض انھیں سرکان کا باشندہ بتاتے ہیں اور بعض اصفہان کا۔ لیکن میر ولی اللہ کا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ حافظ کے دادا مضافاتِ اصفہان میں شہر نہاوند کے نزدیک مقام سرکان کے باشندے تھے یہ شہر نہاوند بقول رحمت اللہ رعد حدود ہمدان میں اس وقت موجود ہے گویا وہ اصفہان ہی کے علاقے میں کہیں کے رہنے والے تھے۔

ان کے دادا کا نام (صحیح یا غلط) کسی نے بھی نہیں بتایا۔ خود والد کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ جو ان کو توی سرکان کا باشندہ مانتے ہیں وہ ان کا نام بہاء الدین بتاتے ہیں اور جو اصفہان کا باشندہ مانتے ہیں وہ ان کا نام کمال الدین بتاتے ہیں۔ ان کی والدہ کو بعض محققین نے کازروان (فارس) کی رہنے والی بتایا ہے۔ البتہ اس بات میں پھر سب کا اتفاق ہے کہ کسی وجہ سے ان کے آباء واجداد شیراز آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ ان کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ اور سماج میں اپنے تمول کی وجہ سے صاحب عزت اور محترم خیال کیے جاتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے والد تاجر پیشہ ہونے کے باوجود انھیں علم و فضل میں کمال حاصل

تھا۔ اس پہلو سے اگر غور کیا جائے تو ممکن ہے ان کا اصل نام بہاء الدین ہو اور اور دینی امور اور علم وفضل متداولہ میں کمال حاصل ہونے کی وجہ سے ان کا لقب کمال الدین قرار پایا ہو۔ اور پھر وہی مشہور بھی ہو گیا ہو۔ جس طرح حافظ کا لقب شمس الدین قرار پایا اور بہت سے لوگ اسے ان کا نام تصور کرتے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ توی سرکان ہی کے باشندے ہوں اور وہاں سے تجارت کے سلسلے میں اصفہان ہوتے ہوئے پھر شیراز آئے ہوں۔ اس طرح ان کی وطنیت کے اختلاف کا مسئلہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

ولادت:

تمام محققین اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ خواجہ کی پیدائش شیراز میں ہوئی اور شیراز سے ان کی شدید محبت کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ اس سرزمین کو ان کی جائے پیدائش ہونے کا شرف حاصل تھا۔ البتہ ان کے سن ولادت یا تاریخ پیدائش کے متعلق کچھ پتہ نہیں چلتا۔ بلکہ یہ پہلو بھی اختلاف سے خالی نہیں۔ اور اس سلسلے میں محققین و مورخین اور ناقدین کی مختلف آراء ملتی ہیں۔ مثلاً

(۱) مصنف تذکرہ 'میخانہ' ان کی عمر ۶۵ برس بتاتا ہے اس لحاظ سے اگر ان کے سال وفات کو ۷۹۱ھ فرض کریں تو ان کی ولادت ۷۲۶ھ قرار پاتی ہے۔ کے۔ این پنڈت نے مختلف حوالوں سے ان کی ولادت ۷۲۶ھ ہی قرار دی ہے۔

(۲) شاہ شجاع ۷۶۶ھ میں واپس شیراز آیا تو کچھ وجوہات کی بنا پر اس نے حافظ کے ساتھ سرد مہری کی۔ حافظ نے کہا۔

چل سال بیش رفت کہ من لاف می زنم
کز چاکرانِ پیر مغاں کمترین منم

(۳) بعض تذکرہ نویسوں اور محققوں کے مطابق حافظ کی وفات ۴۵ برس کی عمر میں ہوئی۔ ان کی ولادت ۷۴۵ھ قرار پاتی ہے۔ مگر کے۔ این۔ پنڈت اس سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق شیخ ابواسحٰق اور حافظ کی دوستی ۷۵۴ھ میں ہوئی۔ گویا نو برس کی عمر میں، جو ناممکن ہے۔ حاجی قوام کی موت پر حافظ کا یہ شعر (۷۵۴ھ میں) نو سال کی عمر میں کیسے ہو سکتا ہے۔

(۴) دیوانِ حافظ شیرازی مرتبہ رضا جلالی نائینی و دکتور نذیر احمد، مقدمہ میں تحریر ہے کہ۔

"سال تولدش روشن نیست. ولی چوں دوران حکم رانی شیخ ابو اسحق اینجو و امیر مبارزالدین محمد و پسران و برخی از نواد گانش رادرک کردہ است، میتوان گفت کہ دریکی از سال های دھۂ

اول یا دهۂ دوم نیمۂ اول قرن هشتم هجری درمیان یك خانوادۂ خوش نام بدنیا آمد و خواجه خود ایں معنی اشارت داد۔"

گویا اس اعتبار سے حافظ آٹھویں صدی ہجری کے نیمۂ اول یعنی پہلے یا دوسرے دہے کے دوران کسی سال تولد ہوئے۔

(۲) مطالعۂ حافظ میں احتشام الدین حقی حافظؒ کے ایک بھائی کا تذکرہ کرتے ہیں اس کی وفات پر حافظ نے مندرجہ ذیل تاریخی قطعہ کہا تھا۔ جو ان کے دیوان میں موجود ہے۔ حقی لکھتے ہیں کہ

"قطعه تاریخ کے حروف کے مطابق آپ کے بھائی 'خواجه طالب نے ۷۷۵ھ میں ۵۹ سال کی عمر میں انتقال کیا ۵۹ سال ان کی عمر کے سال وفات سے وضع کرنے سے سال پیدائش خواجه طالب کا ۷۱۷ھ ظاہر ہوتا ہے۔حافظ صاحب ان سے عمر میں چند ایك سال چھوٹے یا چند ایك سال بڑے ہوں گے ۔قطعے کے لهجے سے اور انتقال کرنے سے ان کے عمر میں حافظؒ صاحب سے بڑا ہونا مرجح ہے۔پس حافظؒ صاحب کی پیدائش ۷۱۵ھ سے ۷۲۰ھ تك کسی سال میں قرین قیاس تصور کی جاسکتی ہے"(مطالعہ حافظ سے کیا استنباط ہوتا ہے صفحہ ۱۵۶،۱۵۵)

اس خیال کو مزید تقویت پہنچانے کی خاطر وہ ایک اور دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ۔

"آپ کے (حافظ کے)کلام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔اس طرح که عهد مظفر میں دو ایك سال ممانعت شراب برقرار رہ کر عهد شجاع میں قریبً ۷۶۰ھ کے جب شراب پھر کھلی اور تاویلات کی گئیں که شراب مطلقاً حرام نہیں ،معالجوں میں کارگر ہوتی ہے۔حافظ نے ان تاویلات کے جواب میں یه شعرنغر داخل غزل فرمایا جو تغزل کی جان اور شوخی وظرافت کا عجیب وغریب نمونه ہے۔

چل سال رنج و غصه کشیدیم و عاقبت
تدبیر ما بدست شراب دو ساله بود

(چالیس سال کے عمر کے تکلیف ورنج میں مفت ضائع کرکے آخر معلوم ہوا که ہمارے مرض کا علاج شراب تھی جو دو سال سے بند تھی)

۷۶۰ھ یعنی شراب کی مخالفت کی برطرفی کے وقت آپ کی عمر مصرع اول لحاظ سے اگر چالیس سال تصور کی جائے اور ۷۶۰ھ میں سے چالیس سال کے وضع کئے جائیں تو اس طریق استدلال و استقراء سے بھی ۷۲۰ھ آپ کی پیدائش کا تخمینی سال بھم پهنچتا ھے۔ ھر دو طریق سے آپ کی پیدائش ۷۲۰ھ کے قریب ثابت ھوتی ھے۔

شبلی حافظ کا سال وفات ۷۹۳ھ کو مانتے ہیں ان کا خیال ہے کہ خاک مصلی تاریخ ہے جس میں ایک عدد کی کمی ہے۔ لیکن کوثر چاند پوری اس بات کو نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ ''علامہ شبلی کا یہ ارشاد درست نہیں کہ اس میں ایک کی کمی ہے۔ البتہ عنایت اللہ حافظ کے ہم نوا ہیں۔ جب کہ میر ولی اللہ کوثر چاند پوری کی آواز میں ملاتے ہوئے حافظ کا سن وفات ۷۹۱ھ کو قرار دیتے ہیں۔

نفحات الانس اور خزانہ عامرہ میں حافظ کا سن وفات ۷۹۲ھ بتایا گیا ہے گلندام نے بھی یہی تاریخ وفات نکالی ہے۔ ہاشم رضی کی تحقیق کے مطابق آتشکدۂ آزر (لطف علی بیگ) ریاض العارفین (رضا قلی خاں ہدایت) مجمع الفصحاء (ہدایت) ۷۹۱ھ اور مجمل فصیحی (فصیحی خوانی) نفحات الانس (جامی) مجالس المومنین (قاضی نوراللہ شوستری) کشف الظنون (حاجی خلیفہ) اور ملا سودی وغیرہ سبھوں نے ۷۹۲ھ ہی کو حافظ کا سال وفات قرار دیا ہے۔ لیکن کچھ مورخوں کا خیال ہے کہ غیاث الدین ۷۹۲ھ میں تخت نشین ہوا تھا اور یہ حافظ کا سال وفات نہیں ہوسکتا کیونکہ اس نے اسی سال حافظ کو بنگال آنے کی دعوت دی تھی۔ پژمان یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ سلطان غیاث الدین نے حافظ کو بنگال آنے کی دعوت دی تھی تو یہ اس کی تخت نشینی سے بہت پہلے ہوگی۔ اور یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ سلطان پہلے سے ہی حافظ کا شیدائی رہا ہو اس کے دل میں حافظ کو بنگال بلانے کی خواہش پہلے سے موجود ہو اور جیسے ہی وہ تخت نشین ہوا اس نے فوراً حافظ کو دعوت دی حافظ بنگال تو نہ آسکے مگر اس دعوت کے کچھ ہی دنوں بعد ان کا انتقال ہوگیا ہو۔ اس کے برعکس اگر مولانا حقی کے اس خیال پر غور کیا جائے کہ امیر تیمور کے حملے کے وقت حافظ حیات تھے۔ اور ترک شیرازی والا واقعہ اس وقت پیش آیا۔ اور اس کے امکانات بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ امیر تیمور نے پہلی مرتبہ ۷۸۹ھ میں شیراز پر حملہ کیا زین العابدین کے عہد میں دوبار ۷۹۵ھ میں، شاہ منصور کے عہد میں پہلی مرتبہ زین العابدین مقابلے کے لئے لشکر فراہم کرنے میں ناکام رہا اور ڈر کے مارے شیراز سے فرار

ہو گیا۔ امیر تیمور نے شیراز کو خالی پا کر اس پر قبضہ کر کے شاہ شجاع کے بھائی نصر الدین یحیٰ کو حکمراں بنا دیا جس نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ شیراز اس کے سپرد کر کے وہ واپس لوٹ گیا۔ لیکن دوسری دفعہ جب اس نے شیراز پر حملہ کیا تو شاہ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے تیمور کے ہاتھوں مارا گیا اور اب کی دفعہ تیمور مکمل طور پر شیراز پر قابض ہو گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا پہلا حملہ محض زین العابدین جیسے نالائق فرماں رواں کو سبق سکھانے کی خاطر تھا ورنہ وہ خود بھی شیراز کو اپنی حکومت میں شامل کر سکتا تھا۔ نصرت الدین یحیٰ کو تخت پر بٹھاتا۔ مگر اس کی نیت ایسی نہ تھی۔ لیکن دوبارہ جب اس نے منصور پر حملہ کیا تو اس کی نیت شیراز کو فتح کرنے ہی کی تھی جب مکمل طور پر شیراز اس کے قبضہ میں آ گیا تب اس نے سکون کی سانس لی۔ فتح کی خوشی میں اس نے فنکاروں کو طلب کیا ہوگا اور اسی دوران حافظ سے بھی اس کی ملاقات ہوئی ہوگی۔ حافظ کا کلام چونکہ اس زمانے میں شیراز سے باہر چاروں طرف مشہور ہو چکا تھا لہذا تیمور بھی اس سے واقف ہوگا۔ بلکہ اس کا قدردان ہوگا۔ اور ترک شیرازی والا شعر اس نے پہلے ہی سے سن رکھا ہوگا۔ ممکن ہے دل ہی دل میں حافظ کی شوخی طبع کی داد بھی دی ہوگی اور اسی شعر کے سبب اس کے دل میں حافظ سے ملاقات کی خواہش پیدا ہوئی ہوگی۔ اسی لئے اس موقع پر بہ حیثیت حاکم شیراز حافظ کی طلبی، ان سے چھیڑ چھاڑ اور مکالمہ اور پھر حافظ کا شوخ جواب سن کر وہ مزید محظوظ ہوا ہوگا اس اعتبار سے سوچیے تو حقی کا قیاس درست معلوم ہوتا ہے۔ تیمور کا پہلا حملہ رواروی میں تھا جب کہ دوسرا شیراز فتح کرنے کے بعد احساس طمانیت کا لہذا ایسے ہی موقع پر کسی فن کار سے ایک خوشگوار فضا میں بات ہو سکتی تھی۔ مگر انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مصنف تو سرے سے اس واقعے ہی سے انکار کرتا ہے اور اسے فرضی قرار دیتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ تیمور شیراز میں خواجہ کے انتقال کے کئی سال بعد گیا تھا۔ نیز بیشتر ایرانی محققین مورخین اس بات کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ خاک مصلی تاریخ نکال کر حافظ کا سن وفات ۷۹۱ھ قرار دیتے ہیں اور خواجہ کی عمر پینسٹھ سال بتاتے ہیں صاحب عرفات العاشقین اور دریائے کبیر کی عبارات سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ غالباً شاہ شجاع کی طرف سے حافظ کی تہدید کی گئی تھی جس کی وجہ سے وہ سخت غمگین ہوئے اور غالباً پیرانہ سالی میں اس ذہنی اور روحانی عذاب کی تاب نہ لا کر انھیں ایام میں رحلت کر گئے۔ (بحوالہ کے این پنڈت صفحہ ۱۳۶)

رضا جلالی نائنی دیوان حافظ کے مقدمے میں صاف لفظوں میں تحریر کرتے ہیں کہ "درسال ۷۹۱ھ قمری وفات حافظ یا حروف سال احدی وتسعین و سبعہ قزوینی میں

۷۹۱ھ کو حافظؔ کا سال وفات بتایا گیا ہے۔ جعفر بن محمد حسن (جعفری)، مورخین معاصر حافظؔ نے تاریخ کبیر میں ایک دو بیتی یا قطعہ درج کیا ہے۔

بسالِ صاد و ذال وبائے ابجد
زروز ہجرت میمون احمد

بسوی جنت اعلیٰ رواں شد
فرید عصر شمس الدین محمد (۳)

بخاک پاک اوچوں بر گذ شتم
نگہِ کردم صفا ونور مرقد (۴)

مولانا اسلم جے راج پوری نامعلوم شاعر کے زیر بحث قطعہ تاریخ یعنی

چراغ اہل معنی خواجہ حافظؔ
کہ شمع بود از نور تجلے

چودر خاک مصلے ساخت منزل
بجو تاریخش از. خاکِ مصلے

کی روشنی میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''عشاء کے وقت دوشنبہ کے دن تاریخ ۷ ذی الحجہ ۷۹۱ھ میں خواجہ نے شیرازی میں وفات پائی۔ (حیات حافظ صفحہ ۶۳)

اس زمانے میں چونکہ ٹیلی فون یا تار جیسے وسائل نہیں تھے اسی لئے حافظؔ کی موت کی خبر خراسان، آذربائجان اور ماوراء النہر میں دیر سے پہنچی وہ ذی الحجہ کا آخری مہینہ تھا لیکن دو روز بعد ماہ محرم ۷۹۲ھ میں انھیں خاک مصلی شیراز میں دفن کیا گیا۔ گویا اس دن ۷ انہیں بلکہ ۲۷ ذی الحجہ تھی۔

ہرمن بکنل نے حافظ شیرازی کے عنوان سے اپنی کتاب میں انگریزی ابجد کے حساب سے ایک مصرعہ تاریخ نکالا ہے جو یوں ہے۔

Thrice take thoo from Mosalla's Earths

Its richest grains

Its richest اور 400 کا مجموعہ M+L+L یعنی Mosalla's Earth کے لاطینی ہندسوں

grains کے لاطینی ہندسوں سے ۱۰۳ نکلتا ہے اور جب ایک سو تین کو تین بار گیارہ سو سے نکالیں

تو باقی ۷۹۱ رہ جاتا ہے۔ (بحوالہ کے۔این۔پنڈت صفحہ ۳۱۲) ان تمام مباحث سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ حافظ کی پیدائش ۷۲۶ھ میں ہوئی اور ان کا انتقال ۷۹۱ھ میں ہوا۔ گویا اس طرح انھوں نے پینسٹھ سال کی عمر پائی حافظ کا مقبرہ شیراز میں ہے اور اس جگہ کو حافظیہ کہا جاتا ہے۔ یہ ابتداء سے آج تک سلاطین، شہزادگان، امراء، اہلِ علم و ادب اور عوام کے لیے زیارت گاہ کی حیثیت سے مشہور رہا ہے۔

بچپن:

کہا جاتا ہے کہ بچپن ہی میں ان کے والد کا انتقال ہوگیا چونکہ وہ ایک کامیاب تاجر تھے اس لئے ترکے میں اچھی خاصی جائیداد چھوڑ گئے ورثاء میں ان کے تین بیٹے اور ایک بیوہ تھی۔ حافظ ان تین بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے اور غالباً اپنے والد کے موت کے وقت وہ بے حد کم سن تھے حافظ کے دونوں بڑے بھائی باپ کی طرح نہ تو پیشے میں ماہر تھے اور نہ ہی لائق نتیجہ یہ ہوا کہ جب تک باپ کی جائیداد رہی مزے سے گزرتی رہی اور وہ بھی بڑی بے رحمانہ فیاضی کے ساتھ۔ آخر کب تک یہ دولت ساتھ دیتی چند ہی دنوں میں ختم ہوگئی ان حالات میں پریشانیوں کا آنا لازمی تھا۔ اس پر ایک بیوہ ماں اور ایک کم سن بھائی کی پرورش کی ذمہ داری۔ دونوں بھائی پہلو بچا کے وہاں سے بھاگ نکلے۔ حافظ اپنی ماں کے ساتھ اکیلے رہ گئے۔ غریب ماں جب تک بن سکا اپنے کم سن بیٹے کو پالتی رہی جب کچھ نہ بن سکا تو اسے محلے کے ایک شخص کے حوالے کر دیا۔ طفل خورد سال کو یہ بات پسند نہ آئی کیونکہ وہ شخص بد اطوار تھا۔ چنانچہ ہوش سنبھالتے ہی حافظ نے تلاش معاش شروع کر دی۔ آخر کار ایک نانبائی کی دکان میں خمیر گیری کے کام پر مامور ہوگئے۔ اس دکان کے قریب ہی ایک مکتب تھا جہاں خوش حال گھرانوں کے بچے تحصیل علم کے لئے آتے تھے۔ حافظ روزانہ وہاں سے گزرتے ان بچوں کو مکتب جاتے دیکھ کر ان کے دل میں بھی تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ خمیر بنانے کے کام سے جو معاوضہ انھیں حاصل ہوتا وہ اس کے چار حصے کر دیتے تین حصے بالترتیب اپنی والدہ معلم اور محتاجوں میں بانٹ دیتے اور چوتھا حصہ اپنے اخراجات کے لئے رکھ دیتے جس سے تعلیم حاصل کرتے۔ اسی دوران انھوں نے قرآن حفظ کر لیا اور اس اعتبار سے حافظ کہلائے جسے بعد میں انھوں نے بطور تخلص اپنا لیا۔ لیکن وہ صرف تخلص کے اعتبار ہی سے حافظ نہ تھے بلکہ ان کو چودہ طریقوں سے قرآن کی قراءت پر عبور حاصل تھا اور اس بات کو وہ اپنے لئے باعث فخر بھی

گردانتے تھے اسی لئے اپنے بیشتر اشعار میں اس کا ذکر بھی کیا ہے مثلاً

اے چنگ فرو بردہ بخونِ دل حافظ

فکرت مگر از عزت قرآنِ خدا نیست

(ظالم: تو نے حافظ کے خون دل میں ہاتھ ڈبو دیا ہے۔ شاید کلام الٰہی کے احترام کا تجھے کچھ خیال نہیں ہے)

ندیدم خوش تر از شعرِ تو حافظ

بقرآنیکہ اندر سینہ داری

(اے حافظ میں نے تیرے شعروں سے اچھے کسی کے شعر نہیں دیکھے اس قرآن کی قسم! جو تیرے سینے میں ہے)

علم وفضل :

خواجہ ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جہاں علم وفضل کا چرچا تھا لہذا علم سے دلچسپی ناگزیر تھی۔ پھر وہ ذاتی طور پر شروع سے ہی ذہین تھے۔ لہذا انھیں علوم عقلیہ مثلاً منطق، فلسفہ اور فقہ سے خاص شغف تھا۔ انھوں نے اپنے دور کے مشہور فقیہہ اور مفسر مولانا شمس الدین محمد عبداللہ شیرازی سے درس لیا تھا، جنہوں نے حافظ کی ذہانت سے متاثر ہو کر اپنے اس شاگرد کو اپنا نام بطور لقب عطا کیا۔ یعنی شمس الدین علم وادب کا بھی وہ اچھا ذوق رکھتے تھے اور عہد جاہلیت کے شعراء کے بیش تر دواوین ان کے مطالعے میں رہتے تھے۔ سکا کی کی کتاب ''مفتاح'' جو معانی و بیان میں ہے ان کی پسندیدہ کتابوں میں تھی مگر سب سے زیادہ اگر انھیں کسی چیز کا شوق و ذوق تھا وہ قرآن تھا علوم قرآنیہ سے ان کی اچھی خاصی واقفیت تھی۔ اور اکثر تفسیروں کا درس دیا کرتے تھے۔ ساری عمر ہی انھوں نے قرآن کے نکات و معارف کی درس و تدریس میں گزار دی۔ بعض تذکروں کے مطابق اگر عبداللہ شیرازی نے انھیں علوم قرآنیہ پڑھائے تو علامہ سید اشرف جرجانی (۷۵٦ھ) نے انھیں علم منطق سے روشناس کروادیا۔ مگر مصنف حیات حافظ اس خیال کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ غلط ہے کیونکہ علامہ سید شریف ۷٤۰ھ میں پیدا ہوئے جس کے پانچ ہی سال بعد خواجہ مسند درس پر بیٹھے جو زمانہ خواجہ کے بڑھاپے کا ہے وہ ان کی جوانی کا ہے۔ پھر یہ کیونکر یقین کیا جائے کہ خواجہ نے ان کی شاگردی کی ہوگی۔" (صفحہ ۱۳)

جبکہ حافظ کے ایک شارح میر ولی اللہ اس بات کو اہمیت نہیں دیتے ان کا خیال ہے کہ یہ دلیل اور سنین کا یہ مقابلہ خواجہ صاحب اور سید شریف میں رشتہ شاگردی واستادی کے قطعی منافی نہیں بوڑھا شاگرد اور جوان استاد کوئی عجیب بات نہیں۔ (شارح دیوان حافظ صفحہ ۸۸) بقول گلندام ''کشاف'' جو قرآن کی ایک معرکتہ الارا تفسیر اور علامہ زمخشری معتزلی کی تصنیف ہے ان کو تمام تفسیروں سے زیادہ مرغوب تھی چنانچہ انھوں نے ایک حاشیہ بھی اس پر عربی زبان میں لکھا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ معقول ومنقول دونوں پر حاوی تھے اور معتزلہ کے عقلی مباحث میں انھیں بڑا مزا آتا تھا۔ اس کے علاوہ مصابح پر بھی حاشیہ لکھا اور ''مطالع ومصابح'' کا مطالعہ اکثر کرتے رہتے تھے۔ اپنے کلام سے بے نیاز وہ عربی شعروں مصرعوں یا محاوروں کا استعمال بہت ہی خوبی سے اپنے شعروں میں کیا ہے ایسے الفاظ ومحاورات کی ایک اچھی خاصی فہرست ہاشم رضی کے دیوان حافظ کے آخر میں موجود ہے چنانچہ دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرے میں لکھتا ہے۔

"تفسیر کلام اللہ مجید اور فرقان حمید میں بے نظیر ہے۔علومِ ظاہر و باطن میں دانش مندا میر ہے"

حافظ نے اپنی غزلوں میں متعدد جگہوں پر ایران کے قدیم فرماں رواؤں اور ان کے خاندانوں اساطیری اور تاریخی شخصیتوں زرتشتی تہواروں اور تہذیبی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے ایران کی قدیم تاریخ کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ مجمع الفصحا کی روایت کے مطابق وہ اپنا کلام ہمیشہ ترنم سے پڑھتے تھے۔ غرضیکہ مقدمہ جامع دیوان حافظ میں تحریر ہے کہ وہ اپنے عہد کے افاضل العلماء شمار کئے جاتے تھے۔

اخلاق وعادات:

ہر اچھا فن کار ضروری نہیں کہ ایک اچھا انسان بھی ہو مگر انسانیت کی اعلی صفات عام طور پر خود بخود اس کی شخصیت کا ایک حصہ بن جاتی ہیں کیونکہ فن کا تقاضا ہی انسانیت کی اعلی قدار ہوتا ہے۔ حافظ کے متعلق بھی حالانکہ بہت سی غلط اور صحیح جھوٹی سچی اور فرضی حکایتیں اور روایتیں مشہور ہیں مگر ان کے جو حالات سامنے آتے ہیں نیز ان کی شاعری سے ان کے مزاج کے جو مختلف پہلو نمایاں ہوتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ ایک انسان دوست اور فرض شناس انسان تھے۔ حسب معاش میں کبھی غفلت نہ کرتے تھے۔ اور صلہ فن کے تعلق سے بھی وہ عزت نفس کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ خوشامد تملق یا جھوٹی مدح سرائی کے ذریعہ تحصیل زر کے قائل نہ

تھے۔ان کے مزاج میں سفلہ پن نہ تھا۔ حالانکہ طبیعت میں آزادہ روی تھی۔لا ابالی پن تھا۔حق گوئی اور بے باکی تھی۔مکر وریا سے انھیں نفرت تھی اسی لئے حافظ قرآن ہونے کے باوجود اور درس علوم قرآنیہ کے فرائض انجام دینے کے باوجود وہ ان زاہدان سالوس سے نفرت کرتے تھے جن کا تقدس محض ایک دکھاوا تھا مکر وفریب تھا ساری زندگی وہ ایسے زاہدوں اور واعظوں کے خلاف اوران کے خرقہ پوشی کے اندر چھپے ہوئے مکر کو بے نقاب کرتے رہے۔وہ صاف دل تھے بے تکلف تھے اور جو دل میں ہوتا تھا وہی زبان پر بھی۔اسی لئے اگر کوئی برائی بھی کرتے تھے تو ریاکاری کے پردے میں چھپا کرنہیں کرتے تھے۔آزاد منشی کے باوجود وہ متقی تھے۔اور غالباً اسی لئے شب بیداری اور سحر خیزی آپ کی عادت تھی۔ورد قرآن آپ کا روزمرہ تھا۔ہمیشہ ریاضت و مجاہدے میں مشغول رہتے تھے وہ خوش الحان بھی تھے اکثر صبح کے وقت قرآن پر سوز لے میں پڑھتے تھے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں موسیقی کا بھی درک تھا ان کے اکثر اشعار میں ایسے الفاظ موجود ہیں جنہیں فن موسیقی کی اصطلاح کہا جاسکتا ہے مثلاً ساز بم،حجاز،عراق،نوا،بانگ شیر وغیرہ انھیں اپنی زمین سے اپنے وطن سے بے حد محبت تھی اسی لئے عمر بھر شیراز کو چھوڑ نہ سکے۔

مذہب ومسلک:

ایک عام مذاق جو ہمارے محققین اور ناقدین اپنے فنکاروں اور اہل قلم کے ساتھ کرتے رہے ہیں وہ یہ ہے کہ جہاں کوئی بڑا ادیب یا شاعر پیدا ہوا ہمارے محققین اس کو مسلک کا ثابت کرنے میں اپنا زور قلم صرف کرنے لگے جس ملک یا عقیدے کے وہ خود ہیں۔اردو میں ملا وجہی اور غالب کے ساتھ یہی ہوا۔فارسی میں خواجہ حافظ شیرازی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی سلوک ہوا۔شیعہ محققین،مورخین اور ناقدین نے حافظ کو شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کی اور سنّی محققین،مورخین اور ناقدین نے سنّی۔اور مزہ تو یہ ہے دونوں اپنے اپنے حساب سے دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔اس قسم کے محققوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ایک وہ جو حافظ کی شیعیت تسلیم کرتے ہیں۔دوسرے،وہ جو انھیں سنّی مانتے ہیں اور تیسرے وہ جو دلیلوں سے ان کے صوفی مسلک پر روشنی ڈالتے ہیں پہلے گروہ میں استاد علی اصغر حکمت جن کی کتاب ''سعدی تا جامی'' کا ذکر ناگزیر ہے کہ اس کتاب کے صفحہ ۳۶۷ کے حاشیے پر وہ تذکرہ 'میخانہ'' (عبدالنبی) کے حوالے سے حافظ کے شیعہ ہونے کے سلسلے میں ایک مشہور داستان قلم بند کرتے ہیں۔لکھتے ہیں۔

"جب حافظ ابتدائی دور میں ناموزوں شعر کھنے کی بنا پر

مایوس ھوا تو ایک بار عالم یاس میں بابا کوھی کے آستانے پر پھنچا ۔وھاں تین دن تک پڑا رھا اور افطار تک نہ کیا۔دن رات تفرع وزاری کرتا رھا۔تیسری شب گریہ وزاری ھی کی حالت میں تھا کہ آنکھ لگ گئی ۔خواب میں ایک سوار دیکھا جس کے بغل سے لے کر پیشانی تک نور ھی نور تھا۔اس نے اپنا مبارک چھرہ حافظؒ کی طرف کرکے کھا۔'اے حافظؒ اٹھ !تیری مراد ھم نے پوری کردی ۔پھر نھایت سفید لقمہ اپنے مبارک دھن سے نکال کر حافظؒ کے منہ میں ڈالا اور فرمایا کہ ھم نے تم پر عمل کے دروازے کھول دئے ۔فصاحت و بلا غت میں تمھیں زمانے کا نادر انسان بنایا ۔لوگ تمھارے اشعار کو ھاتھوں ھاتھ لیا کریں گے ۔تم روز ابد تک صفحہ ھستی پر بطور یاد گار باقی رھوگے۔

خواجہ حافظؒ نے کھا میں نے زندگی بھر کبھی اتنا لذیذ لقمہ نھیں کھایا اور نہ اس قدر ذوق حاصل کیا تھاجو اس لقمہ سے مجھے حاصل ھو ا۔پھر وہ خورشید تاباں غائب ھونے لگا میں اس کے سامنے گیا یکا یک مجھے ایک نیک سیرت و خوش صورت بزرگ نظر آیا۔میں نے اس سے پوچھا یہ نیر اعظم کھاں سے طلوع ھوا اور اس کا اسم مبارک کیا ھے۔اس نے کھا عجب!کیا تم نھیں جانتے یہ ساقی شراب طھور ھے ۔"انا مدینتہ العلم و علی باب ھا"میں شوق سے اٹھ کھڑا ھوا تاکہ ان کے پاک قدم لوں اور سر اور جان کو امیر مرداں پر نثار کروں موذن کی آواز کان میں پڑی خواب سے بیدار ھوا اور باطن کو اس فائقس الانوار کے دیدار اور قدوم مبارک سے متجلی پایا۔اس صبح فائض الانوار کی روشنی میں میرے دل کا سمندر موجزن ھو اور میں نے یہ غزل کھہ ڈالی۔

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند

وندران ظلمت شب آب حیا تم دادند"

مشکل کے وقت مشکل کشائی کرنے والے کسی سوار کو خواب یا حالت بیداری میں

دیکھنا اس دور کے مسلمانوں کے عقائد کا ایک حصہ بن چکا تھا اور اس قسم کی متعدد روایتیں (جن میں حقیقی کم اور فرضی داستانیں زیادہ تھیں) کسی بھی کام کے جواز کے طور پر سنا دی جاتی تھیں بقول انتظار حسین۔

"اس طور کے سوار مسلمانوں کو سب سے پہلے بدر میں نظر آئے تھے تب سے یہ روحانی واردات ہماری ذات کا حصہ ہے اور ان سبز پوش سواروں پر ایسا اعتبار قائم ہوا کہ جب جب پیمبری وقت پڑا یہ سبز پوش سوار ضرور دکھائی دئے۔سبز پوش سوار نہ ہوتے تو سیاہ نقاب ڈالے تلوار باندھے کوئی سوار آتا اور مشکل کشائی کرتا۔نقاب پوش سوار نہ آتا تو خواب میں کوئی سفید عمامہ باندھے نورانی صورت آتی اور گرہ کشائی کرتی" (نیا ادب اور پرانی کہانیاں ،انتظار حسین (ماخوز از اردو افسانہ روایت اور مسائل مرتبہ پروفیسر گوپی چند نارنگ صفحہ ۴۷)

چنانچہ حافظ کے متعلق یہ روایت بھی ایک فرضی داستان سے کم نہیں خاص طور پر جب کہ اس سلسلے میں کچھ اور روایتیں بھی کہی جاتی تھیں۔حافظ کو شیعہ ثابت کرنے میں دوسرا نام قاضی نوراللہ شوستری کا ہے۔جنہوں نے اپنی کتاب ''مجالس المومنین'' میں خواجہ کو شیعہ قرار دیتے ہوئے ثبوت میں ان کی غزل کا وہ آخری شعر جس میں انھوں نے شاہ منصور کی مدح کی ہے پیش کیا ہے۔

حافظ زجاں محب رسول است و آلِ او(۵)
بر این سخن گواہ است خداوند اکبرم

(حافظ جاں سے رسولؐ اور ان کی اولاد کو دوست رکھتا ہے اور اس پر خداوند عالم گواہ ہے) لیکن اس ایک شعر کو حافظ کی شیعیت کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ محبت رسولؐ و آل رسولؐ تو سنیوں کا بھی عقیدہ ہے پھر یہ شعر بھی مستند نہیں مانا گیا ہے کیونکہ ایک قلمی دیوان میں (نوشتہ ۹۸۱ھ) شعر اس طرح ہے۔

حافظ بجاں دعائے تو گوید بصبح و شام
بر این سخن گواہ است خداوند اکبرم

(حافظ جان و دل سے تیرے لئے صبح و شام دعا مانگتا ہے اس بات پر خداوند عالم گواہ

ہے) چونکہ یہ قصیدہ شاہ منصور کی مدح میں ہے لہذا محبت رسولؐ و آلِ رسولؐ کے اظہار کا موقع بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ دوسرے یہ کہ اس قصیدے کی وجہ تحریر شاہ منصور کی بدگمانیوں کو دور کرنا تھا۔ اسی لئے شاعر شروع ہی میں قسمیں اور سوگند کے ساتھ حلف وفاداری اٹھاتا ہے مطلع ہے۔

جوزا سحر نہاد و حمایل برابرم
یعنی غلام شاہم و سو گند می خورم

مقطع میں بھی اسی تیقن کی کوشش کی گئی ہے اور ایہام کی رعایت لفظی سے کام لیا گیا ہے۔ بعض کتابوں میں مقطعے کا پہلا مصرعہ یوں ہے "حافظ بجاں مطیعِ عدو است و آلِ اوست" یہاں آل سے مراد اہل بیت اطہار ہیں اور آل مظفر بھی جو شیراز کے فرماں روا رہے ہیں ۔لہذا اس شعر کو بھی حافظ کی شیعیت کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

پروفیسر ای۔ ایچ پامر انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں خواجہ کو شیعہ بتاتا ہے اور ان کے بعض اشعار کا حوالہ دیتا ہے مثلاً۔

حافظ اگرقدم زنی در رہ خاندان عشق
بدرقۂ رہت شود ہمت شحنۂ نجف

(حافظ اگر تو خاندان عشق کے راستے پر قدم رکھے۔ تو پاسبان نجف کی ہمت ہی تیری رہنمائی کرے گی۔)

نجف میں چونکہ حضرت علیؑ کا روضہ ہے اور حضرت علیؑ کی ذات گرامی سے شیعوں کو ایک عقیدت خاص ہے بلکہ محبت علیؑ ان کے لئے جزو ایمان ہے لہذا اس شعر میں حافظ کی شیعیت تلاش کی گئی ہے لیکن یہ بھی درست نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے کے تصوف کی اصطلاح میں عشق فقیری و درویشی کے معنوں میں آتا ہے اور خاندان عشق سے مراد خانوادۂ صوفیہ سمجھا جاتا ہے ۔صوفیائے کرام کا سلسلہ خواجہ حسن بصری کے توسط سے حضرت علیؑ تک پہنچا ہے جو شاہ ولایت اور سردار الاولیا تسلیم کئے جاتے ہیں۔ یہ مصرع اسی مفہوم کی ایک مثال ہے (کسیکہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست) پس اس دعوی کو بھی حافظ کی شیعیت کی دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اسی طرح حافظ کی ایک اور غزل "ایدل غلام شاہِ جہاں باش و شاہ باش" جو حافظ کے سنگِ مزار پر کندہ ہے (علی دشتی نقشے از حافظ) اور ہاشم رضی (مقدمہ دیوان حافظ) نے اسے حافظ کی غزل ماننے سے انکار کیا ہے۔

پروفیسر پامر کے برخلاف اس قسم کے اشعار اور غزلوں کے بارے میں ان کا خیال

ہے کہ یہ محض حافظ کو شیعہ ثابت کرنے کے لئے ان کے نام سے منسوب کی گئی ہیں۔ جب کہ ان میں حافظ کا مخصوص رنگ قطعی نہیں جھلکتا۔

محققین و مورخین کا وہ گروہ جو حافظ کو سنّی خیال کرتا ہے اپنے دعوے کی دلیل میں ان کا یہ شعر پیش کرتا ہے۔

من ہماں دم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق
چار تکبیر زدم برسرِ ہر چیز کہ ہست

(میں نے جس وقت عشق کے چشمے سے وضو کیا اسی وقت تمام چیزوں پر چار تکبیریں (نمازِ جنازہ) پڑھ دیں۔)

چونکہ تراویح سنّی حضرات پڑھتے ہیں لہذا غالب کو سنّی قرار دینا مناسب نہیں اسی طرح یہاں بھی حافظ کو چار تکبیر پر سنّی تسلیم کر لینا مناسب نہیں لگتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ چشمہء عشق اور چار تکبیر تصوف کی اصطلاحیں ہیں۔ چار تکبیر فنا کے چار مقام ہیں یعنی فنائے آثاری، فنائے افعالی، فنائے ذاتی اور فنائے صفاتی۔ لہٰذا محض اس شعر کی بنیاد پر حافظ کو سنّی قرار دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

مولانا گلندام نے اپنے دیباچے میں لکھا ہے کہ حافظ قوام الملت والدین مولانا عبداللہ کے مدرسے میں درس قرآن دیتے تھے اور مذاکرے کرتے تھے اور ایسے ہی مذاکروں میں گلندام بھی شریک ہوتے تھے۔ یہ مدرسہ ایک سنّی وزیر کا قائم کردہ تھا جو خاص طور پر کی تدریس کے لیے ہی بنایا گیا تھا۔ ظاہر ہے ایک سنّی وزیر ایک شیعہ عالم کی تدریس کے لئے کوئی مدرسہ قائم نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس مدرسے میں کسی شیعہ عالم کو امام اور سجادہ نشین مقرر کر سکتا ہے۔ البتہ اس پہلو پر غور کریں تو کسی حد تک حافظ کی سنّیت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

مورخین کے پاس حافظ کو سنّی ثابت کرنے لئے ایک اور دلیل بھی موجود ہے۔ حافظ کے دیوان میں اپنے بھائی کی موت پر ایک قطعہ شامل ہے۔

برادر خواجہ طالب طاب مثواہ
امامِ سنت و بعد از مماتش

بہ سوئے روضۂ رضواں رواں شد
پس از پنجاہ و نہ سال از حیاتش

اس قطعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے بھائی بھی امام سنت تھے۔ درج بالا دونوں

دلیلیں پر زور ضرور ہیں مگر سوال یہ اٹھتا ہے کہ کتابوں سے حافظ کے جو حالات ملتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ حافظ کے بھائی نا کارہ تھے اور اپنے اور اپنے والد کا چھوٹا ہوا ترکہ انھوں نے عیش و وعیاشی میں اڑا دیا اور پھر حافظ کو کم سنی ہی میں اکیلا چھوڑ کر کہیں چلے گئے اس کے بعد کہیں کوئی ایسا ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ ان کے بھائی ان سے دوبارہ پھر ملے ہوں۔ تو پھر ان کے یہ بھائی (طالب) کہاں سے آ گئے جن پر انھوں نے یہ قطعہ کہا اور پھر وہ۔ یقیناً نیک اور تعلیم یافتہ ہوں گے قرآنی تعلیمات سے واقف ہوں گے تبھی تو امام بنائے گئے ہوں گے۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ طالب خواجہ کے کوئی قریبی دوست ہوں۔ جنہیں وہ اپنے بھائی کی طرح عزیز رکھتے ہوں اور ان کی موت پر جب انھوں نے قطعہ کہا تو مرحوم کو برادر کہہ کے مخاطب کیا ہو پس یہاں بھی لمحہ فکریہ ہے اور اس قطعہ بنیاد پر حافظ کی سنّیت کو تسلیم کرتے ہوئے تذبذب ہوتا ہے۔

ایک گروہ وہ بھی ہے جو حافظ کو نہ شیعہ، نہ سنی بلکہ معتزلی قرار دیتا ہے کیونکہ حافظ "تفسیر کشاف" کے دلدادہ تھے بلکہ دیوانگی کی حد تک اس سے دلچسپی رکھتے تھے اور اکثر اس کا مطالعہ کرتے تھے اور اس کتاب کا مصنف مولوی جار اللہ زمخشری معتزلہ تھا۔ حافظ نے اس کتاب پر حاشیہ بھی لکھا تھا۔ لیکن محمد دارابی اس خیال کی تردید کرتا ہے اور اس دلیل کے ساتھ کہ معتزلہ جبر واختیار، کے مسئلے میں انسان کو اپنے افعال کا مختار مانتے ہیں جب کہ خواجہ انسے اشاعرہ کی طرح مجبور محض خیال کرتے ہیں۔ مثلاً۔

گناہ اگرچہ نبود اختیار ما حافظ
تو در طریق ادب کوش و گو گناہ من است

(اے حافظ اگر چہ گناہ ہمارے اختیار کی بات نہیں ہے لیکن تو از روئے ادب یہی کہہ کہ وہ میں نے ہی گناہ کیا)

اس کے علاوہ معتزلہ رویت الٰہی کے قائل نہیں ہیں جب کہ خواجہ کہتے ہیں۔

ما در پیالہ عکس رخِ یار دیدہ ایم
اے بی خبر زلذت شرب مدام ما

(**ترجمہ**: ہم نے پیالے میں محبوب کے چہرے کا عکس دیکھ لیا
اے بے خبر! تو ہماری شراب کی، لذت کو کیا جانے)

این جان عاریت کہ بحافظ سپرد شد
روزے رخش بہ بینم و تسلیم وے کنم

(یہ جان مستعار جو دوست نے میرے سپرد کی ہے ایک دن میں اس کے چہرے کو دیکھوں گا اور اسے واپس کردوں گا) ان اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اشعری ہیں نہ کہ معتزلی۔ لیکن کچھ محققین ایسے بھی ہیں جو اشعری یا معتزلی تو دور کی بات ہے، مومن یا مسلمان بھی تسلیم کرنے سے پس و پیش کرتے ہیں اور انھیں بے دین تصور کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ حافظ کے دو شعر پیش کرتے ہیں ایک تو یہ شعر جو ان کے دیوان کا سرنامہ ہے۔

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا
کہ عشق آسان نمود اوّل ولی افتاد مشکلہا

اس مطلعے کا مصرع اولیٰ خواجہ نے یزید کے اس شعر کے مصرع ثانی سے لیا ہے۔

انا المسموم ما عندی بتریاق ولا راقی
ادر کاساً و ناولہا الا یا ایہا الساقی

ہمارے بہت سے ناقدین کا یہ خیال ہے کہ جو یزید ملعون کے مصرع کو اپنے دیوان کا سرنامہ یا بسم اللہ قرار دے وہ مومن یا مسلمان کیسے ہوسکتا ہے؟ کیونکہ سنّی ہو یا شیعہ کبھی یزید کے فسق و فجور کو ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اہلِ شیرازی نے خواجہ کو اس الزام سے بچانے کے زعم میں ایک قطعہ تخلیق کیا اور وہ بھی جھوٹے خواب کے سہارے پر۔

خواجہ حافظ را شبے دیدم بخواب
گفتم اے در فضل و دانش بے مثال

از چہ بستی بر خود این شعر یزید
باوجود این ہمہ فضل و کمال

گفت واقف نیستی زیں مسئلہ
مال کافر ہست بر مومن حلال

(میں نے ایک رات حافظ کو خواب میں دیکھا تو ان سے کہا کہ آپ فضل و دانش میں بے مثال ہیں پھر افضل و کمال کے باوجود آپ نے یزید کا یہ شعر خود سے اپنی غزل میں کیوں رکھا۔ جواب دیا کہ تم اس مسئلے سے واقف نہیں ہو کہ کافر کا مال مومن پر حلال ہوتا ہے)

کاتبی نیشاپوری اس من گھڑت قصے کو تسلیم کرتا ہے اور نہ اس دلیل کو وہ لکھتا ہے کہ۔

عجب در حیر تم از خواجہ حافظ
بنوعے کش خرد زاں عاجز آید

چہ حکمت دید در شعر یزید او
کہ در دیوان نخست ازوے سراید

اگرچہ مال کافر بر مسلمان
حلالست و در و قولے نشاید

ولے از شیر عیبے بس بزرگست
کہ لقمہ از دہان سگ رباید

(میں خواجہ حافظ کے تعلق سے عجیب حیرت میں ہوں اور عقل بھی اس کے سمجھنے سے قاصر ہے کہ آخر یزید کے شعر میں انھیں ایسی کون سی حکمت عملی نظر آتی ہے کہ اسے اپنے دیوان میں سب سے پہلے جگہ دی۔ مانا کہ مال کافر مومن پر حلال ہے۔ مگر یہاں یہ قول زیب نہیں دیتا ہے کیونکہ ایک شیر کے لئے یہ بہت شرم کی بات ہے کہ کوئی کتا منہ میں نوالہ لئے جارہا ہو اور وہ اسے چھین لے!)

میر ولی اللہ حافظ کی طرف داری میں رقم طراز ہیں کہ۔

"شاید کاتبی کو یہ معلوم نہیں کہ خواجہ صاحب نے اپنی عمر میں کبھی اپنے کلام کو ایک مجموعے کی صور ت میں مرتب نہیں کیا.مختلف اور پراگندہ مسودے تھے جو دوسرے شخص نے خواجہ صاحب کی وفات کے بعدترتیب دے کر شائع کئے.خواجہ صاحب نے کبھی دیوان کی بسم اللہ اس مصرعے سے نہیں کی .دیوان کو مرتب کرنے والے نے ردیف وار غزلوں کو اکٹھا کردیا اور ایک ردیف، کی جتنی غزلیں ملیں ان کو بلا تمیز یکے بعد دیگرے لکھ دیا .الایا ایھاالساقی-والی کو ردیف الف میں جگہ ملتی تھی اتفاق سے سب سے پہلے جگہ مل گئی .اس بناء پر خواجہ صاحب پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا" (شرح دیوان حافظ۔ میر ولی اللہ ۲۷)

اگر 'الف' والی ردیف میں ہی اس غزل کو جگہ ملنی تھی تو ''الا'' کے الف کے بعد دوسرے

حرف کی ترتیب بھی تو حروفِ تہجی کے اعتبار سے ہو سکتی تھی، جیسی دیوان حافظ رضا جلالی نائینی و دکتر نذیر احمد کی ہے اور اس اعتبار سے حافظ کی دوسری غزل جو حرف 'ل' سے پہلے حرف 'گ' سے شروع ہوتی ہے سرنامے کی غزل بن سکتی تھی۔ یعنی یہ غزل جس کا مطلع ہے۔

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل مارا

اور بالفرض اس دوسرے حرف کی ترتیب حرف تہجی کے اعتبار سے لازمی نہیں سمجھی گئی تو پھر کوئی اور غزل بھی تو سرنامے کی جگہ پا سکتی تھی۔ مثلاً

ای فروغ ماہ حسن ای روی رخشان شما

(اس کا رنگ بھی حمد یہ ہے) کم از کم یزید کے مصرعے سے تو دیوان کی بسم اللہ کو بچایا جا سکتا تھا پروفیسر پامر تو یہاں تک کہتا ہے کہ یہ غزل خواجہ صاحب کی قبر پر کندہ ہے۔ اگر یہ بات سچ ہے تو اس رویہ کو کیا نام دیا جائے؟ اور پھر اس شعر کے بارے میں کیا کہا جائے جو ناقدوں کا نشانہ ہدف بنا۔

بہ ہلال محرم بخواہ ساغر راح
کہ ماہ امن وامان است وسال صلح و صلاح

(محرم کا ہلال دیکھو اور شراب کا پیالہ پیو کیونکہ یہ امن امان کا مہینہ اور بہتری اور بہبودی کا سال ہے)

ہلال محرم دیکھ کر خوشی کا اظہار کرنا شیعوں کے نزدیک تو قابل اعتراض ہے ہی مگر شراب کا پیالہ طلب کرنا تو شیعہ کیا سنیوں کے نزدیک بھی مناسب نہیں کوئی مسلمان بلکہ کوئی کافر بھی (بقول ولی اللہ) اس قسم کا شعر اس غرض سے نہیں لکھ سکتا کہ حرمت محرم پر اس سے کوئی حملہ ہو کبھی کبھی تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ اشعار جن کا ذکر اوپر کیا گیا کیا واقعی حافظ کی غزلوں کے اشعار ہیں؟ اور حافظ نے ہی کہے ہیں؟ یا پھر ان غزلوں کو بھی اور بہت سی غزلوں کی طرح الحاقی قرار دیا جائے۔ خاص طور پر آخر الذکر غزل جو دیوان حافظ کے دو مستند ترین نسخوں (قزوینی اور دکتر نذیر احمد) میں موجود نہیں ہے۔ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر حافظ بری از الزام قرار پاتے ہیں۔

ان تمام مباحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حافظ نہ معتزلی تھے نہ اشعری شیعہ تو وہ بالکل تھے ہی نہیں کچھ کچھ سنی تھے۔ مگر صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو وہ سنی بھی نہ تھے کہ ایک لفظ بھی انھوں نے خلفاء ثلاثہ کے بارے میں نہ لکھا۔ وہ ایک آزاد طبع رند مشرب صوفی تھے اور فرقہ بندی سے کوسوں دور۔

جنگ ہفتاد دو ملت ہمہ راعذر بنہ
چو ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک عاشق الٰہی ایک عارف کامل اور ایک صوفی صافی تھے ایک لا ابالی انسان جس کا صرف انسان دوستی پر عقیدہ تھا یقین تھا وہ تو خرابات میں بھی نور خدا دیکھ لیتے تھے۔ ہر بڑی شخصیت کی طرح وہ ان بکھیڑوں سے الگ تھے اور جب کسی بڑی شخصیت کو دیکھنا ہو تو اسے کسی محدود اور تنگ دائرے سے دیکھنا اس شخصیت کی توہین کرنا ہے۔

خاندانی زندگی:

تصوف میں ہمہ وقت ڈوبے رہنے اور آزاد منش فطرت رکھنے کے باوجود حافظ نے تجرد کی نہیں بلکہ تاہل کی زندگی گزاری۔ انھوں نے اپنے شہر کی ایک معزز خوش شکل اور باذوق خاتون سے شادی کی جس سے وہ بے حد محبت کرتے تھے۔ اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ انھوں نے اس کی موت کے بعد دوسرا نکاح نہ کیا اور موت پر ایک پر درد مرثیہ بھی کہا جو ان کے دلی جذبات اور مرحومہ کی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔

آن یار کزو خانہ ما جای پری بود
سر تا بقدم چوں پری از عیب بری بود

از چنگ منش اختر بد مہر بدر کرد
آرے چہ کنم آفت دور قمری بود

بعض محققین کا خیال ہے کہ ان کے تین بیٹے تھے۔ ایک تو وہ بیٹا جو مکتب میں بٹھایا گیا مگر چھوٹی عمر میں ہی انتقال کر گیا۔ غالباً ۷۶۴ھ میں جس کا نام قطب الدین تھا۔ اس قبر پر ایک سنگ مزار بھی ملا ہے۔ جس کیلئے انھوں نے کہا تھا۔

دلا دیدی کہ آن فرزانہ فرزند
چہ دیدہ اندر حرم این طاق رنگین

دوسرے بیٹے کا انتقال ۷۷۸ھ میں ہوا اور وہ شیراز ہی میں دفن ہوا اور

بلبلے خون جگر خورد و گلے حاصل کرد
باد غیرت بہ سرش خار پریشان دل کرد

والا مرثیہ اسی کے لئے کہا گیا۔ دوسرے بیٹے سے متعلق ایک قطعہ بھی ملتا ہے۔ اس وقت حافظ کی عمر غالباً ۵۱ سال تھی۔

آن میوۂ بہشتی کامد بدست ای جاں

از کف چرا به ہشتی در دل چرا نشستی

تیسرا بیٹا ۷۸۴ھ میں ہندوستان میں فوت ہوا۔ تاریخ فرشتہ کے مطابق اس کا نام شاہ نعمان تھا اور وہ تجارت کی غرض سے ہندوستان آیا تھا اور غالباً دکن سے دہلی جاتے ہوئے وفات پائی اور اس کا مزار برہانپور میں قلعہ اسیر میں موجود ہے۔ اس وقت حافظ ۵۷ سال کے تھے۔

معاشقے:

حافظ حالانکہ ایک صوفی منش آدمی تھے جو عشق حقیقی ہی سے "لذت شربِ مدام" اٹھاتا ہے۔ لیکن ان کے مختلف معاشقوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ مانا کہ ان میں سے کوئی معاشقہ تاریخی ثبوت نہیں رکھتا۔ لطف تو یہ ہے کہ بعض تذکرہ نگاروں نے محض خیالوں کے طوطا مینا اڑائے ہیں اور ان کی شاعری اور شعروں کے وسیلے سے قیاس آرائیاں کی ہیں اور بعض نے انھیں میں سے ناموں کے انتخاب کا فرض بھی انجام دیا ہے اور ان سب کے پاس کوئی مستند دلیل نہیں ہے۔

تذکرہ نگاروں کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ حافظ نے چونکہ اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ تجرد میں گزارا اور تاخیر سے تاہل کی زندگی شروع کی لہذا اس دوران وہ عشق حقیقی کے ساتھ حسن مجازی سے بھی لطف اندوز ہوتے رہے۔ اور دربار اور بازار دونوں جگہ انھوں نے آنکھیں سینکیں اور پینگیں بڑھانے کا سلسلہ جاری رکھا لیکن اس دور کے سماج میں چونکہ زر اور سرمایہ کو زیادہ اہمیت حاصل تھی اس لئے اپنی مفلسی اور ناداری کی وجہ سے لولیان شوخ شہر آشوب ان کی طرف کم ہی مائل ہوئیں۔ اور اس دکھ کو انھوں نے اپنے اکثر شعروں میں ظاہر کیا۔

شاہداں در جلوہ و من شرمسار کیسہ ام
بار عشق و مفلسی صعب است میباید کشید

زر زرت کنند زیور، زر زرت کشند در بر
من بی نوای مضطر چکنم کہ زر ندارم

شیراز جعدن لب لعلست و کان حسن
من جوہری مفلسم ایزا مشوشم

من گدا ہوسِ سرو قامتی دارم
کہ دست در کمرش جز بسیم و زر نرود

اگر حافظ کی فطرت میں ایک شاعر ہونے کے سبب حسن پرستی کا یہ انداز موجود تھا تو اسے معاشقہ نہیں کہا جاسکتا اس لئے کہ یہ اس وقت کے معاشرے کا ایک حصہ تھا۔اور شرفاء بھی اسے اپنا سماجی مرتبہ قائم کرنے کا ایک طریقہ یا جمالیات کا ایک پہلو سمجھ کر اس کا مظاہرہ کرتے تھے۔ایران کے درباروں سے لے کر بازاروں تک اس قسم کی حسینائیں جو شوخ و شنگ بھی تھیں ،ذہین بھی اور باذوق و باصلاحیت بھی اپنا جلوہ دکھاتی نظر آتی تھیں بالکل اسی طرح جس طرح اٹھارویں اور انیسویں صدی کے اودھ کی زوال آمادہ تہذیب میں طوائفوں کے کوٹھے آباد تھے۔ایسی عورتیں اکثر کمرشیل یعنی کاروباری ذہنیت رکھتی تھیں لہذا کسی مفلس کی جانب سے ان کی بے رخی یا تغافل کوئی تعجب خیز امر نہ تھا۔انھیں میں اگر کسی حسینہ نے ذرا اسے التفات سے کام لیا اور اس التفات پر اگر حافظ نے یہ شعر کہہ دیا کہ۔

بندہ طالع خویشم کہ دریں قحط وفا
عشق آن لولی سر مست خریدار منست

تو اسے معاشقہ کا نام نہیں دیا جاسکتا۔احسان مندی کے جذبے تلے ایک لگاؤ کہا جاسکتا ہے۔اسی طرح ایک محفل میں کسی خوش سلیقہ،مہذب ذہین وخوبصورت خاتون کو دیکھ کر حافظ کی رگ شاعرانہ اگر شوخی پر اتر آئی اور انھوں نے اس کے حسن سے متاثر ہو کر ایک غزل اس کے لئے کہہ لی جب کہ وہ اسے جانتے بھی نہ تھے تو اسے ایک شاعر کی جمال پرستی سے زیادہ کیا کہا جاسکتا ہے۔

غزل کا انداز خود بتا رہا ہے کہ وہ خاتون حافظ کے لیے اجنبی ہے حافظ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ۔یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ان دنوں حافظ ازدواجی زندگی کے آغاز کی فکر میں کسی ایسی خاتون کی تلاش میں ہوں جو ان کے معیار پر پوری اترتی ہو اور اتفاق سے کسی محفل میں مذکورہ خاتون کو دیکھ کر ان کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا ہو کہ کاش یہ میری زندگی کی شریک ہوتی۔مگر جب انھیں استفسار پر یہ پتہ چلا کہ وہ شادی شدہ ہے یا کسی سے منسوب ہو چکی ہے تو احساس تاسف و ناکامی کے اثر زیر ایک غزل ہوگئی ہو۔غزل کی پوری فضا اسی جذبے کی غماز ہے۔

یارب آں شمع شب افروز زکاشانۂ کیست
جانِ ما سوخت پرسید کہ جانانۂ کیست

حالیا خانہ برانداز دل و دین من است
تاہم آغوش کہ میباشد و ہم خانۂ کیست

بادہ لعل لبش کز لب ما دور مبار
راح روح کہ و پیماں دہ پیمانہ کیست
دولت صبح آں شمع سعادت پر تو
باز پر سید خدارا کہ بپروانہ کیست

(اے خدا نہ جانے یہ کس کے گھر کی شمع ہے کہ جسے دیکھ کر دل روشن ہوگیا۔ میری جان یہ معلوم کرنے کو بے چین ہے کہ یہ جانانہ کون ہے؟ اب تو اس نے میرے دل اور ذہن کو برباد کردیا ہے۔ آخر وہ کس کی آغوش کی زینت بنے گی اور کس کے گھر میں رہے گی (کس کی شریک زندگی ہوگی) اس نیک شمع کی محبت کی دولت بخدا کس پروانہ کو حاصل ہوگی؟)

حافظ کے تذکرہ نگاروں کے ایک گروہ نے تو اس سے بھی زیادہ آگے قدم بڑھایا ہے اور ان میں ایک فرضی محبوبہ اور اس کا نام بھی تلاش کرلیا 'شاخ نبات' اور اس سلسلے میں ایک اچھی خاصی فرضی داستان بھی گڑھ لی۔ جس کا تعلق ان کے آغاز شاعری سے جوڑ دیا۔ یہ قصہ یوں ہے۔

"شیراز سے چار میل کے فاصلے پر ایک مقام ھے جس کا نام پیر سبز یا باباکو ھی ھے۔فارس میں یہ مشھور تھا کہ جو شخص اس مقام پر ایک چلہ کھینچے حضرت خضر اس کو آب حیات پلا دیتے ھیں اور وہ اعلیٰ درجہ کا شاعر ھوجاتا ھے۔خواجہ نے بھی اسی ارادے سے چلہ کشی شروع کی۔روزانہ رات کے پچھلے پھر وھاں جاتے ۔درودو، وظیفہ کرتے۔

اتفاق سے اسی زمانے میں ان کی ملاقات ایک زن بازاری سے ھوگئی جس کا نام شاخ نبات تھا۔انھیں اس سے عشق ھوگیا ۔ایک رات چلہ کشی کی نیت سے نکلے تو اس کے کوچے سے گزرھوا اس سے ملاقات کو جی چاھا توفوراً وھاں پھنچ گئے حالانکہ ھمیشہ وہ ان سے تغافل برتتی تھی لیکن اس دن بڑے لطف و کرم سے پیش آئی۔اور لگاوٹ کی باتیں کرنے لگی بس خواجہ اس کی باتوں میں ایسے کھوئے کہ انھیں یاد ھی نہ رھا کہ آج چلے کی چالیسویں رات ھے لیکن جب رات زیادہ گزری تو اچانک انھیں خیال آیا ۔گبھرا کراٹھے۔اس نے لاکھ ناز دکھائے ۔عشوے کئے روکنے

کی کوشش کی مگر وہ اس کی باتوں میں نہ آئے اور سیدھا پیر سبز پہنچ کر درودوظیفہ کرنے لگے ان کی اس مستعدی پر اللہ کو رحم آیا حضرت خضر نمودار ہوئے اور انھوں نے آبِ حیات پلادیا اسی دن سے ان کو ایک غیر فانی شاعری مل گئی صبح جب آنکھ کھلی تو یہ غزل کہی

دوش وقت سحر از عصہ نجاتم دادند
وندراں ظلمت شب آب حیا تم دادند

بیخود از شعشہ پر تو ذاتم کردند
بادہ از جام تجلّیِ صفا تم دادند

چہ مبارک سحرے بود و چہ فرحندہ شبے
آن شب قدر کہ ایں تازہ براتم دادند

اور آخری شعر ہے کہ۔

ایں ہمہ شہد و شکر کز سخنم میریزد
اجر صبر یست کزاں شاخ نباتم دادند"

بس اسی شعر کو ان کے معاشقے کی دلیل بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور اس کی تشریح یوں کی جاتی ہے کہ۔ 'یہ تمام شہد وشکر جو میرے کلام سے ٹپکتا ہے اس صبر کا بدلہ ہے جو شاخ نبات کی طرف سے مجھ کو عطا ہوا'

حالانکہ اس کا یہ مفہوم نہیں ہے "دادند" فعل کا فاعل 'شاخ نبات نہیں ہے بلکہ یہ مفعول کے طور پر آیا ہے اور "صبر" سے مراد ہے چالیس راتوں کا مسلسل وظیفہ اور اس کی سخت محنت اور تقویٰ جس کا اجرانھیں شاعری کی صورت میں ملا۔ چنانچہ اس شعر کا اصل مفہوم یوں ہے کہ۔

یہ تمام شہد وشکر جو میرے کلام سے ٹپکتا ہے اسی صبر کا بدلہ ہے کہ جس کے عوض مجھے یہ شاخ نبات یعنی شکر مراد کلک قلم عطا کیا گیا ہے۔ شاخ نبات حافظ کے یہاں کلک قلم ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور استعارہ اتنا خوبصورت ہے کہ اس کی جتنی داد دی جائے کم ہے۔ اس استعارہ کے ذریعے حافظ نے اپنی شیرینی سخن کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور بعض جگہ تو بالکل کھل کر۔ مثلاً

کلک حافظ شکریں شاخ نباتست بچیں
کہ دریں باغ نہ بنی ثمر ے بہتر ازیں

حافظ چہ طرفہ شاخ نباتست کلک تو
کش میوہ دل پسند تر از شہد و شکر است

مولانا اسلم جے راج پوری نے اس غلط فہمی کی وضاحت اس طرح کی ہے۔فرماتے ہیں

"اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس قصے کا گھڑنے والا اس شعر میں شاخ نبات کے معنی سمجھ نہ سکا۔اس نے فوراً ایک بازاری معشوقہ کا نام قرار دے کر یہ حکایت چست کردی۔عوام کی عجائب پرستی نے اس کو اتنا فروغ دیا کہ لغت کی کتابوں میں بھی اب شاخ نبات کے معنی "ایک شیرازی معشوقہ" کے لکھے جانے لگے۔حالانکہ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ۔میرا قلم مثل ایک نیشکر کے ہے جس سے شہد و شکر یعنی عشق حقیقی کے رموز اور معرفت کے اسرار بھرے ہوئے شیریں اشعار اس طرح ٹپکتے ہیں جس طرح شاخ سے میٹھے پھل ٹپکتے ہوں اور یہ عشق الٰہی میں صبر کرنے کا اجر ہے جو خدا نے مجھ کو عطا فرمایا" (حیات حافظ صفحہ ۲۰)

پھر یہ نکتہ بھی غور طلب ہے کہ چلہ کشی کے دوران حافظ کا کسی شاخِ نبات سے ملنا اور اس کے عشق میں ایسے گرفتار ہونا کہ چلہ کی چالیسویں رات میں اس کے گھر وقت گزارنا۔یہ تمام باتیں نفسیاتی اعتبار سے بھی قابل قبول نظر نہیں آتیں۔اگر حافظ شاعری کے فن کو چلہ کشی کے ذریعے حاصل کرنا چاہتے تھے تو گویا وہ اس معاملے میں بڑے سنجیدہ تھے۔نیز چلہ کشی استغراق اور زاہد وتقویٰ کی متقاضی ہے پھر حافظ کا کسی اور طرف نظر اٹھانا اور کسی معشوقہ کے عشق میں گرفتار ہونا،ممکن نہیں ہوسکتا اور اس کے بعد آدھی رات تک اس معشوقہ کے ساتھ اس کے عشوہ طرازیوں کا لطف اٹھانا' اور اچانک یاد آنے پر پھر بیر سبز جاکر وظیفہ کے سلسلے کو جاری کرنا یہ سب بھی قابل نہیں کہ وظیفہ پاکیزگی چاہتا ہے۔

بقول براؤن اور حسین پژمان نے اس افسانے کی تردید کی ہے البتہ وہ حافظ کی ایک اور غزل۔

در ہمہ دیر مغاں نیست چومن شیدائی
خرقۂ جائی گرِ و بادہ و دفتر جائی

کا ذکر کرتے ہوئے اسے حافظ کی گرفتاری کا موجب قرار دیتا ہے خواجہ حافظؔ ایک دوشیزہ کی طرف راغب تھے لیکن اس کے قریبی رشتہ داروں نے ایک مفلس، قلاش اور لاابالی شخص کو اپنا داماد بنانے سے انکار کیا۔ لیکن یہ قیاس بھی یقین سے دور نظر آتا ہے۔ کے این پنڈت اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"حسین پژماں کے بیان کی تردید کی کافی گنجائش نظر آتی ھے ایک طرف وہ لکھتاھے کہ یھی غزل حافظؔ کی گرفتاری کا باعث بنی۔دوسری طرف کئی تذکروں میں ذکر ھوا ھے کہ اس غزل کے ایک شعر کے جنجال کے بعد ھی حافظؔ گوشہ نشین ھوکر رحلت کرگئے۔اس بیاں سے عھد ھوتا ھے کہ حافظؔ نے یہ غزل زندگی کے آخری ایام میں کھی تھی۔اگر ایسا ھی ھو تو اس کے ساتھ ایک دوشیزہ کا اور اس کے خویشاوندوں کی طرف سے مزاحمت والا افسانہ ملحق کرنا بے معنی سی بات ھے۔" (حافظ کی شاعری صفحہ ۱۴۴)

بعض تذکرہ نگاروں نے اس سے بھی فاش غلطی کی ہے۔ وہ یہ کہ حافظؔ کے دیوان میں ایک غزل ردیف 'خ' میں ہے اور اس ردیف میں یہ واحد غزل ہے کہ اس غزل کی ردیف لفظ 'فرخ' ہے۔ چونکہ یہ لفظ بطور ردیف استعمال ہوا ہے لہٰذا ہر دوسرے مصرع میں قافیے کے ساتھ آیا ہے۔

دل من درہوای روی فرخ
بود آشفتہ ہم چوں موی فرخ

بجز ہندوی زلفش ہیچ کس نیست
کہ بر خوردار شد از روی فرخ

شود چوں بید لرزاں سرو آزاد
اگر بیند قدِ دل جویٔ فرخ

بدہ ساقی شراب ارغوانی
بیاد نرگس جادوئ فرخ

پس اس ردیف کو اسم خاص سمجھ لیا گیا اور طے کرلیا گیا کہ ''فرخ نام معشوق خواجہ حافظ است کہ گوشۂ خاطرِ حافظ بظاہر تعلق باو بود'' یعنی فرخ نام کی حافظ کی کوئی معشوقہ یا معشوق تھا جس کی یاد میں انھوں نے غزل کہی ہے۔ اور پھر یہ قیاس آرائیاں بھی شروع ہوگئیں کہ یہ معشوق کون تھا۔ تاریخ شیراز سے نام تلاش کئے جانے لگے۔ مگر یہ بھی ویسی ہی غلطی اور غلط فہمی تھی جیسی شاخ نبات کے سلسلے میں واقع ہوئی تھی۔ لفظ فرخ کے معنی ''خوبصورت'' ''مبارک'' اور ''خوش'' کے ہوتے ہیں جس طرح شاخ نبات کلکِ قلم کا استعارہ تھا۔ اسی طرح فرخ بھی محبوبہ کا نام نہیں بلکہ استعارہ تھا اور یہ محبوبہ کوئی اور نہیں ان کی اپنی بیوی تھی جسے وہ بے انتہا چاہتے تھے اور جس کے لئے انھوں نے پوری پوری غزلیں کہی ہیں۔ مثلاً

تاب بنفشہ میدہد طرۂ مشک سای تو
پردۂ غنچہ میدرد خندۂ دل کشای تو

ای گل خوش نشین من بلبل خویش رامسوز
کز سرِ صدق میکند شب ہمہ شب دعای تو

من کہ ملول ہستمی از نفس فرشتگاں
قال ومقال عالمی می کشم از برای تو

شور شراب عشق تو آں نفسم رود زسر
کایں سر پر ہوس شود خاک در سرای تو

شاہ نشین چشم من تکیہ گہ خیال تست
جای دعاست شاہ من بی تو مباد جای تو

خوشِ چمنست عارضت خاصہ کہ در بہار حسن
حافظ خوش کلام شد مرغ سخن سرای تو

ان غزلوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ حافظ کی محبوبہ ہی ان کی بیوی تھی یا ان کی بیوی ہی ان کی محبوبہ تھی۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حافظ کی محبوبہ شاخ نبات تھی، جس سے انھوں نے بعد

میں نکاح کرلیا تھا اور وہی ان کی بیوی تھی یا ان کی بیوی ہی ان کی محبوبہ تھی اگر یہ مان بھی لیا جائے تب بھی یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حافظ نے زندگی میں صرف ایک ہی عورت کو چاہا جو بعد میں ان کی بیوی بن گئی۔ یا جس سے شادی کی اسی سے محبت کی اور شاخ نبات نہیں ہوسکتی کیونکہ اول تو شاخ نبات معشوق بازاری ہے تو وہ حافظ کی بیوی نہیں ہوسکتی کیونکہ اپنی بیوی کی وفات پر حافظ نے جو غزل کہی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نہایت شریف، پاک باز، خوبصورت، مذہب پسند، ذہین، باذوق، تعلیم یافتہ اور صاحب نظر تھی۔ یہ گمان گزرتا ہے کہ ہے کہ کہیں یہ وہ خاتون نہ ہو جس کو محفل میں دیکھ کر انھوں نے سوچا تھا کہ یہ کس گھر کی زینت بنے گی اور یہ شمع کس کا شانے میں روشن ہوگی۔ ممکن ہے حافظ نے سلسلہ جنبانی کی ہو اور اسی خاتون سے ان کی شادی ہوگئی ہو۔ کیونکہ ''یارب آں شمع شب افروز کاشانہ کیست'' والی غزل میں مذکورہ خاتون کی جو خوبیاں بتائی گئی ہیں وہی خوبیاں تقریباً اس مرثیہ نما غزل میں بھی موجود ہیں۔ جو انھوں نے اپنی بیوی کی موت پر کہی ہے ملاحظہ ہو۔

آں یار کزو خانۂ ما جای پری بود
سرتا قدمش چوں پری از عیب بری بود

دل گفت فروکش کنم ایں شہر ببویش
بی چارہ ندانست کہ یارش سفری بود

تنہا نہ ز رازِ دل من پردہ بر افتاد
تابود فلک شیوہ او پردہ دری بود

منظور خرد مند من آن ماہ کہ اورا
باحسن ادب شیوہ صاحب نظری بود

اوقات خوش آں بود کہ بادوست بسر رفت
باقی ہمہ بی حاصلی و بی خبری بود

ہر گنج سعادت کہ خدا داد بحافظ
از یمنِ دعای شب وردِ سحری بود

غرض یہ کہ حافظ اس غزل میں بڑے ہی رثائی انداز میں اپنی محبوب بیوی کو یاد کرتے ہیں

کہ وہ میرے لئے پری کی مانند تھی۔ ایسی پری کہ جو ہر قسم کے عیب سے بری ہو۔ جی کہتا تھا کہ اس کی محبت میں اسی شہر میں رہوں۔ وہ بے چارہ یہ نہ جانتا تھا کہ وہ تو مسافر تھی (اسے ایک دن جانا ہی تھا) وہ ایک عقلمند اور صاحب نظر معشوق تھی وہ اچھے اور برے کی تمیز جانتی تھی۔ میری زندگی کے وہ دن جو اس کے ساتھ گزرے، بہت ہی خوبصورت تھے اس کے بعد بے حاصلی اور بے مہری کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ایک اور غزل میں فرماتے ہیں کہ میں سرو صنوبر لے کر کیا کرونگا۔ میرے باغ کو ان کی حاجت نہیں میرے لئے تو شمشاد خانہ ہی سب کچھ ہے۔

باغ مرا چہ حاجت سرو وصنوبر است
شمشاد خانہ پرورِ ما از کہ کم تر ست

جو شخص 'شمشاد خانہ' ہی کو سب سے بہتر خیال کرے اس کی نگاہ بھلا اپنے آنگن سے کہیں اور کیوں جائے گی۔ اسی لئے حافظ کی زندگی سے متعلق جتنی معلومات ملتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے تو ایک عمر تک شادی ہی نہیں کی کیوں کہ جس قسم کی اور جن صفات کی حامل بیوی وہ چاہتے تھے وہ انھیں بڑی دیر میں ملی۔ اور جب مل گئی تو اسے اپنی زندگی کا شریک بنا لیا۔ اور اس کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگے۔ اسے ٹوٹ کے چاہا۔ اپنے اکثر شعروں میں اس کے حسن کی تعریف کی۔ اس کی ذہانت کو سراہا مگر یہ حافظ کی بدقسمتی تھی کہ ان کی بیوی بہت جلد ان کا ساتھ چھوڑ گئی۔ اس کے بچھڑنے کا صدمہ انھیں عمر بھر رہا اور ایسا رہا کہ اس کے بعد انھوں نے دوسری شادی نہیں کی یوں ہی زندگی گزار دی اس کے یادوں کے سہارے!! پھر حافظ کے معاشقوں کا سوال نہیں اٹھتا۔ اس معشوقِ مجازی کے بعد معشوق حقیقی تھا اور حافظ۔

ہر گز نمیرد آن کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

تلمذ:

جہاں تک علوم عقلی و نقلی اور دیگر علوم رسمی کا سوال ہے حافظؔ کے استادوں میں تین چار نام سامنے آتے ہیں۔ علی اصغر حکمت کے مطابق محمد قوام الدین عبداللہ حافظ کے استاد تھے اور ہمیشہ انھیں کے حلقہ درس میں رہے۔ لیکن ریاض العارفین اور دیگر تذکروں کے مطابق عبداللہ شیرازی حافظ کے استاد تھے۔ دریائی کبیر میں بھی یہی بتایا گیا ہے۔

عرفات العاشقین کا مصنف بھی حافظ کو شاہ قوام الدین کے حلقہ درس میں شمار کرتا ہے۔ لطائف الخیال میں سید میر شریف جرجانی کو حافظ کا استاد بتایا گیا ہے جن کا شمار اپنے وقت

کے چند علماء میں ہوتا تھا۔اور شاہ شجاع نے ان کی علمیت کا شہرہ سن کر انھیں شیراز بلایا تھا۔وہ مدرسہ دارالشفاء میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔مگر عام طور پر حافظ کے دو استادوں کے نام تذکرہ نگاروں میں زیر بحث رہے ہیں ایک ابوشمس الدین عبداللہ سخبری شیرازی (جنہوں نے اپنا لقب حافظ کو عطا کیا) اور دوسرے قوام الدین ابو اسحاق سخبری (جنہوں نے حافظ کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا)

روحانی استاد :

حالانکہ حافظ کے کلام میں باقاعدہ کسی پیر و مرشد کا نام نہیں ملتا لیکن کسی پیر کا ذکر مسلسل وہ مختلف اشعار میں کرتے ضرور ہیں جن سے انھوں نے روحانی فیض حاصل کیا اس سلسلے میں بھی ہمارے محققین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔عام طور پر یہ مشہور ہے کہ علوم رسمیہ کی تکمیل کے بعد حافظ ایک بزرگ کی مجلس وعظ میں شرکت کرتے تھے۔ان کا نام "پیر گل رنگ" تھا۔پیر کے نام کی وجہ تسمیہ کے متعلق ہاشم رضی کے ذخیرے میں پائے جانے والے رسالے "حل لاینحل" ۷۹۶ء کا حوالہ اکثر دیا جاتا ہے اس رسالے کے مولف کے مطابق۔

"شیراز میں ایک پیر تھا جو صفائے قلب اور نور باطن میں مشہور تھا۔اس کی جبیں پاکیزگی کے نور سے روشن تھی اور اس کے رخسار گلگوں تھے۔اسی لئے لوگ اسے 'پیر گلرنگ کے نام سے پکارتے تھے۔جو کوئی اسے دیکھتا گویا گلاب کا پھول لگتا"۔(۷)

خرمشاہی مصنف، "حافظ نامہ" ڈاکٹر زرّین کوب کے حوالے سے پیر گل رنگ کی معنوی وضاحت کرتے ہیں۔

"بی هیچ اشارتی است بی شرابِ گلرنگ ، شرابِ کهن ، شرابِ سرخ، اما کسانی که از طریقت جز سلسله و خانقاه و پیر و مرشد چیزی در تصّور نداشته اند۔ بعد ها کوشیده اند تا این تعبیر شاعرانه خواجه را عنوان یك شیخ شهر یك صوفی فرا بنماید ۔" (جستجو در تصوف ایران۔صفحہ ۲۳۴)

بقول خرمشاهی۔

"پیر گلرنگ یعنی گلرنگ پیر، یعنی شرابِ کهن این که پیر یا سالخورده همانند کهن صفتِ مے قرار می گیرد ، محرز است" (حافظ نامہ ۷۴۱)

(جیسے حافظؔ نے شراب کے لیے کہیں پیرِ دھقاں، کہیں مئی سالخوردہ استعمال کیا ہے۔)
ایک امکان یہ بھی ہے کہ پیرِ گلرنگ سے حافظ کی مراد پیرِ مے فروش، پیرِ میکدہ یا پیرِ مغاں ہو۔ شاید گلرنگ یعنی بہ رنگِ سرخ اشارہ برافروختن و سرخ شدنِ چہرہ بہ ہنگامۂ مستی داشتہ باشد۔
بہر حال پیر گلرنگ کے متعلق زیادہ معلومات تو نہیں ملتی البتہ مقدمہ دیوان حافظ (قاسم غنی صفحہ ۲۱) دولت شاہ سمرقندی کے تذکرے کے حوالے سے (جس کا ایک نسخہ اسحاق قاچار متخلص بہ صابر کے پاس تھا اور اس نے ۱۲۹۸ھ میں خواجہ حافظ کے احوال کے ورق کے حاشیے پر یہ واقعہ تحریر کیا تھا) لکھا ہے۔
"میں نے دولت شاہ کے ایک تذکرے میں پڑھا کہ خراسان کا ایک طالب علم تحصیل علم کی غرض سے شیراز چلا گیا تاکہ وہ اپنے زمانے کے متبحر عالم مولانا جلال الدین دوانی کے سامنے زانوئے ادب تہ کرے۔ اس نے تفحات الانس اپنے ساتھ لی۔ جب مولانا نے یہ کتاب دیکھی اور حافظؔ کے احوال کا مطالعہ کیا تو اس کے حاشیے پر حافظؔ کا یہ شعر درج کیا ہوا پایا۔

حافظؔ مرید جام جم است ای صبابرو
وزبندہ بندگی برساں شیخ جام را"

اس کے بعد مولانا جامی (غالباً جلالِ الدین دوانی) نے فرمایا کہ حافظؔ پیر گلرنگ کا مرید اور تربیت یافتہ ہے جو اپنے زمانے کا دانش ور تھا اور حافظ ہمیشہ اس کی مجلس وعظ میں شریک ہوا کرتا تھا۔ محمد دھدار نے بھی جامی کی نفحات الانس میں لکھا ہے کہ شیراز میں گلرنگ نام کے ایک بزرگ تھے جو اکثر جامع عتیق میں بسر اوقات کرتے تھے۔ حافظ ان کی مجلس میں بارہا شامل ہوتے رہے یہاں تک کہ یہ شہرہ ہو گیا کہ وہ ان کے مرید ہو گئے ہیں۔
اس کا ثبوت درج ذیل شعر سے ملتا ہے۔

پیر گلرنگ من اندر حق ازرق پوشاں
رخصت بحث نداد ارند حکایت ہا بود

میرے گلرنگ پیر نے نیلی کمبلی پہننے والوں کے حق میں بحث کی اجازت نہ دی۔ ورنہ (ہمارے پاس ان کے مکاری کے) بہت سے قصے تھے۔
مگر خود جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں

"معلوم نیست که وے ارادت پیرت گرفته ودر تصوف به یکے ازان نسبت درست کرده"

(معلوم نہیں کہ انھوں نے کسی پیر کے ہاتھوں پر بیت کی اور تصوف میں صوفیاء کے طائفے میں سے کسی ایک سے اپنے آپ منسوب کیا۔)

میر ولی اللہ حافظ کی آزاد منشی اور تقوی کے پیش نظر اس بات کا انکشاف کرتے ہیں کہ حافظ نے ''شیخ محمود عطار'' سے جو ایک نہایت متقی درویش تھے فلسفہ وتصوف حاصل کی۔ اور انھیں کے ہاتھ پر بیعت بھی کی۔

صاحب سفینۃ الاولیاء کا بیان ہے کہ۔

''از تذکرہ عبدالقادر بدایونی از خدمت شیخ نظام الدین نقل کردہ است کہ خواجہ حافظ ''مرید خواجہ بہاؤالدین'' نقش بند است'' کہا جاتا ہے کہ خواجہ بہاؤالدین جب حج سے واپس ہوئے تو چند روز شیراز میں قیام کیا۔ خواجہ حافظ نے درج ذیل غزل بطور خیر مقدم ان کی خدمت میں لکھ کر بھیجی۔

رواق منظر چشم من آشیانہ تست
کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

شیراز میں ان کے قیام سے حافظ کو روحانی فیض حاصل ہوا اور مندرجہ ذیل شعر اسی احساس کا حامل ہے۔

ساقی بیا کہ یار زرخ پردہ بر گرفت
کار چراغ خلوتیاں با دگر گرفت

ڈاکٹر نذیر احمد مخطوطہ شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پیش نذر حافظ کے 'دو قدیم ترین' ماخذ پر روشنی ڈالتے ہوئے اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ہندوستان کے ایک چشتی بزرگ'' سید اشرف جہانگیر سمنانی جن کا مزار کچھوچھہ ضلع فیض آباد میں ہے۔ حافظ سے شیراز میں ملے تھے حافظ نے انھیں سے روحانی کشف حاصل کیا تھا۔ (ے) اس کا ثبوت ان ملفوظات سے ملتا ہے جنھیں ان کے مرید خاص شیخ نظام الدین حاجی غریب یمنی نے خود ان کی زندگی میں ترتیب دیا تھا اور سید صاحب نے بذات خود اس پر نظر ثانی کی تھی اور بعض واقعات کی اصلاح بھی فرمائی تھی۔ یہ ملفوظات لطائف اشرفی' کے نام سے شائع ہوئے۔ اس میں ایک جگہ مولف لکھتا ہے۔

"حضرت قدوۃ الکبرائے (مخدوم سید اشرف جهانگیر) می

فرمودند که خواجه حافظ شیرازی مجذوبان درگاه عالی و محبوبان بار گاه متعالی است.بایں فقیر (حضرت مخدوم)نیاز مندی داشت و مدتے بهم دیگر صحبت داشتیم.روزے درگزر گاه نشسته بودیم.سخن در مراتب ایں معاف وزهدمی گذشت.مجذوب شیرازی خواند۔"

زروئے دوست دل دشمناں چه دریابد
چراغ مردہ کجا، شمع آفتاب کجا(۸)

بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ حافظ نے کسی بزرگ مرشد کے ہاتھوں بیعت کی بھی نہیں۔ بلکہ ان کو براہ راست حضور سے بیعت تھی۔ جیسا کہ اس نعتیہ غزل کے درج ذیل شعر سے ظاہر ہے۔

حافظ از معتقدانست گرامی دارش
زانکه بخشایشِ بس روح مکرم با اوست

عصر حافظ:

حافظ ۷۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۹۱ھ میں وفات پائی گوان کا زمانہ ساٹھ پینسٹھ سال پر محیط ہے۔ اس اعتبار سے حافظ نے دکنی شاعر ملا وجہی کی طرح تقریباً چار پانچ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ ایران میں یہ دور سیاسی بحران کا دور تھا۔ ہر طرف طوائف الملو کی مچی ہوئی تھی افراتفری تھی۔ سلطنتیں بن اور بگڑ رہی تھیں۔ بادشاہ تخت نشین ہوتے تھے اور یا تو قتل کر دیئے جاتے تھے یا تخت سے اتار دیئے جاتے تھے۔ ایران میں اس وقت مختلف علاقوں میں مختلف چھوٹے چھوٹے خاندانوں کی حکومتیں تھیں جن میں آل مظفر (فارس، عراق، عجم اور کرمان میں) آل جلایر (بغداد اور آذربائیجان میں) آل سربدار (سبزوار میں) ملوک کرت (ہرات اور شمال مشرق اور ایران میں) میں اور چوپانی (فارس میں) فرماں روائے سلطنت تھے۔ لیکن اس وقت سارے ایران میں عام طور پر ایک عجیب قتل و غارت گری کا منظر تھا ہر طرف یا تو تیمور کا خوف چھایا ہوا تھا یا آل مظفر کے ظلم و جبر کا۔ ان دونوں کی خوں ریزی نے اہل شیراز کی زندگیاں اجیرن کر رکھی تھیں۔ ہر دل میں عدم تحفظ کا احساس جاگزیں تھا۔ لوگوں کا عیش و آرام چھن چکا تھا۔ اس وقت فارس کا علاقہ انجو کے ہاتھوں میں تھا۔ اور یزد پر امیر مبارز الدین کی حکومت تھی۔ ان دونوں میں اکثر مڈبھیڑ ہوا کرتی تھی۔

حافظ چونکہ اسی دور میں جیے اس لئے انھوں اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھے بھی اور

تجربہ بھی حاصل کیا۔ چونکہ وہ حساس شاعر بھی تھے لہذا اپنے دور کے واقعات سے کیوں کر متاثر نہ ہوتے حافظ نے ان واقعات اور حادثات کی تفصیل اپنی غزلوں میں استعاروں، تشبیہوں اور علامتوں کے پردوں میں پیش کی۔ ان میں سے اکثر بادشاہ حافظ کے قدردان تھے۔ اور ان کے ممدوحین بھی۔ حافظ نے ایسے بادشاہوں اور وزیروں کی تعریف اپنے قصیدوں اور غزلوں میں کی ہے۔ ملا شاہ ابو اسحاق جو خود بھی نہایت قابل فاضل تھا اور حافظ کا بھی قدردان تھا جب امیر مبارز الدین کے حملے کے بعد قتل کر دیا گیا تو حافظ نے کہا۔

راستی خاتم فیروزہ ابو اسحاقی
خوش درخشید ولی شعلۂ مستعجل بود

جس طرح محمد قطب شاہ کے دور میں جو نہایت متقی بادشاہ تھا وجہی کو دربار میں وہ اہمیت نہ حاصل ہو سکی جو قلی قطب شاہ جیسے عیش پرست شاعر کے دور میں تھی اسی طرح حافظ کی بھی شاہ بواسحاق کے دور میں جیسی قدردانی تھی وہ محمد بن مظفر کے دور میں نہ رہی کیوں کہ وہ بواسحاق کی طرح عیش وطرب کا دلدادہ نہ تھا بلکہ محمد قطب شاہ کی طرح نہایت ہی متقی اور پرہیز گار تھا۔ اور تخت نشین ہوتے ہی اس نے تمام مے خانے بند کروادیے۔ اس پر خواجہ حافظ نے یہ غزل کہی۔

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گل بیزاست
بابانگ چنگ مخور مے کہ محتسب تیزاست

(اگرچہ شراب فرح بخش اور ہوا مہکا دینے والی ہے۔ مگر ساز کی لے پر شراب نہ پی کہ محتسب براسخت مزاج اور تند وتیز ہے)

شاہ شجاع کے آنے کے بعد جب مے خانے کھل گئے تو حافظ نے مدح فرمائی۔

سحر زہاتف غیبم رسید مژدہ بگوش
کہ دور شاہ شجاع است مے دلیر بنوش

(ہاتف غیبی نے صبح یہ خوش خبری سنائی کہ شاہ شجاع کا دور آ گیا۔ ہے بے دریغ شراب پیو)

جب شاہ شجاع کے انتقال کے بعد شاہ منصور بن محمد بادشاہ ہوا تو اس کے جاہ وجلال اور سطوت کو دیکھ کر حافظ پکار اٹھے۔

بیا کہ رایت منصور بادشاہ رسید
نوید فتح و ظفر تا بہ مہروماہ رسید

جب امیر تیمور کے حملے کے بعد عنان حکومت نصرت الدین یحیٰی کے ہاتھوں میں آئی تو

حافظ نے یوں مدح سرائی سے کام لیا۔

گر نبودے شاہ یحیٰ نصرت الدین از کرم
کار ملک و دیں ز نظم و اتفاق افتادہ بود

مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حافظ ہر حاکم وقت کی مدح میں مصروف رہتے تھے یا ان امیروں اور وزیروں کی مدح فرماتے تھے۔ جو ان کے قدرداں تھے یا محسن جیسے حاجی قوام الدین حسن، کمال الدین، وزیر شاہ شجاع قوام الدین احمد وغیرہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے دیوان میں تقریباً ڈیڑھ سو سے زیادہ اشعار ایسے ملیں گے جہاں ''شاہ، بادشاہ، خسرو اور شہنشاہ وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اور حافظ نے جس عہد میں حکومت کرنے والے سلاطین میں جلال الدین توران شاہ، مسعود شاہ اینجو، شاہ غیاث الدین کیخسرو، شاہ شیخ ابواسحاق 'امیر مبارز الدین مظفر' شاہ شجاع' شاہ زین العابدین ایلکانی شاہ نصرت الدین یحیٰ 'سلطان عماد الدین احمد' شاہ محمود' سلطان اویس ایلکانی' اور قطب الدین تہمتن کے نام قابلِ ذکر ہیں یہ تمام بادشاہ حافظ کے قدردان تھے مگر ایک حساس شاعر اور فن کار ہونے کے ناطے حافظ اپنے عہد کے اس انتشار سے بے بہرہ نہ تھے بلکہ یہ درد و کرب ان کی شاعری میں در آیا ہے۔ بقول رضا جلالی نائینی۔ (مقدمہ دیوان حافظ)

"فتنه های که در طول حیات حافظ در شیراز و نواحی دیگر ایران روی داد در روح حساسش اثر گذاشته ازیں رودردیوانش به غزل های بر میخوریم که نشان میدهد طاهری خاموش و باطنی چون دیگ جوشان داشته اشت۔"

غرضیکہ ان کی غزلوں میں اپنے عصر کے بڑے بلیغ اشارے ملتے ہیں۔ شیراز پر جان دینے والا یہ سخن ور شیراز کے زخموں کی پردہ دری میں بھی کہیں نہیں چوکتا۔ اور دل کی بات بے دریغ زباں پر لے آتا ہے۔

ایں چہ شور یست کہ در دور قمری بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

گرچہ از آتش دل چوں خم مے میجوشم
مہر بر لب زدہ خون میخورم و خاموشم

سرم بہ دینی و عقبی فرونمی آید
تبارک اللہ از آن فتنہ ہاکہ در سراست

در اندرون من خستہ دل ندانم کیست؟
کہ من خموشم و او در فغان و در غوغاست

زتند باد حوادث نمیتوان دیدن
دریں چمن گلی بودہ است یاسمنی

مزاج دہر تبہ شد دریں بلا حافظ
کجاست فکر حکیمی ورای برہمنی

کارم زجور چرخ بہ ساماں نمی رسد
خون شد دلم زدرد وبہ درماں نمی رسد

مقبولیت 'شہرت' قدردانی اور سفر :

دنیا میں جتنے بڑے بڑے فنکار اور اہل قلم گزرے ہیں انھیں عام طور پر اپنے عہد سے ناقدری کی شکایت رہی ہے۔اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اکثر شعراء کی قدردانی ان کی موت کے بعد ہوئی۔اردو میں غالب تو غالب میر انیس تک نے ناقدری فن کا شکوہ کیا ہے۔اس اعتبار سے دیکھئے تو حافظ خوش قسمت تھے کہ اختلافات کے باوجود بھی لوگوں کے دلوں میں ان کی قدر و منزلت بے انتہا تھی اور وہ نہ صرف شیراز میں مقبول تھے بلکہ ان کے کلام کا شہرہ چار دانگ عالم میں اسی وقت ہو چکا تھا۔اسی لئے شیراز ہی نہیں بلکہ دور دراز کے مما لک سے انھیں بلاوے آنے لگے تھے لوگ ان کے کلام کو سننے اور انھیں دیکھنے کے اتنے مشتاق تھے کہ بڑے بڑے بادشاہ اور امراء بھی اس سحر سے آزاد نہ ہو سکے۔چنانچہ دکن کے بہمنی سلطان شاہ محمود اور بنگالہ کے حاکم سلطان غیاث الدین نے بھی خواجہ کو ہندوستان آنے کی دعوت دی اور ان کی خدمت میں قیمتی تحفے تحائف بھجوائے مگر چند ناگزیر وجوہ کی بنا پر وہ ہندوستان نہ آسکے۔البتہ یزد اصفہان اور بغداد کا سفر انھوں نے ضرور کیا۔حالانکہ انھیں شیراز سے بے انتہا محبت تھی اور وہ کسی بھی حال میں شیراز چھوڑنا پسند نہ کرتے تھے۔

بہر حال کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنی عمر میں صرف تین سفر کئے۔پہلا نصرت الدین یحیٰ

کی خواہش پر۔اس سفر میں وہ شیراز سے یزد گئے۔حالانکہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس سال میں انھوں نے یہ سفر کیا۔اوراس کا ثبوت ان کے بعض اشعار سے ملتا ہے جوشاہ یحیٰ کی مدح میں ہیں مثلاً۔

شاہ منصور م ندیدوبی سخن صدلطف کرد
شاہ یزدم دیدو مدحش گفتم و ہیچم نداد
گر نکردی نصرت الدین شاہ یحیٰ ایں کرم
کار ملک و دین و نظم و اتفاق افتادہ بود
گوئی برفت حافظ ازیاد شاہ یحیٰ
یارب بیادش آور درویش پروریدن

ایسا لگتا ہے کہ حافظ اس سفر سے خوش نہ تھے اور جو امیدیں شاہ یحیٰ سے انھیں شاید وہ پوری نہ ہوسکیں۔ کیوں کہ شاہ یحیٰ فطرتاً بہت بخیل تھا اس کے علاوہ یزد میں غالباً انھیں جسمانی و ذہنی دونوں قسم کی تکالیف سے دوچار ہونا پڑا۔اسی لئے انھوں نے ایک پوری غزل اپنے وطن شیراز واپس لوٹنے کی خواہش میں کہی۔

خرم آن روز کزیں منزل ویراں بروم
راحت جان طلبم وزپی جاناں بروم

ایک اورغزل بھی اسی احساس کی حامل ہے جس کا مطلع ہے۔

گر ازیں منزل ویراں بہ سوی خانہ روم
دگر آن جاکہ روم عاقل و فرزانہ روم

دوسرا سفر غالباً والئ دکن محمود شاہ کے اصرار پر شیراز سے جزیرہ ہرمز تک کا ہے۔جس کی تفصیل شبلی نعمانی نے فرشتہ کے حوالے سے کچھ اس طرح دی ہے۔

"دکن میں سلاطین بھمنی کا دور تھا اور سلطان محمود بھمنی مسند آرا تھا۔وہ نہایت قابل، اور صاحب کمال سلطان تھا۔اس کی قدردانیوں کی شہرت سن کر حافظؒ کو دکن کے سفر کا شوق دامن گیر ہوا۔لیکن شوق ھی شوق تھا۔یہ خبر میر فضل اللہ کو ملی جو محمود کے دربار میں وزارت پر متمکن تھا۔اس نے زادراہ بھیج کر بلایا ۔حافظ نے اس رقم میں کچھ بھانجوں کی ضروریات میں صرف کیا اور کچھ ادائے قرض میں ۔کچھ باقی رہا اس سے زاد

سفر کاسامان مهیا کرکے شیراز سے روانه هوا۔لارنام کی ایك جگه پر پهنچ کر کسی دیرینه دوست سے ملاقات هوئی۔اس کا مال واسباب کسی حادثه میں لٹ چکا تها۔حافظ کے پاس جو کچه تها اس کو بخش دیا اور آپ خالی هاته ره گئے ۔اتفاق یه که خواجه زین الدین همدانی اور خواجه محمد کازرونی دو معروف ایرانی تاجر بهی هندوستان آرهے تهے ۔انهیں یه حال معلوم هوا تو حافظؔ کے مصارف کے کفیل هوئے لیکن سوداگروں سے ایك نازك مزاج شاعر کے ناز کب تك اٹهائے جاسکتے تهے۔حافظ کو رنج هوا تاهم صبر سے کام لیا اور محمود شاهی جهاز پر جو دکن سے هر مزبند ر گاه پر آیا تها اور هندوستان کو واپس جارها تها سوار هوئے اتفاق یه که جهاز نے لنگر بهی نه اٹهایا تها که طوفان بر پا هوا ۔خواجه صاحب فوراً جهاز سے اترے اور یه غزل لکه کر فضل الله کے پاس بهیج دی۔

دمی باغم سر بر دن جهان یکسر نمی ارزد

بی مئ بفروش ولق ماکزیں بهتر نمی ارزد

فضل الله نے غزل سلطان محمود بهمنی کی خدمت میں عرض کی اور اس سے متعلق سارا ماجرا بیان کیا۔سلطان نے دربار کے اهم اور معتمد رکن ملّا قاسم مشهدی کو ایك هزار طلائی سکے (تنکه)دیے تاکه هندوستان کی عمده مصنوعات خریدکر حافظؔ کی خدمت میں پیش کرے۔"

محمود شاہ ۷۸۰ھ سے لے کر ۷۹۹ھ تک دکن کا سلطان رہا۔اور حافظ اس دور میں حیات تھے اور پیرانہ سالی سے گزر رہے تھے۔اور جس وقت محمود شاہ نے حافظ کو دکن آنے کی دعوت دی اس وقت ان کی عمر غالباً ۵۴۔۵۵ برس کی ہوگی۔اسی لئے بعض محققین کو اس واقعے سے سراسر اختلاف ہے کہ یزد کے سفر کے بعد جب حافظ نے سفر سے توبہ کر لی تھی تو یقین نہیں آتا کہ وہ اس پیرانہ سالی میں ہندوستان کے سفر کے نہ صرف خواہش مند ہوئے بلکہ سفر پر روانہ بھی ہوئے۔اس کے علاوہ بھی فرشتے کے دیے گئے واقعات کی تردید میں وہ متعدد دلائل پیش کرتے ہیں۔بہر حال اس غزل کے آخری دو شعروں سے یہ اندازہ تو ہوتا ہے کہ حافظ نے ضرور کوئی سفر

پانی کے راستے سے کیا تھا اور طوفان کا تجربہ اٹھایا تھا۔ اگر یہ بحری سفر تھا تو ہندوستان کے علاوہ اور کون سے ملک کا ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ مذکورہ اشعار یہ ہیں۔

بس آساں می نمود اول غم دریا ببوی سود
غلط گفتم کہ یک موجش بصد گوہر نمی ارزد

برو گنج قناعت جو ، بکنجِ عافیت حافظ
کہ یکدم تنگ دل بودن بہ بحرو بر نمی ارزد

عمر کے آخری ایام میں حافظ نے غالباً اپنا تیسرا سفر کیا۔ جو شیراز سے اصفہان کا تھا۔ اس کا ثبوت حافظ کے ان متعدد اشعار سے ملتا ہے جو ان کے دیوان میں جابجا بکھرے پڑے ہیں اور اصفہان کے مختلف حکمرانوں کے ذکر سے مملو ہیں۔ ساقی نامہ میں تو اصفہان کے مشہور دریا 'زندہ رود' کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔

اگر چہ زندہ رود آب حیات است
ولی شیراز ما از صفہان بہ

اپنی بعض غزلوں میں انھوں نے اصفہان کی مجلسوں اور محفلوں کو بھی یاد کیا ہے اور ان دوستوں اور ہم ذوق ہم نشینوں کو بھی جن کی صحبت میں انھوں نے وہاں وقت گزارا۔ مثلاً

روز وصل دوست داران یاد باد
یاد باد آن روز گاران یاد باد

بعض واقعات کی طرف اشارات ملتے ہیں۔ امین الدین احمد رازی (تذکرہ ہفت اقلیم) نے تو ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ حافظ اصفہان میں مستی کی بنا پر گرفتار کئے گئے اور انھیں شہر بھر میں گشت کروایا گیا۔ لیکن جب قاضئ شہر امین الدین جو حافظ کا قدردان بھی تھا اور شیدائی بھی کو اس واقعہ کا پتہ چلا تو وہ فوراً حافظ کے پاس آیا۔ انھیں رہا کروایا اور حکم دیا کہ خود اسے ایسی سزا دی جائے تا کہ حافظ کی اس رسوائی کی تلافی ہو سکے۔ رازی کے مطابق حافظ نے درج ذیل غزل اسی واقعے کے متعلق لکھی ہے۔

مرا عہدیست باجاناں کہ تاجاں در بدن دارم
سوداد آرای کویش راچو جان خویشتن دارم

اس غزل کے مقطع میں اس واقعے کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ

برندی شہرہ شد حافظؔ میان مرد مان لیکن
چہ غم دارم کہ درعالم امین الدین حسن دارم

لیکن حسین پژمان اور ہاشم رضی اس واقعے کی تردید کرتے ہیں۔دیوان حافظ کے قدیم نسخوں میں بھی امین الدین حسن کے بجائے قوام الدین حسن دیا گیا ہے۔ان تینوں بادشاہوں کے علاوہ بھی خواجہ کے قدردان کم نہ تھے۔شاہ بغداد سلطان احمد جلائر ایلکانی بھی خواجہ کو بغداد بلانے کا زبردست خواہش مند تھا۔اور اس غرض سے اس نے انھیں کئی خط لکھے اور تحفے تحائف بھی بھیجے۔لیکن خواجہ نے یہ کہہ کے معذرت پیش کی کہ۔

گرچہ دوریم میاد تو قدح می نوشیم
بعد منزل نہ بود در سفر روحانی

کہا جاتا ہے کہ خواجہ کے بغداد نہ جانے کا سبب شاہ شجاع اور سلطان احمد کی باہمی عداوت کا معاملہ تھا ورنہ خود انھیں بھی بغداد جانے کی بڑی آرزو تھی۔جیسا کہ کہتے ہیں۔

رہ نبردیم بمقصود خوِش اندر شیراز
خرم آن روز کہ حافظ رہ بغداد کند

انھیں خانہ جنگیوں کے سبب سے خواجہ سلطان قطب الدین کے وزیر عماد الدین محمود کی دعوت پر اصفہان نہیں گئے۔بلکہ ایک غزل لکھ کر اسے بھجوادی جس کا مطلع ہے۔

کنوں کہ در چمن آمد گل ازعدم بوجود
بنفشہ در قدمِ او نہاد سر بسجود

بخواہ جام صبوحی بیاد آصف عہد
وزیر ملک سلیمان عماد دیں محمود

حافِظ کی لسان الغیبی:

حافظ ایک ایسے صوفی سرمست تھے کہ جن کے قلم سے نکلا ہوا لفظ ایک الہام کا درجہ اختیار کرجاتا تھا۔ان کی بڑمجذوب کی بڑنہ تھی۔بلکہ کسی ولی کا گفتہ تھا جس میں غیب کے اسرار چھپے تھے۔اسی لئے حافظ کے معتقدین آج بھی ان کے شعروں کی معنی خیزی پر سر دھنتے ہیں۔مولانا جامی نے تو انہیں نفحات الانس میں ''لسان الغیب'' اور ترجمان الاسرار'' کا خطاب

عطا کیا۔ یہ کتاب ۱۸۷۷ء میں لکھی گئی۔ اور تب سے آج تک پڑھنے والے انھیں لسان الغیب ہی تصور کرتے ہیں۔ اور اہم کاموں کے آغاز سے قبل ان کے اشعار سے فال نکالتے ہیں۔ حالانکہ کسی شاعر کے کلام سے یا کسی کتاب سے فال نکالنے کا یہ طریقہ کوئی نیا نہیں۔ حافظ سے پہلے بھی اس پر عمل ہوتا رہا ہے۔ قرون وسطیٰ میں عیسائی ہومر کی ایلیڈ اور اوڈیسی کے نظم پاروں سے قسمت کا حال معلوم کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حکیموں نے مریضوں کے سرہانے ایلیڈ کی چوتھی کتاب رکھنے کا مشورہ دیا۔

مسلمان یوں تو قرآن کریم ہی سے تفاول کرتے ہیں لیکن ایران میں لوگ دیوان حافظؔ سے بھی فال نکالنے لگے اور عوام تو عوام فارسی کے بہت سے شاعروں، تذکرہ نگاروں اور محققوں نے بھی حافظ کی لسان الغیبی کا اعتراف کیا ہے۔ کبھی شعروں میں اور کبھی نثر میں۔

جیسے:۔ نظیری نیشاپوری کہتا ہے۔

حسب حال خود کس از مجموعۂ بارے نخواند
حافظِ شیراز را دیوانِ فرخ فال کو

مولانا آزاد بلگرامی بھی حافظؔ کی لسان الغیبی کے قائل ہیں فرماتے ہیں۔

مرداں ز خاک ہم خبر آسماں دہند
فال کلام حافظ شیراز کن لحاظ

خود حافظؔ اس طرف یوں اشارہ کرتے ہیں۔

بارہا گفتہ ام و بارِ دگر میگویم
کہ منِ دل شدہ ایں رہ نہ بخود میپویم
درپسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد ازل گفت ، بگو ، میگویم

ان کی اس لسان الغیبی کا معترف فرشتہ بھی ہے جس نے اپنی تاریخ میں سلطان غیاث الدین، حاکم بنگالہ کے تعلق سے ایک واقعہ قلم بند کیا ہے۔ اور اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ خواجہ نے جو غزل حاکم بنگالہ کو روانہ کی تھی اس میں بعض باتیں ایسی تھیں جنھیں صرف سلطان غیاث الدین ہی جانتا تھا۔ جس کا علم خواجہ کو نہیں ہو سکتا تھا۔

شاہان مغلیہ خصوصاً ہمایوں اکثر دیوان حافظؔ سے تفاول کرتا تھا۔ ایک موقع پر تو اس نے حافظؔ کی فال پر جو یادداشت لکھی ہے اس میں لکھتا ہے۔

"انشاء الله چوں که فتح ولایت شرقی و مبارزان آن دیار بامر کرد گار شد ند خوبے بخواجه لسان الغیب فرستاده شود"

جہانگیر بھی ہمایوں کی طرح خواجہ کے دیوان سے مشکل گھڑیوں میں فال نکالتا تھا۔ اور اکثر ایسے اشعار آتے تھے جو موقع کی مناسبت سے بالکل صحیح ہوتے تھے۔ ایک جگہ وہ اس کا اعتراف یوں کرتا ہے۔

"در بسیارے از مطالب بدایوان خواجه رجوع نموده ام و بحسب اتفاق آنچه بر آمده نتیجه مطابق همان بخشیده و کم است که تخلف نموده"

یہاں تک کہ خود حافظ کی موت پر بھی لوگوں نے دیوانِ حافظ سے رجوع کیا۔ کیونکہ ان کی نماز جنازہ پڑھنے سے اکثر علماء نے یہ کہہ کر احتراز کیا کہ حافظ کا کلام ملحدانہ ہے۔ لہٰذا اس کے جنازے کی نماز جائز نہیں۔ جب یہ بات بادشاہ وقت شاہ منصور کو معلوم ہوئی تو اس نے کہا کہ آپ لوگوں کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے۔" انھوں نے فرمایا کہ کلام حافظ منگایا جائے اور ہم اس شعروں سے الحاد ثابت کر سکتے ہیں" اس وقت دیوان حافظ منگایا گیا۔ کھولا گیا اور سب سے پہلا جو شعر نکلا وہ یہ تھا۔

قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ
کہ گرچہ غرق گناہ است میرود بہ بہشت

(حافظ کے جنازے سے قدم نہ روکئے۔ اگرچہ وہ گناہ میں غرق ہے لیکن بہشت میں جارہا ہے)

پنڈت بر ندابن داس خوش گو۔ جو حافظؔ کا زبردست معتقد تھا اور اکثر ان کے دیوان سے فال نکالتا تھا۔ ایک جگہ لکھتا ھے کہ میں سوچا کہ کیا وجہ ھے کہ خواجہ سے جس بات کا سوال کیا جاتا ھے اس کا جواب نہایت ٹھیک دیتے ھیں۔ اس کے لئے بھی میں نے دیوان میں دیکھا تو مجھے یہ شعر ملا۔

معجز است ایں شعر یا سحر حلال
ہاتف آرد این سخن یا جبرئیل(۹)"

دیوان حافظؔ سے فال نکالنے کا رواج اتنا بڑھا کہ اس پر باقاعدہ کتابیں لکھی جانے لگیں۔ چنانچہ شیخ محمد الہروی نے ایک کتاب حافظ کی فالوں پر ترتیب دی مولانا حسین کفوی نے بھی

اس قسم کی کتاب ۹۸۰ھ میں ترکی زبان میں لکھی یہاں تک باقاعدہ فال نکالنے کی غرض سے ایک 'فالنامہ' بھی تیار ہوا اور اس کے اصول اور طریقے بتائے گئے۔ غرضیکہ بقول مولانا محمد میاں قمر دہلوی۔

"حافظ کا کلام جس طرح رندان قدح خوار کے لئے سر مستی اور خوش عیشی کا ذریعہ ہے اسی طرح ہمیشہ سے اہل باطن بھی اس سے استفادہ کے قائل رہے ہیں۔ایک بہت بڑا طبقہ ہے جو اپنی مہموں اور پیش آنے والے واقعات میں حافظؔ کے کلام سے فال نکال کر اپنے قلب کو مطمئن کرتا رہا ہے اور حافظؔ کی صدا کو ایک غیبی آواز یقین کرکے اپنے کاموں کو اس کی بنیاد بتاتارہا ہے اور حافظؔ وکلام حافظؔ کو لسان الغیب کا درجہ دیتا رہا ہے۔"(۱۰)

جب کہ مشہور محقق رشید حسن خاں حافظؔ کے دیوان سے نکالی گئی فالوں اور فال میں نکلنے والے اشعار کے پیش نظر اسے شاعر کی استعارہ سازی اور کنایہ کا خوب صورت استعمال قرار دیتے ہیں جس کی وجہ سے لفظوں میں معنی خیزی کی صفت پیدا ہوئی۔اس سلسلے میں وہ اپنے ایک مضمون میں بڑے پتے کی بات کہتے ہیں۔لکھتے ہیں۔

"علم بیانی کے قواعد کے مطابق استعارے میں یہ پابندی ضرور ہوتی ہے کہ لفظ کہ حقیقی اور مجازی معنوں میں سے صرف ایک معنی یعنی مجازی معنی ہی مراد لیے جاسکتے ہیں۔حقیقی معنی مراد نہیں لئے جاسکتے اس کے بر خلاف کنایے میں لفظ کے حقیقی اور مجازی دونوں معنی بیک وقت مراد لئے جاسکتے ہیں یعنی کنایہ،مجاز اور حقیقت دونوں پر یکساں انداز میں معنی کا اطلاق کرتا ہے۔

اس طرح ایک طرف تو الفاظ اُن حقیقی معنوں کی ترسیل کرتے ہیں جن سے ذہن بہ خوبی متعارف اور مانوس ہوتا ہے اور اس طورپر حقیقی واقعات کی نقش گری ہوجاتی ہے۔دوسری طرف مجاز کی نسبت سے ایسے مفاہم کی تشکیل میں معاون ہوتے ہیں جس سے اس وقت یعنی شعر پڑھتے وقت اس کو کسی طرح ذ ہنی یا جذباتی تعلق ہو۔یہی وجہ ہے کہ ایک قاری ایک وقت میں جس شعر سے کوئی

دوسرا مفہوم مراد لے سکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ متعدد مختلف الخیال افراد بیک وقت اسی شعر سے کئی مفاہیم مراد لیں اوروہ سب اپنی اپنی جگہ بر حق ہوسکتے ہیں۔"[11]

رشید حسن خان کی یہ دلیل قابل قبول ضرور ہے مگر یہ سوال اٹھتا ہے کہ ایسے اشعار کسی بڑے شاعر کے دیوان میں ہی ہو سکتے ہیں جن میں استعارے اور کنایے شعر کے معنوں میں تہ داری پیدا کردیں اور مختلف الخیال لوگ ان سے حسب منشا یا اپنے معہود ذہنی کے مطابق اپنی مرضی کا مطلب تلاش کرلیں۔

حافظ کے علاوہ بھی فارسی کے اور بڑے بڑے شاعر ہوگزرے ہیں خود اردو میں غالب موجود ہیں۔تو کیا تمام شاعروں کے دیوان سے جن کے کلام میں تہ داری پائی جاتی ہے۔'فال' نکالی جاسکتی ہے اگر ایسا ہوتا تو وہ تذکرہ نگار یا نقاد جو حافظ پر کام کررہے تھے۔یقیناً تجربہ بھی کرکے دیکھتے۔خود عوام میں سے بھی بعض باذوق حقیقت کی تلاش وجستجو میں سرگرداں افراد حافظ کی لسان الغیبی کا امتحان لینے کی خاطر دوسرے شاعروں کے کلام سے تفاول کرتے اور ثابت کردیتے کہ محض دیوان حافظ ہی نہیں کسی اور شاعر کے دیوان سے بھی کام لیا جاسکتا ہے ممکن ہے ایسا کیا بھی ہو اور آخر تھک ہار کر حافظ کی لسان الغیبی پر ایمان لے آئے ہوں۔

کچھ بھی ہو اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حافظ کے کلام میں کوئی ایسی طاقت ،کوئی ایسا اثر ضرور ہے جو پڑھنے والوں کو روحانی تقویت عطا کرتا ہے اور کچھ دیر کے لیے وہ اس میں ڈوب کر ایک ایسی دنیا میں پہنچ جاتے ہیں جو ان کی اپنی دنیا نہیں بلکہ غیبی دنیا معلوم ہوتی ہے۔

حاضر جوابی و ذہانت:

خواجہ صاحب کی زندگی کے مختلف واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ محض شاعر ،صوفی یا ایک فن کار ہی نہیں تھے بلکہ بلا کے ذہین اور غضب کے حاضر جواب تھے۔ان کی حاضر جوابی سے متعلق کئی قصے ملتے ہیں جن میں سے ایک دو کا ذکر یہاں ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔

شاہ شجاع کے دربار میں ایک فقیہہ خواجہ عماد تھے جنہوں نے ایک بلی پال رکھی تھی اور اس کی تربیت ایسے کی تھی کہ وہ ان کے ساتھ نماز کے ارکان ادا کرتی تھی۔حافظ عبادت کے اس مکر وریا کو ناپسند کرتے تھے۔لہذا ایک غزل میں اس کا مذاق اڑایا۔(۱۲)

خواجہ عماد کو بے حد غصہ آیا اور انھوں نے بادشاہ شجاع سے حافظ کی شکایت کی۔شاہ نے خواجہ کو بلا کر کہا۔"آپ کے کلام میں کوئی یکسانیت اور ہمواری نہیں ہوتی۔ایک شعر تصوف میں

ہے تو دوسرا مے نوشی میں تیسرا شاہد بازی میں" حافظ نے فرمایا "ہاں ان سب برائیوں کے باوجود میری غزلیں زبان سے نکلتے ہی دنیا میں پھیل جاتی ہیں۔

ایک اور واقعہ جو حافظ کی حاضر جوابی اور ذہانت کا غماز ہے۔ وہ یہ کہ ایک سال تیمور بڑے جاہ و جلال کے ساتھ شیراز پر حملہ آور ہوا۔ اور ایرانی فوجیں اس کے لشکر جرار کے سامنے ٹک نہ سکیں۔ شیراز فتح ہو گیا۔ تیمور نے شیراز کی سلطنت شاہ شجاع کے بھائی نصرت الدین کو سپرد کی اور جاتے جاتے اس نے حافظ کو طلب کیا اور پوچھا یہ شعر آپ کا ہے۔

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل یارا
بخال ہندوش بخشم سمر قند و بخارا را

خواجہ صاحب نے فرمایا۔ ہاں اس پر تیمور نے غضب ناک ہو کر کہا "میں نے تمام دنیا اس لئے فتح کی کہ اپنے وطن سمر قند بخارا کو مالا مال کر دوں اور آپ اسے معشوق کے سیاہ تل کے عوض دیے دیتے ہیں؟" خواجہ نے مسکرا کر فرمایا۔ "انھیں فیاضیوں کا تو یہ نتیجہ ہے کہ میں تہی دستی کی حالت میں ہوں"

ایسا خوب صورت جواب مجذوبِ شیرازی کے علاوہ کون دے سکتا تھا؟

فن ـــــــ آثارِ حافظ

(حصّہ دوم)

شعرِ حافظ ہمہ بیت الغزلِ معرفتست
آفریں بر نفسِ دل کش و لطفِ سخنش

آغاز شاعری:

جس زمانے میں حافظ نے ہوش سنبھالا، فارس اور خصوصاً شیراز میں شعر ادب کا چرچہ عام تھا۔ از امیر تا فقیر اور از جواں تا پیر سبھی کو اس کا چسکا تھا۔ حافظ بھی اپنے دور کے مشہور شاعر خواجو کرمانی کی صحبت میں رہنے لگے اور شاعرانہ رموز ونکات سے واقف ہونے لگے۔ خود ان کے چچا سعدی (شیخ سعدی نہیں) بھی ایک اچھے شاعر تھے۔ لہذا حافظ بھی شعر کہنے لگے۔ مگر ان کی شعر گوئی کی ابتدا کے سلسلے میں عجیب وغریب حکایتیں ملتی ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ ان کے چچا سعدی ایک دن صوفیانہ غزل کہنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بڑی مشکل سے ایک مصرع کہہ پائے تھے کہ کسی کام سے انہیں باہر جانا پڑا۔ کاغذ وہیں چھوڑ گئے۔ اتفاق سے ان کے جانے کے بعد حافظ وہاں پہنچے۔ ان کی نظر چچا کے لکھے ہوئے مصرع پر پڑی۔ انھوں نے ذرا سے توقف کے بعد دوسرا مصرع لگا کر پورا کر دیا۔ سعدی جب واپس لوٹے اور شعر کو مکمل پایا تو حیران رہ گئے۔ استفسار میں پر جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ دوسرا مصرع حافظ نے لگایا ہے تو وہ بے انتہا خوش ہوئے۔ بھتیجے کو گلے لگایا اور فرطِ مسرت سے بولے۔ اب یہ غزل تمہیں پوری کر دو۔ خواجہ نے تھوڑی ہی دیر میں ایک خوب صورت سی غزل مکمل کر لی۔ چچا پڑھتے ہی جھوم اٹھے۔ اور انتہائی مسرت کے عالم میں یہ دعا دی۔ ''جا...... تو ایسا شاعر ہوگا کہ جو تیرے اشعار سنے گا وہ مجذوب ہو جائے گا اور اپنے حواس کھو بیٹھے گا۔'' بقول کلارک قسطنطنیہ کے ترک اس بات کے معتقد ہیں کہ یہ سعدی کی دعا کا اثر خواجہ کے کلام میں ہے کہ جو اس کو پڑھتا ہے بے خود اور مجذوب ہو جاتا ہے۔ (بحوالہ حیاتِ حافظ، صفحہ ۱۷)

بعض جگہ یہ روایات بھی ملتی ہے کہ حافظ کے محلّے میں ایک بزاز رہتا تھا جس کی دکان پر اکثر شعر وسخن کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ خواجہ حافظ کبھی کبھی وہاں پہنچ جاتے تھے اور شعراء کا کلام سنتے تھے۔ انھیں سن سن کر آخر انھیں خود بھی شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا لیکن موزوئی طبع سے محروم تھے اس لئے اکثر مصرعے بحر سے خارج ہو جاتے تھے اور لوگ ان کے کلام کو سن کر ان کا مذاق اڑاتے تھے یا تفریح لیتے تھے۔ حافظ ایک دن اس بات سے بے حد رنجیدہ ہو گئے اور اسی

افسردگی کے عالم میں باباکوہی نام کے ایک بزرگ کے مزار پر گئے جنھیں پیر سبز کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا اوران کہ متعلق تمام فارس میں یہ مشہور تھا کہ جو شخص اس مقام پر ایک چلّہ کھینچے حضرت خضرؑ اس کو آب حیات پلا دیتے ہیں اور وہ اعلیٰ درجے کا شاعر ہو جاتا ہے۔خواجہ حافظ ان بزرگ کے مزار پر جا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ان کو لقمہ کھلا رہے ہیں اور کہتے ہیں۔ ''جا......اب سے تجھ پر ادب کے دروازے کھل گئے۔'' بعض کا خیال ہے کہ حافظ نے پیر کے مزار پر چلّہ کشی کی اور آخر حضرت خضرؑ نمودار ہوئے اور انھوں نے آبِ حیات کا پیالہ پلا دیا۔اسی دن سے انھیں ایک غیر فانی شاعری عطا ہوئی۔صبح کو حسب حال یہ غزل لکھی۔

دادند ——— دوش وقت سحراز غصہ نجا تم دوانند

وندراں ظلمت شب آب حیا تم دادند

(کل رات صبح کے قریب مجھے غم سے نجات ملی اور اس تاریک رات میں آب حیات عطا ہوا)

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا جاچکا ہے کہ بعض اس قصے کے درمیان ان کی ایک بازاری محبوبہ 'شاخ نبات' کا ذکر بھی جوڑتے ہیں جو ایک فرضی نام معلوم ہوتا ہے۔جس کے ہاں چلّہ کی آخری رات وہ گئے تھے اور جو انھیں اپنی اداؤں سے رجھا کر چلہ سے روکنا چاہتی تھی۔مگر حافظ اس کی جال میں پھنسنے کی بجائے وہاں سے نکل کر پہاڑ پر پہنچے اور اپنا چلّہ پورا کیا۔اور اس کے متعلق عام طور پر یہ شعر پیش کیا جاتا ہے۔

ایں ہمہ شہد و شکر کز سخنم میریزد

اجرِ صبریست کزاں شاخِ نباتم دادند

(یہ تمام شہد و شکر جو میرے کلام سے ٹپکتا ہے،اس صبر کا صلہ ہے جو مجھے شاخِ نبات سے بچنے کے لیے مہیا کیا گیا ہے۔)

مگر یہ افسانہ ''زیبِ داستان'' سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا 'میخانہ' کے حوالے سے شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ جب

"وہ شہر میں آئے تو لوگوں نے حسبِ معمول شعر پڑھنے کی فرمائش کی ۔انھوں نے وھی غزل پڑھی ۔سب کو حیرت ھوئی اور سمجھے کہ کسی سے یہ غزل لکھوا لی ھے ۔امتحان کے لیے طرح دی ۔ انھوں نے طرح میں بھی عمدہ غزل لکھی ۔اسی وقت گھر گھرچر چا

پھیل گیا۔" (شعر العجم، جلد سوم، صفحہ ۱۹۲۔۱۹۱) (۱۳)

خصوصیاتِ کلام:

یوں تو حافظ کے دیوان میں قصائد بھی ملتے ہیں، رباعیات بھی اور ساقی نامہ بھی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ جس چیز نے حافظ کو حافظ بنایا وہ ان کی غزل گوئی ہے۔ حالانکہ حافظ سے قبل شیخ سعدی نے اس صنف میں اتنی دلکشی پیدا کردی تھی کہ ہر شخص اس کا دیوانہ تھا لیکن حافظ نے غزل گوئی کے فن کو نہ صرف جلا بخشی بلکہ اسے معانی کا ایک گنجینۂ طلسم بنادیا۔ اور نہ صرف فارسی بلکہ دنیا کی مختلف زبانوں کے شاعروں اور خاص طور پر اردو غزل گویوں کے لیے بھی ایک شاہراہ کھول دی۔ اور اس صنف میں ایسے ایسے مضامین قلمبند کیے، معانی کے ایسے ایسے پھول کھلائے، الفاظ کے وہ چمن آباد کیے کہ لوگ اس طوطیٔ شیراز کے زمزموں سے مست و بے خود ہو گئے۔ تذکرہ نگار، تنقید نگار نیز شعراء و ادباء آج بھی ان کے اشعار پر سر دھنتے ہیں۔ جامی کے نزدیک خواجہ حافظ کے شعر لطیف اور دل پسند ہیں اور ان میں فی الحقیقت ایک اعجاز نظر آتا ہے۔ اسی لیے وہ انھیں 'لسان الغیب' اور 'ترجمان الاسرار' کہتے ہیں۔ (نفحات الانس)

سیّد محمد رضا جلالی نائینی کا خیال ہے کہ ــــــ

"خواجه حافظ در تاریخ ادبیاتِ زبان و فرهنگ فارسی یکی از چند شاعر بلند پایه و ناموری ست که لطفِ سخن را به سر حدِّ اعجاز رسانید و توانسته است دل های عالم و عامی را تسخیر کند." (مقدمہ)

ڈاکٹر رضازادہ شفق رقم طراز ہیں۔

"خواجه حافظ از مفاخر بی همتای ادب فارسی است. خواجه را بدلدادگی و فریفتگی شاعر نسبت بر فعِ اختلافات و نفاق و ناهماهنگی و ستیزه جوئیهاو ستم کایهای سالوسان و ریا کاران و فتنه انگیزان تعبیر نموده." (تاریخ ادبیاتِ ایران)

علی دشتی ان کی آفاقیت کے قائل ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"این حافظ که در ذهنِ ما پیدا شد شیرازی نیست. زمینی نیست پسر فلاں و پدر بهمان نیست. او پسرِ مضامین عالی و اشعارِ پُر مغز خویش است. او پدر فصاحت و بلاغت کم نظیر خود است. او پادشاه ملك اندیشه و بیان است که باکیسه تهی

گنج در آستیں دارد و باخشت زیر سر به تارك هفت اختر پای میگذارد۔"(نقشے از حافظ)

ناصرالدین زمانی حافظ کی شاعری میں ایک جہانِ معرفت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"جهانی معرفتست که حافظؔ چیره دست ترین استاد و فرزانه و بی بدیل صنعت غزل سرائی فارسی است......... غزلیاتِ دل نشیں و گفته های پُر مغز شیوای حافظؔ یکی از بهترین شاهکار های جاویدان بشریت است که تا دنیا برپاست و بشریت برجاست پایدار خواهد بود۔"(دیباچہ حافظ بری زبان)

پروفیسر عبدالمنان بیدل عظیم آبادی حافظ کے بارے میں یوں رائے زن ہیں۔

"حافظ بزرگ ترین افتخار ایران و فارسی خوانان است۔ کلامِ روح پرور ایں شاعر زنده جاوید هر گزاز خاطرِ سخن دانان مجموعه نه خواهد شد۔موزوں تر از شعر حافظؔ ، کلامے دیده نه شده و دل کش تراز نغمۂ خواجه سرودے شنیده نه شده۔"(اشعارِ حافظ صفحہ ۱۷)

مصنف تذکرۂ حسینی کا بیان ہے۔

"حافظِ شیراز سر حلقه عارفانِ صاحب حال بوده و در فصاحت عدیم المثال در علم قرأت نیز مهارتِ تمام داشته ۔ دیوانش سراپا انتخاب است۔"

بہاءالدین خرمشاہی کا خیال ہے۔

"عظمتِ هنری حافظؔ این است که در عین سخنوری و سخت کوشی هنری و رعایت لفظ ، جانب معنی را فرو نگذاشته بلکه مقدم داشته است همین است که از خلال شعر زلالش ، فرزانگیهای او می در خشد و به ماحکمت و عبرت می آموزد۔"(مقدمہ حافظ نامہ، صفحہ ۳۹)

ایرانی اور فارسی نقادوں اور تذکرہ نگاروں کا ذکر کیا خود اردو کے نقادوں اور تذکرہ نگاروں نے بھی حافظؔ کو مختلف انداز میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

شبلی نعمانی فرماتے ہیں۔

"خواجه صاحب اگرچه قصیده اور مثنوی میں بھی اساتذہ سے پیچھے نہیں ، لیکن ان کا اصلی اعجاز غزل گوئی ہے۔ یہ عموماً مسلّم ہے کہ عالم وجود میں آج تک کوئی شخص غزل میں ان کا ہم سر نہ ہوسکا۔" (شعرالعجم، جلد سوم، صفحہ۲۱)

امداد امام اثر تو حافظ کے ایسے چاہنے والے ہیں کہ وہ اردو کے کسی شاعر کو ان کے سامنے خاطر میں نہیں لاتے۔ بلکہ بے انتہا جذباتی انداز میں اپنے خیال کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ ہرچند شعرائے اردو نے شعرائے فارس کی تتبع سے اردو کو ایک معقول صورت بخشی ہے مگر جس قدر عمدگی خیالات کی کثرت خواجہ کے دیوان میں دیکھی جاتی ہے اس کا سولھواں حصّہ کسی اردو کے شاعر کے دیوان میں نہیں پایا جاتا۔ حافظؔ کے کلام کو بغور دیکھنے سے کسی اردو کے شاعر کی غزل گوئی باوقار نظر نہیں آتی ہے............ اردو کی غزل گوئی ایسی مختصر ہوجاتی ہے کہ جیسے کوہِ ہمالیہ کے سامنے دھلی کی پہاڑی۔" (کاشف الحقائق۔ صفحہ۳۸۰)

پروفیسر نذیر احمد ایک جملے میں بہت کچھ کہہ جاتے ہیں۔

"غزل کی دنیا میں کوئی حافظؔ کا مدِمقابل نہیں۔" (پیش لفظ ''حافظ اور اقبال'' از: ڈاکٹر یوسف حسین خان، صفحہ۔۲)

اور ڈاکٹر یوسف حسین خان نے بڑی خوب صورتی سے شاعرانہ انداز میں ایک بلیغ بات کہہ دی ہے۔

"حافظ کا بیش تر کلام خود رو ہے۔ جس میں شعوری ارادے کو بہت کم دخل ہے۔" (حافظ اور اقبال، صفحہ۔۴۸)

حافظ کے کلام پر صرف اہلِ مشرق ہی فدا نہیں ہیں بلکہ سرزمینِ مغرب بھی اس کے اثر سے خالی نظر نہیں آتی۔ اور مغرب کے نقادوں اور خود حافظ کے مختلف شارحین نے ان کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی فن کاری کا اعتراف کیا ہے۔

کیپٹن ولبر فورس کلارک رقم طراز ہیں۔

"His verse is rich in fancy, a powerful in imagination, orginal,

sublime, wild and glowing, grave and gay.He dwells on the degeneracy of his age, on the vanity ofthe world, on the power of sin, on the greatness of the Creator, on the pleasures of the time of youth, on the enjoyments of the world, on universal charity and on the toleration and liberty of conscience." (Divan page XXV)

حافظ کے تقدس کا ذکر کرتے ہوئے چارلس اسٹوورٹ کا بیان ہے۔

Hafiz was eminent for his piety and passed much of his time in solitude,"___devoting himself to the service of God, and to reflection on this devine nature."

جان پیئن (John Payne) کے نزدیک

"Hafiz is one of three greatest poets of the world, the other two being Dante and Shakespeare."

ڈینی سن راس حافظ کی غزلوں میں غنائیت کے مداح ہیں۔ لکھتے ہیں۔

It is not only as a maker of exquisite verse but also as a philosopher that Hafiz has gained so wide an esteem in the East. No European who reads his Divan will be taken captive by the delicious music of his songs, the delicate rhythms, the beat of the refrain and the charming imagery"(Preface, p.49, Divan of Hafiz, Tr By G.Bell)

آربٹ ناٹ کہتا ہے۔

"Hafiz has been called by some the Anacreon of Persia".and refers to him as"This really great poet whose genious has been fully acknowledged and appreciated throughout the world...........whom the first and highest rank has been unanimonsly assigned."(Preface, Selection from the Rubaiyat-e- Hafiz---Jhon M. Watkins)

دراصل خواجہ حافظ مبداء فیاض سے شعر گوئی کا ملکہ لے کر آئے تھے اور جو روایات ان کے آغازِ شاعری کے متعلق ملتی ہیں وہ محض فرضی ہیں۔ اور اگر انھیں سچ مان بھی لیا جائے تو ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ خواجہ کی شاعری وہبی اور الہامی تھی۔ اکتسابی نہیں تھی۔ وہ ایک روحانی عطا تھی شاید اسی لیے اس میں روحانی طاقت بھی بے انتہا تھی کہ آج تک کسی اور شاعر کے دیوان

سے فال نکالنے کا کام نہیں لیا گیا سوائے حافظ کے۔ حد یہ ہے کہ مثنوی معنوی مولوی بھی جسے "قرآں در زبانِ فارسی" تک کہا گیا مگر اس مبالغے کے باوجود بھی اس سے تفاول کرنے کی کوشش کسی نے نہیں کی۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر وہ کون سی خصوصیات تھیں جنھوں نے حافظ کو اتنا مقبول بنایا اور آج بھی ان کا کلام اتنا ہی مقبول ہے۔ جس طرح اردو میں ہر بڑے سے بڑے شاعر نے میر کی استادی کو تسلیم کیا اور انھیں خدائے سخن کا درجہ دیا۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کہا جاسکتا ہے کہ حافظ وہ شاعر ہیں جس کی استادی سے اردو ہی نہیں دنیا کے بڑے بڑے شاعر متاثر ہوئے۔ اور اردو میں تو ہر شخص نے کسی نہ کسی طریقے سے حافظ کی تاسّی کی یا اس رنگ میں کہنے کی کوشش کی یا ان کے کسی شعر کا ترجمہ اردو میں کیا یا ان کے خیال کو اخذ کر کے شعر کہا۔ یہاں تک کہ خدائے سخن بھی اس سے مبرّا نہیں۔ اس راز کو سمجھنے کے لیے حافظ کی شاعری کی خصوصیات پر غور کرنا بے حد ضروری ہے۔ اور جب ہم ان کے کلام پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارے سامنے درج ذیل پہلو آتے ہیں۔

فطری انداز:

چونکہ حافظ کی شاعری وہبی تھی۔ خداداد عطیہ کے طور پر انھیں ملی تھی ورنہ وہ بچہ جو بچپن ہی میں یتیم ہو جائے، ناداری میں بسر کرے۔ خمیر گیری سے معاش حاصل کرے۔ بداخلاق لوگوں کی سرپرستی میں پرورش پائے۔ محلّے کے معمولی لوگوں میں اٹھے بیٹھے۔ اس طرح وہ ایک عظیم شاعر کیسے ہو جاتا۔ مگر شاعری خواجہ کی فطرت تھی اور وہ شاعری میں بھی فطری انداز ہی کو پسند کرتے تھے۔ صنعت گری کے مخالف نہ تھے مگر اسے پسندیدہ نظر سے بھی نہ دیکھتے تھے۔ وہ خود ایک شعر میں فرماتے ہیں

آں را کہ خوانی استاد گر بنگری بہ تحقیق
صنعت گر یست امّا شعر رواں ندارد

(جس کو تم استاد کہتے ہو اگر تحقیق کی نگاہ سے دیکھو تو وہ صنعت گر ہے، فطری شاعر نہیں۔)

خواجہ حافظ ایک فطری اور پیدائشی شاعر تھے۔ وہ صنائع بدائع کا استعمال کر کے اپنے شعر کو خوب صورت ضرور بناتے ہیں مگر شعر کی اصلی روح معانی میں تلاش کرتے ہیں جس کا تعلق دل اور دماغ سے ہے فرماتے ہیں۔

بلبل از فیض گل آموخت سخن ورنہ نبود
این ہمہ قول و غزل تعبیہ در منقارش

(بلبل نے گل کے عشق میں ترانہ ریزی سیکھی ورنہ یہ زمزمہ اور نغمہ اس کی چونچ میں جڑا ہوا نہ تھا۔)

جوشِ بیان:

شبلی نعمانی نے خاص طور پر خواجہ کی جس خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ جوشِ بیان ہے۔ ویسے بھی دیکھا جائے تو حافظ نے ہزاروں خیالات قلم بند کیے مگر ان سب کو اس جوش و سرمستی سے باندھا کہ سننے والے پر وجد طاری ہوگیا۔ اور وہ اس کے اثر سے باہر نہ آسکا۔ جذبات کے اظہار کا کوئی بھی موقع ہو مثلاً عشق و عاشقی، رندی و سرمستی، رنج و غم، فخر و ناز، غیض و غضب حافظ اس قدر پرجوش طریقے پر اسے بیان کرتے ہیں کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مثلاً

ما قصۂ سکندر و دارا نخوانده ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ساقیا بر خیز و دردہ جام را
خاک بر سرکن غم ایام را

گر چہ بدنامیست نزدِ عاقلاں
ما نمی خواہیم ننگ و نام را

من ترکِ عشق بازی و ساغر نمی کنم
صد بار توبہ کردم و دیگر نمی کنم

جدّتِ ادا:

اچھی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت جدّتِ ادا ہے۔ ایک بڑا شاعر پرانے خیال کو بھی نئے انداز میں اس طرح باندھتا ہے کہ وہ بالکل اچھوتا اور تروتازہ نظر آنے لگتا ہے۔ حافظ کے اشعار میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود ہے۔ منیر لکھنوی اس ضمن میں فرماتے ہیں۔

"حافظ صاحب کے وقت میں ہزاروں مضامین ایسے تھے جو مدّت سے بندھے چلے آتے تھے۔ شعرائے عرب سے شعرائے فارس نے لیے تھے۔ خواجہ صاحب کی جودتِ طبع نے وہ جدّتِ ادا دکھائی کہ پرانے زمانے کے مضامین

نے نئی صورت پائی۔ اور ان مضامین کو جن کو دوسرے شاعروں نے نظر انداز کردیا تھا ...... خواجہ نے حسن اسلوبی کے ساتھ ان کو دلآویز بنا کر دنیا کے سامنے پیش کردیا اور سب نے مان لیا کہ حقیقتاً یہ شاعری نہیں مصّوری ھے۔" (دیوانِ حافظ، مترجم۔ مطبوعٔ مطبع مجیدی کانپور صفحہ ۱۷)
چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ہر کس کہ بدید چشم او گفت
کو محتسبے کہ مست گیرد

(جس کسی نے اس کی آنکھ دیکھی بے ساختہ چلا اٹھا کوتوالِ شہر کہاں ہے کہ مست کو گرفتار کرے۔)

شاہد آن نیست کہ موئے و میانی دارد
بندۂ طلعتِ آن باش کہ آنی دارد

(محبوب وہ نہیں جو بال اور کمر رکھتا ہے۔ تو اس کا عاشق بن کہ جو ایک آن رکھتا ہے۔)
حافظ نے بڑی مشکل ردیفیں استعمال کی ہیں جو ان سے پہلے نظر نہیں آتیں۔ مثلاً 'نظرے نیست کہ نیست'، 'بدانست مفاد'، 'بروئے فن بکشاد' وغیرہ۔

حسنِ بیان:

حافظ ایک ہی مضمون کو سو انداز میں ادا کرتے ہیں پھر بھی وہ نیا اور دل کش محسوس ہوتا ہے۔ یہ ان کے بیان کا حسن ہے۔ مثلاً متعدد اشعار ایک ہی موضوع پر ملیں گے جیسے قناعت، گوشہ نشینی، اجتناب، واعظوں کی پردہ دری، رندی و مستی وغیرہ اور ہر شعر میں ایک نیا پہلو نکلتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ رندی و سرمستی پر ان کے اشعار۔

بیا تا گل بر افشانیم و می در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم

(آؤ پھول برسائیں اور ساغر میں شراب انڈیلیں۔ آسمان کی چھت کو توڑیں اور نئی بنیادیں ڈالیں۔)

ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم
اے بیخبر ز لذتِ شرابِ مدامِ ما

(میں نے پیالہ میں یار کے نورانی چہرہ کا عکس دیکھ لیا ہے۔ اے بے خبر تجھے کیا خبر ہے

ہماری اس دائمی لذّت کی۔)

صوفی بیا کہ آئینہ صافیست جام را
تا بنگری صفائے می لالہ فام را

(اے صوفی آ کہ جام آئینے کی مانند صاف ہے۔تا کہ تو اس شراب ناب کو دیکھ سکے۔)

ساقی بیار بادہ و با مدّعی بگو
انکار ما مکن کہ چنیں جام جم نداشت

(اے ساقی شراب سے اور مدّعی سے کہہ دے کہ اب تو میرا نہ انکار کر کہ آج میرے ہاتھ میں وہ جام جم ہے جو جمشید کو بھی میسر نہیں تھا۔)

ہمہ گیری:

حافظ کے کلام میں ہمہ گیری پائی جاتی ہے۔کوئی ایسا موضوع نہیں ہے جس پر انھوں نے طبع آزمائی نہ کی ہو۔وہ ہر قسم کے علمی، اخلاقی، قومی وملّی، تمدّنی، معاشرتی، فلسفیانہ مضامین ادا کرتے ہیں۔ان کے ہاں موضوعات کی کثرت ہے۔رنگا رنگی ہے اور تنوع ہے۔اور اس کے باوجود بھی غزل کی لطافت میں کہیں کوئی فرق نہیں آتا۔

سلاست و روانی:

حافظ کے کلام کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں بے انتہا سلاست اور روانی پائی جاتی ہے اور عامی و عالی سبھی اسے بآسانی سمجھ لیتے ہیں اور یاد رکھ سکتے ہیں۔مثلاً

اگر آن ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ مارا
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

ساقیا مایۂ شباب بیار
یک دو ساغر شرابِ ناب بیار

ساقیا بر خیز و دردہ جام را
خاک برسر کن غمِ ایام را

ڈرامائی انداز:

اقبال اور غالب کی طرح حافظ کی غزلوں میں ایک خاص رنگ جو نظر آتا ہے وہ ان کا ڈرامائی انداز ہے کسی واقعہ یا خیال کو دلچسپ اور اثر انگیز بنانے کی خاطر وہ ایک ڈرامائی انداز پیدا

کرتے ہیں۔ اور گفتگو یا مکالمے کے ذریعے اس میں جان ڈال دیتے ہیں اسی وجہ سے ان کی بہت سی غزلیں ایسی ہیں جو مسلسل ہیں۔ مثلاً

دوش رفتم بدرِ میکدہ خواب آلودہ
خرقہ تر دامن و سجادہ شراب آلودہ
(واقعہ کا بیان اور مغ بچے کے ساتھ گفتگو)

سحر گاہاں کہ مخمور شبانہ
گرفتم بادہ با چنگ و چغانہ
(ساقی کے ساتھ گفتگو)

دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند
وندران ظلمتِ شب آبِ حیاتم دادند
(پورے واقعے کا بیان)

یارب آں شمعِ شب افروز زکاشانۂ کیست
جانِ ما سوخت بپرسید کہ جانانہ کیست
(سر بزم ایک کردار کا بیان)

مکالمہ:

چونکہ حافظؔ اکثر و بیشتر اپنے اشعار میں ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہیں لہٰذا ان کے یہاں ایسے اشعار کی کمی نہیں جن میں تخاطب، مکالمہ اور گفتگو کا رنگ ملتا ہے۔ مثلاً درجِ ذیل اشعار میں خطیبانہ لہجہ ملتا ہے۔

حافظؔ مرید جامِ جم است ای صبا برو
وز بندہ بندگی برساں شیخِ جام را

اے نور چشم من سخنے ہست گوش کن
تا ساغرت پُرست بنوشاں و نوش کن

اے روئے ماہ منظر تو نو بہار حسن
خال و خط تو مرکز لطف مدارِ حسن

ای شام بگوئے ما گذر کن
صبحِ بحالِ ما نظر کن

ای ہد ہد صبا ! بہ سبا می فرستمت
بنگر کہ از کجا بکجا می فرستمت

کبھی کبھی پوری غزل مکالمے کے انداز میں ملتی ہے۔

با صبا در چمنِ لالہ سحر می گفتم
کہ شہیدان کہ اند این ہم خونیں کفناں

گفت حافظ من و تو محرمِ ایں راز نہ ایم
از مئے لعل حکایت کن و سیمیں ذقناں

بعض غزلوں میں سوال و جواب کی صنعت سے کام لیتے ہوئے مکالمہ کا انداز پیدا کردیا ہے۔ مثلاً

گفتم اے سلطانِ خوباں رحم کن براین غریب
گفت در دُنبالِ دل رہ گم کند مسکیں غریب
گفتمش بگذر زمانے گفت معذورم بدار
خانہ پروردے چہ تاب آردغمِ چندیں غریب

باز گفتم ماہِ فن آن عارضِ گلگوں مپوش
ورنہ خواہی ساخت مارا خستہ و مسکیں غریب

گفت حافظ آشنایاں در مقامِ حیرت اند
دور نبود گر نشیند خستہ و مسکیں غریب

غنائیت:

حافظ کی غزلوں کی مقبولیت کا ایک سبب ان کے لہجے کی غنائیت ہے۔ حافظ کی غزلوں میں ایک دل کش ترنم پایا جاتا ہے۔ اسی لیے ان کے کلام کو اکثر محفل میں گایا جاتا ہے اور اس سے ایک عجیب تاثیر پیدا ہوجاتی ہے۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ حافظ خود موسیقی کا درک رکھتے تھے۔ اور الفاظ کے انتخاب کا بھی

انھیں بڑا سلیقہ تھا۔ اس لیے وہ ایسے مترنم الفاظ استعمال کرتے ہیں جو صوتی اعتبار سے ایک عجیب دل کشی اور ہم آہنگی پیدا کردیتے ہیں۔ قاری ہونے کی وجہ سے وہ خوش الحان بھی تھے۔ اس لیے ان کے کلام میں بھی ایک لحن اور لے ملتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ معانی و الفاظ خود رقص کرتے ہیں۔ اور فضاؤں میں ایک عجیب سی نغمگی گھل گئی ہو۔ حافظ کی شعری فضا اسی لیے بڑی دل کش اور خواب آلود معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً

چو دردست ست رودے خوش ، بزن مطرب سرودے خوش
کہ دست افشاں غزل خوانیم و پا کوباں سر اندازیم

گر زدستِ زلفِ مُشکینت خطای رفت رفت
در زہندوی شما برحق جفای رفت رفت

اس کا احساس انھیں خود بھی تھا اسی لیے تو کہتے ہیں۔

غزل گفتی و دُرسفتی بیا و خوش بخواں حافظ
کہ بر نظم تو افشاند فلک عقدِ ثریا را

ز شعرِ حافظِ شیراز میگویند و میرقصند
سیہ چشمانِ کشمیری و ترکانِ سمرقندی

انھوں نے بحروں کے انتخاب میں بھی اس التزام سے کام لیا ہے کہ اکثر بحریں مترنم ہیں اور خود بخود اس میں موسیقیت پیدا ہو گئی ہے۔ مثلاً

۱۔ اگر آن ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ ما را
۲۔ مرا عہدیست با جاناں کہ تا جاں در بدن دارم
۳۔ مہرِ رُخت سرشتِ من، خاکِ درت بہشت من
۴۔ سروِ چمانِ من چرا میلِ چمن نمی کند

کہیں ارکانِ شعر اور کہیں لفظوں کے انتخاب میں صوتی اور غنائی حسن پیدا کردیا ہے۔ مثلاً

۱۔ بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم
۲۔ سمن بویاں غبارِ غم چو بنشینند بنشانند
۳۔ واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
۴۔ شاہِ شمشاد قداں، خسروِ شیریں دہناں

تسلسل بیان:

حالانکہ غزل کا مزاج منتشر خیالی ہے لیکن حافظ نے اس میں تسلسل بیان سے کام لیا

ہے۔اور اکثر غزلیں تو ایسی ہیں جو ایک ہی کہانی سناتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اور مسلسل ہیں۔جن میں ڈرامائی سے زیادہ افسانوی یا داستانوی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔مثلاً

۱۔کنوں کہ در چمن آمد گل از عدم بوجود (بہار کے ذکر میں)

۲۔خوشا شیراز و وضعے بے مثالش (شیراز کی تعریف میں)

۳۔نسیم صبح سعادت بداں نشاں کہ تو می دانی (قاصد سے پیغام رسانی)

۴۔آن سیہ چردہ کہ شیرینیِ عالم با اوست (نعتیہ)

۵۔شربتے از لبِ لعلش نچشیدم و برفت (ذکر واقعۂ خاص)

۶۔اے دل بکوئے عشق گزاری نمی کنیم (تعلیم سعی وعمل و بیداری از غفلت)

۷۔سحرم دولت بیدار ببالیں آور (حصول مراد)

۸۔بکوئے میکدہ یارب سحر چہ مشغلہ بود (تفرقہ بزم طرب)

۹۔دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند (کیفیت شرح صدر)

شوخی و ظرافت:

حافظ نہ محض صوفیٔ صافی تھے نہ ملّا یا واعظ۔وہ شاعر تھے اور ایک فن کار تھے۔لہٰذا حسِ لطیف رکھتے تھے۔اسی لیے ان کے اشعار میں شوخی وظرافت کا عنصر بے انتہا موجود ہے۔ خاص طور پر رند، واعظ، شیخ وغیرہ سے متعلق ان کے جو اشعار ہیں ان میں غضب کی شوخی موجود ہے۔

واعظِ شہر کہ مردم ملکش می خوانند
قول ما نیز ہمین است کہ او آدم نیست

(واعظِ شہر جسے لوگ فرشتہ کہتے ہیں۔ ہمارا بھی قول اس کے بارے میں یہی ہے کہ وہ آدمی نہیں ہے۔) (گویا شیطان بھی ہوسکتا ہے؟)

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چون بخلوت میروند آن کارِ دیگر می کنند

(یہ واعظ و مولوی جو منبر پر بیٹھ کر اداکاری کرتے ہیں جب خلوت میں جاتے ہیں تو ''کوئی اور'' کام کرتے ہیں۔''

منظر کشی:

حافظ کے یہاں بعض وارداتِ قلبی یا جذبات کی منظر کشی اتنی خوبصورت طریقے پر

ہوئی ہے کہ بے ساختہ سامنے ایک تصویر کھنچ جاتی ہے۔ اور پڑھنے والا اس سے لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ مثلاً

آن لعلِ دل کشش بیں ، واں خندۂ پر آشوب
آں رفتن خوشش بیں ، واں گام آرمیدہ

(اس کے دل کش سرخ لب اور اس کی شور انگیز ہنسی دیکھو وہ خرام ناز اور اس کا آہستہ آہستہ قدم اٹھانا دیکھو۔)

بشعرِ حافظؔ شیراز می رقصند و می نازند
سیہ چشمانِ کشمیری و ترکانِ سمر قندی

اور اس منظر کی بھی داد دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ۔

دل میرود زدستم صاحب دلان خدارا
دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

(میرا دل ہاتھوں سے جا رہا ہے، اے صاحب دلو! خدا کے لیے اسے روک لو۔ ہائے ہائے اب یہ پوشیدہ راز سب پر آشکارا ہو جائے گا۔)

صنائع و بدائع:

خواجہ گو کہ فطری شاعر تھے اور سلاست و سادگی ان کے کلام کی ایک بڑی خصوصیت ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ انھوں نے اپنے کلام کو شاعرانہ حسن سے آراستہ نہیں کیا۔ حافظ نے صنائع بدائع سے بھی ایسا ہی کام لیا جیسے ایک مرصع کار لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں مختلف صنائع کا استعمال ملتا ہے۔ مثلاً تجنیس، صنعت اتضاد، صنعتِ مقابلہ، کنایہ، صنعتِ ایہام، حسنِ تعلیل، مراعت النظیر، لف ونشر، تکرار لفظی، صنعتِ سوال و جواب اور صنعتِ استفہام وغیرہ۔ بعض غزلیں تو پوری کی پوری استفہامیہ انداز کی ہیں۔ مثلاً

صلاح کار کجا و من خراب کجا
بیں تفاوتِ رہ کجاست تا بکجا

گر من از باغ تو یک میوہ بچینم چہ شود
پیش پای بچراغ تو بینم چہ شود

گدائے کوئے تو از ہشت خلد مستغنی است
اسیرِ بند تو از ہر دو عالم آزاد است (تضاد)

احرام چہ بندیم کہ آن قبلہ نہ اینجاست
در سعی چہ کوشیم کہ از مروصفارفت (مراعات النظیر)

پدرم روضۂ رضواں بدو گندم بفروخت
من چرا ملکِ جہاں را بجوی نفروشم (تلمیح)

کارواں رفت تو در خواب و بیاباں در پیش
کے 'روی ؟ رہ زکہ پرسی ؟ چہ کنی ؟ چوں باشی؟ (استفہام)

سخانماند سخن طے کنم شراب کجاست
بدہ شادی روحِ روانِ حاتم طے (تجنیسِ تام)

تشبیہات واستعارات کے تو وہ بادشاہ ہیں انھوں نے بڑی انوکھی اور نادر تشبیہات استعمال کی ہیں۔ مثلاً

گر خلوتِ مارا شبی از رُخ بفروزی
چوں صبح بر آفاقِ جہاں سر بفرازم

(اگر کسی رات تو ہماری خلوت کو رخ سے روشن کردے تو میں صبح کی طرح آفاق میں سربلند ہو جاؤں)

آن دم کہ بیک خندہ دہم جاں چوں صراحی
مستانِ تو خواہم کہ گزارند نمازم

(جب صراحی کی طرح میں ایک ہی قہقہے میں جان دے دوں تو میری خواہش ہے کہ تیرے مست میری نماز پڑھیں۔)

تنت در جامہ چوں در جام بادہ
دلت در سینہ چوں در سیم آہن

(جامہ میں تیرا جسم ایسا لگتا ہے جیسے جام میں شراب ہو اور سینے میں تیرا دل ایسے ہے جیسے لوہے میں چاندی۔)

اسی طرح حافظ کے استعاروں میں بھی معانی کی بڑی وسعت ہے اس کے ہاں بعض استعارے تو علامتوں اور تلازموں کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان نے ان

استعاروں کی ایک اچھی خاصی فہرست دی ہے جن میں چند ایک کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے۔ (۱۴)

عروس:

عروس کی معصومیت، دوشیزگی اور تازگی کا تصور جو زندگی کی شادابی، بارآوری اور امید پروری کا استعارہ بالکنایہ ہے۔ عروسِ چمن، عروسِ غنچہ، عروسِ ہنر، عروسِ طبع، عروسِ سخن، عروسِ دخترِ رز، عروس بخت اور عروسِ جہاں ــــــ یہ سب استعارے حافظ کے یہاں موجود ہیں۔

می دہ کہ نو عروسِ چمن حدِ حسن یافت
کار این زماں زصنعتِ دلاّلہ میرود
ای عروسِ ہنر از بخت شکایت منما
حجلۂ حسن بیارای کی داماد آمد
حافظ عروسِ طبع مرا جلوہ آروز ہست
آئینہ ندارم از آن آہ میکشم

لشکر:

حافظ کے یہاں لشکر کا استعارہ بھی بطور خاص برتا گیا ہے اور اسی کی مناسبت سے قلب، سلطان، سپاہ، فیل وغیرہ کے الفاظ بھی۔

تا لشکرِ غمت نکند ملکِ دل خراب
جانِ عزیز خود بنوا می فرستمت
اگر غم لشکر انگیزد کہ خونِ عاشقاں ریزد
من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم
یہ پیشِ خیل خیالش کشیدم ابلق چشم
بدان امید کہ آنِ شہسوار باز آید

اس کے علاوہ بھی متعدد استعارات حافظ کے یہاں اپنی معنوی وسعتوں کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ مثلاً خورشید، آتش، شمع، خرمن، لعل، حبشی وغیرہ۔

رمزیت:

حافظ نے جس دور میں شاعری کی وہ سیاسی انتشار و بحران کا دور تھا۔ لہٰذا وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں اس پر صنائع بدائع، تشبیہ اور استعارہ اور علامت کا پردہ ڈال دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے

کہ ان کا کلام پر اسرار ہوگیا ہے۔ اور لوگ اسے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ان کے کلام کی شرح کی ضرورت بھی اسی وجہ سے پیش آئی ہے اور شاید اسی لیے ان کے کلام کو روحانیت کا درجہ بھی حاصل ہے۔ حافظ کا کلام رمزیت سے پر ہے۔ اس میں دروں بینی اور ابہام کو بڑی خوبی سے سمویا گیا ہے۔ یہاں تک کہ جذبہ وتخیل کی سحر آگیں قوتیں بھی بقول یوسف حسین خان اس پر اسراریت میں ضم ہوگئی ہیں۔ اس پر اسراریت اور رمزیت کو کبھی وہ استعاروں اور علامتوں میں پوشیدہ رکھتے ہیں اور کبھی افعال میں۔ یعنی حافظ کے کلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ "جمع غائب" کے صیغے سے خاص معنی آفرینی کا کام لیتے ہیں۔ ان کی اکثر غزلوں میں "جمع غائب" کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً کنند، دہند، زدند، نیشانند، گیرند، رہند وغیرہ۔ ان کے "شاخِ نباتم دادند" کے معنوں میں غلط فہمی کے امکانات بھی اسی رمزیت کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ غرضیکہ حافظ کی زندگی جتنی پر اسرار اور سربستہ راز تھی اتنا ہی ان کا کلام بھی ہے۔

روز مرّہ اور محاورہ بندی:

حالانکہ حافظ جذبے، احساس اور فکر کے شاعر ہیں۔ مگر انھوں نے حسنِ زبان کا بھی خیال رکھا ہے۔ اور ان کے کلام میں روزمرّہ اور محاورے بھی کثرت سے استعمال ہوئے ہیں۔ جن سے شعر میں فصاحت پیدا ہوگئی اور مزہ دوچند ہوگیا ہے۔ بقول شبلی انھوں نے جس قدر محاورات اور مصطلحات برتے فارسی شعراء میں سے غالباً کسی نے نہیں برتے اور یہ ان کی قادرالکلامی کی ایک بڑی دلیل ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں اور اندازہ لگایئے کہ حافظ نے وہ وہ محاورے استعمال کیے ہیں جو ان سے پہلے فارسی کے کسی شاعر نے استعمال نہیں کیے۔ اس پر روزمرّہ کا حسن! جس کی ادائیگی کے لیے ایک مخصوص لب ولہجہ درکار ہے۔ جیسے غالب کے اشعار میں ملتا ہے۔

دردِ مندانِ بلا زہر ہلاہل نوشند
قتل این قوم خطا باشد وہاں تا نہ کنی
ناصحم گفت کہ جز غم چہ ہنر دارد عشق
گفتم اے خواجۂ عاقل ہنری بہتر ازیں

یہاں "ہاں تا نہ کنی" (یعنی دیکھو کبھی ایسا نہ کرنا) اور "ہنری بہتر ازیں" (یعنی اس سے بڑھ کر کیا ہنر ہوگا) روزمرّہ ہے۔ اور اس سے شعر کا حسن بڑھ گیا ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار محاورے ہیں مثلاً گرد برانگیختن از کسے، وروبروے کس بستن، راہ زدن، ترکِ ملاقات کردن، رباطِ دوزخ، عروسِ ہزار داماد، موسمِ ناموس ونام، خسرو شیریں انداز، چشم آلودہ نظر، شرابِ طرب

ناب، جمشید سلیماں آثار، ملازمتِ عیش، صوفی ملحد شکل، قانونِ شفاوغیرہ کا حسین استعمال ملتا ہے۔

موضوعاتِ شاعری:

تصوف حافظ کا سب سے محبوب موضوع ہے۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ مزاجاً حافظ صوفی تھے۔ اور عام صوفیوں کی طرح اس بات کے قائل تھے کہ دنیا ایک عالمِ موجودات ہے۔ اور اس کا علم ہر کس و ناکس کو نہیں ہوسکتا۔ بندہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے مگر حقیقت ابدی کو جان لینا آسان کام نہیں ہے۔ اس خیال کو انھوں نے اپنے اکثر اشعار میں ظاہر کیا ہے۔ مثلاً

برو اے زاہد خود بیں کہ ز چشم من و تو
راز ایں پردہ نہاں است و نہاں خواہد بود

(چل اے زاہد خود بیں، کہ میری اور تیری دونوں کی نگاہوں سے اس پردے کا راز پوشیدہ ہے اور پوشیدہ رہے گا۔)

نشوی واقفِ یک نکتہ ز اسرار وجود
گر تو سر گشتہ شوی دائرۂ امکاں را

(وجود کے اسرار ایک رمز سے بھی تو واقف نہیں ہوسکتا چاہے تمام عالم کا چکر لگا آئے۔)

انسان جو خود اپنی ذات ہی کی حقیقت سے آگاہ نہیں وہ کائنات اور خدا کی حقیقت سے کیوں کر آگاہ ہوسکتا ہے۔

عیاں نہ شد کہ چرا آمدم ؟ کجا بودم
دریغ و درد کہ غافل ز کار خویشتنم

(خبر نہیں کہ میں کیوں آیا اور کہاں تھا؟ افسوس کہ اپنے ہی معاملے سے بے خبر ہوں۔)

وجودِ ما معمائیست حافظ
کہ تحقیقش فسونست و فسانہ

(اے حافظ ہمارا وجود ایک معما ہے جس کی حقیقت کا دریافت کرنا افسانہ و فسوں سے کم نہیں۔)

البتہ اس حقیقت کو وہی شخص جان سکتا ہے جو صوفی صافی ہو۔ جس کا دل ریاضت و عبادت سے آئینہ کی طرح صاف ہو۔ محض کتابوں سے یہ علم حاصل نہیں ہوسکتا۔ علم باطن کے لیے تزکیۂ نفس ضروری ہے۔

بشو اوراق اگر ہم درسِ مائی
کہ علمِ عشق در دفتر نہ باشد

(اگر تم تمہارے ہم سبق ہونا چاہتے ہو تو کتابوں کو دھو ڈالو کیونکہ تصوف کا علم کتابوں میں نہیں ہوتا۔)

جو شخص تزکیہ و ریاضت کی راہ سے معرفت کے درجے پر پہنچتا ہے وہی علم باطن کا راز داں ہو جاتا ہے۔

ہر کہ شد محرمِ دل در حریمِ یار نماند
و آنکہ این کار ندانست در انکار نماند

(جو شخص اپنے دل کا راز داں ہو گیا وہ یار کے کوچے میں پہنچ گیا۔ اور جو اس سے واقف نہ ہوا وہ انکار ہی کرتا رہا۔)

مگر وہ جو صاحبانِ معرفت ہوتے ہیں ان میں کاملین یا انبیاء کا درجہ سب سے بلند ہے کہ انھیں ریاضت و تزکیہ کی بھی حاجت نہیں ہوتی۔

سالہا دل طلب جام جم از ما می کرد
آنچہ خود داشت ز بیگانہ تمنا می کرد
سرِ خدا کہ زاہد و سالک بہ کس نگفت
در حیر تم کہ بادہ فروش از کجا شنید

پس لازم ہے کہ دل کا گرد و غبار نکال کر اسے پاک و صاف کر دیا جائے۔

گرہ ز دل بکشا و زسپہر یاد مکن
کہ فکر ہیچ مہندس چنین گرہ نکشاد

(اپنے دل کی گرہ کھولو اور آسمانوں کا ذکر نہ چھیڑو۔ کیوں کہ کسی مہندس کی فکر اس گرہ کو نہیں کھول سکتی ہے۔)

اس تصوف سے وہ سوتے پھوٹتے ہیں جنھیں عشق، حسن، عظمتِ انسان اور انسان دوستی کہتے ہیں جن کا ذکر حافظ کے کلام میں جا بجا موجود ہے۔

اسی لیے سیّد اشرف جہانگیر سمنانی نے متعدد جگہ حافظ کے لیے "بے چارہ مجذوب شیرازی" کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور ان کی غزلوں کو "گنجینۂ معرفت" بتلایا ہے۔ اور آج بھی محفلِ سماع میں حافظ کا کلام صوفیوں اور قلندروں کو وجد پر مجبور کر دیتا ہے۔

عشق:

حافظ کے یہاں حسن و عشق دراصل زندگی کی علامتیں ہیں۔ جن کے ذریعے وہ حیات

وکائنات کے نہ جانے کتنے سربستہ رازوں پر سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ گویا عشق ہی وہ حقیقت ہے کہ ''جس کے تانے بانے سے ذات اپنی قبائے صفات بناتی ہے۔ کائنات کے حسن کی قدر افزائی عشق ہی کی بدولت ممکن ہے'' لہٰذا حافظ کے یہاں عشق کے دونمایاں رنگ ملتے ہیں ایک عشقِ حقیقی اوردوسرا عشقِ مجازی۔

حافظ اس خیال کے حامی ہیں کہ ذاتِ باری تعالیٰ ہی حقیقتِ مطلق اور حسنِ مطلق ہے۔ جو تمام کائنات میں جاری وساری ہے۔ یوں پرتو حسنِ الہٰی سے ہی یہ دنیا منور ہے اور اسی حسن سے عشق پیدا ہوتا ہے۔

در ازل پرتو حسنت ز تجلّی دم زد
عشق پیدا شد و آتش به همه عالم زد

جلوه ای کرد رُخت دید ملک عشق نداشت
عین آتش شد ازیں غیرت و بر آدم زد

عقل میخو است کز آن شعله چراغ افروزد
برق غیرت بدرخشید و جهان برهم زد

مدّعی خواست که آید به تماشا گهٔ راز
دستِ غیب آمد و بر سینهٔ نامحرم شد

(روزِ ازل تیرے حسن کے پرتو نے ظہور کا دم بھرا اس سے عشق پیدا ہوا اور اس نے سارے عالم میں آگ لگادی۔ محبوب کے رخ نے ظہور کیا، فرشتے نے دیکھا مگر اسے عشق نہ ہوا۔ پس معشوق کو غیرت آئی اور آتشِ عشق کو اس نے آدم پر مسلّط کر دیا۔ مدّعی (یعنی جھوٹے عاشق یا رقیب) نے چاہا کہ اس تماشا گاہِ راز تک پہنچے مگر ایک غیبی ہاتھ آیا اور اس نامحرم کے سینے پر پڑا۔ عقل بھی عشق حاصل کرنا چاہتی تھی لیکن عشق نے تمام جہان کو درہم برہم کر دیا تا کہ اس کی مداخلت نہ ہو سکے۔)

قلب حافظ اسی آتش عشق سے سوزاں وتپاں ہے۔ وہ اپنے آپ کو بندۂ عشق، طائرِ گلشنِ قدس اور فرشتہ کہتے ہیں۔ اور یوں دعویٰ کرتے ہیں۔

فاش میگویم و از گفتهٔ خود دلشادم
بندهٔ عشقم و از هر دو جهان آزادم

طائرِ گلشنِ قدسم چہ دہم شرحِ فراق
کہ درین دامگہ حادثہ چون افتادم
من ملک بودم و فردوس برینِ جایم بود
آدم آورد درین دیر خراب آبادم

حافظ کے نزدیک راہِ عشق بڑی پر خطر ہے اس کا نہ کوئی کنارہ ہے نہ منزل۔ اس میں وہی لوگ قدم رکھ سکتے ہیں جو کانٹوں اور دشواریوں سے نہیں گھبراتے بلکہ سرفروشی کی ہمت رکھتے ہیں۔

راہیست راہِ عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
آنجا جز ایں کہ جاں بہ سپارند، چارہ نیست
طریقِ عشق پر آشوب و آفت است ای دل
بیفتد آنکہ درین راہ بشتاب رود
تو خستہ ای نشود عشق را کرا نہ پدید
تبارک اللہ ازیں رہ کہ نیست پایانش
بہ کوی عشق منہ بی دلیل راہِ قدم
کہ گم شد آنکہ دریں رہ بہ رہبری نہ رسید
نہ مشکلاتِ طریقت عناں تاب ای دل
کہ مردِ عشق نیندیشد از نشیب و فراز

بظاہر تو عشق بڑا آسان نظر آتا ہے لیکن حقیقتاً اس راہ میں بڑی مشکلیں ہیں اسی لیے وہ گھبرا کر ساقی کو پکارتے ہیں۔

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و نا ولہا
کہ عشق آساں نمود اوّل ولی افتاد مشکلہا

اور تب اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ

عشق بازی کارِ بازی نیست ای دل سر بباز
ورنہ گوی عشق نتواں زد بہ چوگان ہوس

یعنی ہوس کی چوگان سے عشق کی گیند کو نہیں کھیلا جا سکتا۔ یہاں تو سر کی بازی لگانی پڑتی ہے۔ یہاں چوں چرا کی گنجائش نہیں کہتے ہیں۔

در حریم عشق نتواں دم زد از گفت و شنید
گرچہ آنجا جملہ اعضا چشم باید بود گوش

حافظ عشق کو انسانی سرشت کا سب سے بیش بہا جوہر خیال کرتے ہیں اور اس پیکرِ خاکی کی تعمیر میں عشق ہی کو وہ عنصر مانتے ہیں جو آدم میں اخلاقی اور روحانی بلندی پیدا کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

دوش دیدم کہ ملائک درِ میخانہ زدند
گلِ آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند

(کل میں نے دیکھا کہ فرشتے میخانۂ عشق کا دروازہ کھٹکھٹا رہے تھے اور وہاں وہ آدم کی مٹی گوندھ کر اس سے جامِ شراب بنا رہے تھے۔)

اس عشق حقیقی کا سلسلہ عشق مجازی سے ملتا ہے۔ حافظ کی شاعری جن انسانی تجرباتِ و احساسات کی ترجمانی کرتی ہے۔ ان میں دراصل جذبۂ عشق کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ حافظ فطرتاً حسن و جمال سے کیف و نشاط کشید کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک معشوق کا سراپا ان کی تمام غزلوں میں چلتا پھرتا دکھائی دیتا ہے۔ کبھی وہ اس کے لبِ لعلیں کی شیرینی پہ جان دیتے ہیں۔ کبھی اس کے زلف و گیسو میں گرفتار ہونے کی خواہش کرتے ہیں۔ کبھی اس کے خالِ ہندو پہ سمرقند و بخارا کو وار دیتے ہیں۔ کبھی اس کے چاہِ زنخداں میں ان کا دل ڈوب جانے کو چاہتا ہے۔ کبھی اس کے چشمِ فسوں گر سے محسور ہوتے ہیں۔ کبھی اس کے طاق ابرو کے نیچے نمازِ عشق ادا کرنا چاہتے ہیں۔ کبھی شعلۂ رفتار میں جل جانے کی تمنا کرتے ہیں۔ کبھی اس کی غنچہ دہنی سے طبیعت کو شگفتہ بناتے ہیں اور کبھی اس کے سرو قامت کی طویل داستان سناتے ہیں۔ غرضیکہ ایک معشوقِ مجازی حافظ کی غزلوں میں صاف دیکھا اور پہچانا جا سکتا ہے۔ درج ذیل اشعار اس کی ایک تصویر پڑھنے والے کے سامنے پیش کرتے ہیں چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

لبِ لعلیں:

آب و آتش بہم آمیختۂ از لب لعل
چشمِ بد دور کہ بس شعبدہ باز آمدۂ

زلف و گیسو:

دلِ مستمند مارا بشکنجِ زلف بُردی
مشکن دلِ ضعیفم بنواز این گدارا

(ہمارے حاجت مند دل کو تو زلف کے شکنجے میں قید کر کے لے گیا اب ہمارے کم زور دل کو نہ توڑ، اس فقیر کو نواز دے۔)

چاہِ زنخداں:

درخمِ زلفِ تو آویخت دل از چاہِ زنخ
آہ کز چاہ بروں آمد و دردم افتاد

(ٹھوڑی کے کنوئیں سے نکل کر دل تیری زلفوں میں لٹک گیا۔ آہ (بے چارہ) کنوئیں سے نکلا تو جال میں پھنس گیا۔)

چشم:

در چشمِ پُر خمارِ تو پنہاں فسون سحر
در زلفِ بے قرار تو پیدا قرارِ حسن

(تیری پُر خمار آنکھوں میں ایک جادو چھپا ہوا ہے اور تیری بے قرار زلفوں میں حسن کو قرار حاصل ہے۔)

یہ اسی معشوق کے عشق کا نتیجہ ہے کہ حافظ اپنے آپ کو کبھی بوڑھا نہیں محسوس کرتے ہیں بلکہ اس کی یاد سے اپنی 'پیری' کو بھی جوانی میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتواں شدم
ہر گہ کہ یاد روی تو کردم جواں شدم

اس عشقِ مجازی میں ہوس کا دور تک کوئی نام ونشان نہیں۔ حافظ کی طبیعت مجازی حسن سے بھی ایک روحانی کشف کرتی ہے۔ ان کی نظر پاک باز ہے۔ اسی لیے ان کا عشق دنیاداری اور ہوس گیری کی آلائشوں سے پاک ہے۔

آشنایانِ رہِ عشق دریں بحرِ عمیق
غرقہ گشتند و نگشتند بہ آب آلودہ

(راہِ عشق کے آشنا اس گہرے سمندر میں ڈوبتے ہیں مگر پانی سے اپنے بدن کو آلودہ نہیں کرتے۔)

شاید اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ حافظ کو دنیا کے تمام حسینوں میں اسی حسنِ ازلی کا عکس نظر آتا ہے۔ اور صرف حسینوں تک ہی محدود نہیں، ان کے نزدیک تو تمام مظاہر و فطرت فی الحقیقت حسنِ ازلی اور حقیقت ابدی کا ہی پرتو ہیں۔ اس لیے تمام مخلوقِ خدا سے محبت دراصل اللہ ہی سے محبت کرنے کے مترادف ہے۔ اس لیے یہ دنیاوی عشق انھیں بنی نوعِ انسان سے محبت تک لے جاتا ہے۔ اور وہ خانقاہ وخرابات کی تفریق سے اونچے ہو جاتے ہیں۔

در عشق خانقاہ و خرابات شرط نیست
ہر جا کہ ہست ، پرتو روی حبیب است

غرضیکہ کے حافظ کے نزدیک خدا عشق اور عشق خدا ہے۔

حسن:

عشق ہی کی طرح حافظ کی نظر میں حسن بھی ایک طاقت ہے۔ ایک توانائی ہے۔ اور روح کی پاکیزگی کی دوسری شکل ہے۔ عشق حسن ہی کے توسط سے حیات و کائنات کے راز افشاں کرتا ہے۔ جس طرح حافظ کے یہاں عشق کے دو رنگ ملتے ہیں۔ عشقِ حقیقی اور عشق مجازی۔ اسی طرح حسن کے بھی دو رنگ ملتے ہیں۔ حسنِ ازلی اور حسنِ مجازی۔ وہ انسانی حسن میں حسنِ ازلی کا مشاہدہ کرتے ہیں اور حسنِ ازلی کا پرتو حسنِ مجازی میں پاتے ہیں۔ بلکہ کبھی کبھی تو انھیں حسن مجازی اور حسنِ ازلی ایک ہی ذات کے نقش و نگار معلوم ہوتے ہیں۔

ایں ہمہ عکس و می و نقشِ نگاریں کہ نمود
یک فروغِ رخِ ساقیست کہ در جام افتد

حافظ کے نزدیک حسن محض تناسب اعضاء کا نام نہیں بلکہ کوئی ایسی ادا یا خصوصیت کا نام ہے جس پر عاشق کا دل جان دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ شاید کوئی آن۔

شاہد آں نیست کہ موی و میانی دارد
بندۂ طلعت آں باش کہ آنی دارد

محض زلف ولب ور خسار کو حسن نہیں کہتے بلکہ۔

لطیفہ ایست نہانی کہ عشق ازو خیزد
کہ نام آں نہ لب لعل و خط ز نگاریست

(ایک لطیفۂ نہانی کہ جس سے عشق سر اٹھاتا ہے۔ اس کا نام لب لعلیں ہے نہ خط زنگاری)

حافظ حسن میں ظاہری خوبیاں ہی نہیں بلکہ معنوی خوبیاں دیکھنا چاہتے تھے۔ محبوب ان کے نزدیک حسنِ جسمانی ہی نہیں حسنِ روحانی بھی رکھتا ہے۔ یعنی خلق اس کی سب سے بڑی پہچان ہے۔ جس سے وہ سارے جہاں کو شکار کر لیتا ہے۔

بخلق و لطف تواں کرد صید اہلِ نظر
بدام و دانہ نگیرند مرغِ دانا را

(اہلِ نظر کو حسنِ اخلاق اور لطف سے اسیر کیا جا سکتا ہے ایک مرغِ دانا کے لیے دانہ و

دام نہیں بچھائے جاتے۔)

حافظ عام صوفیوں کی طرح وحدتِ وجود کے قائل نہیں۔ اس طرح عاشق اور معشوق یعنی شاہد و مشہود ایک ہی ہوتے ہیں لہٰذا 'مشاہدہ' کسی حساب میں نہیں آتا۔ کیونکہ اگر عاشق خود ہی معشوق بن جائے تو عشق بے معنی ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی مقصد باقی نہیں رہتا۔ نہ ہی اس میں کوئی تڑپ، کوئی جستجو، کوئی طلب، کوئی آرزو باقی رہتی ہے۔ لہٰذا حافظ عاشق و معشوق دونوں میں ایک امتیازی فرق پاتے ہیں۔

میانِ عاشق و معشوق فرق بسیار است
چو یار ناز نماید شما نیاز کنید

(عاشق اور معشوق کے درمیان بہت فرق ہوتا ہے لہٰذا جب معشوق ناز دکھائے تو آپ نیاز مندی سے کام لیں۔)

اسی لیے ہجر و وصال حافظ کے ہاں "جداگانہ لذتے دارد"

حافظ شکایت از غمِ ہجراں چہ می کنی
در ہجر وصل باشد و در ظلمتست نور

(حافظ غمِ ہجر کی شکایت کیوں کرتے ہو، ہجر ہی میں وصل پوشیدہ ہے (جس طرح ظلمت میں نور۔)

یوں حافظ مجاز میں حقیقت کا عکس دیکھتے ہیں اور حقیقت میں مجاز کا عکس۔ ظاہری صوفی اس باریک نکتہ کو سمجھ نہیں سکتے اور حافظ پر اعتراض کرتے ہیں تو انھیں تنبیہہ کرتے ہیں۔

دوستاں عیب نظر بازی حافظ مکنید
کہ من اورا ز محبانِ خدا می بینم

ان کا خیال ہے کہ حسنِ یار بالکل بے نقاب اور بے پردہ ہے۔ راستے سے غبار صاف کردو، نظر آنے لگے گا۔ فرماتے ہیں۔

جمالِ یار ندارد نقاب و پردہ ولے
غبارِ رہ بنشاں تا نظر توانی کرد

عظمتِ انسان:

حافظ کا کلام عظمتِ انسانی کا قصیدہ ہے چونکہ وہ تصوف کے اس عقیدے پر یقین رکھتے ہیں کہ روزِ ازل اللہ نے تمام مخلوقات میں سے انسان ہی کو اپنے بارِ امانت سے سرفراز کیا۔ اس اعتبار سے انسان تمام کائنات میں افضل ترین مخلوق ہے۔ اور یہ عظمت اسے عشق و محبت کے

جذبے نے عطا کی ہے۔ انسانی تخلیق کے ساتھ ہی عشق پیدا ہوا۔ اور حسنِ مطلق کی خواہش تھی کہ انسان کے قلب میں عشق کی چنگاری موجود رہے کیوں کہ فرشتوں میں یہ صلاحیت نہ تھی، پس انسان ہی کو اس کے لیے منتخب کیا گیا۔ حافظ اس پر ناز کرتے ہیں۔

آسماں بارِ امانت نتواند بہ کشد
قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

عاشقاں را گر در آتش مہ پسند و لطفِ دوست
تنگ چشمم گر نظر در چشمۂ کوثر کنم

توئی آں گوہرِ پاکیزہ کہ در عالمِ قدس
ذکرِ خیرِ تو بود حاصلِ تسبیحِ ملک

فرشتہ عشق نداند کہ چیست ای ساقی!
بخواہ جام و گلابی بخاکِ آدم ریز

حافظ اس 'عہد الست' اور 'روزِ الست' کو بار بار یاد کرتے ہیں تا کہ بار بار عظمتِ انسانی کا احساس دلایا جا سکے۔ اور اس حقیقت کا اعادہ کیا جا سکے کہ عشق ہی نے انسان کو عظمت عطا کی ہے اور اسے فرشتوں کا مسجود بنایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

بر درِ میخانۂ عشق اے ملک تسبیح بگو
کاندر آنجا طینتِ آدم مخمّر می کنند

(اے فرشتہ! عشق کے مے خانے کے دروازے پر بیٹھ کر تسبیح پڑھ کیوں کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں آدم کا خمیر تیار کیا جاتا ہے۔)

عشق کی وہ آگ ہے جس میں تپ کر انسان خالص کندن بن جاتا ہے۔ اور یہ کام جو فرشتے نہیں کر سکتے۔ دنیا کی کوئی مخلوق نہیں کر سکی۔ ملاحظہ ہو

جلوۂ کرد رُخش دید ملک عشق نداد
عین آتش شدازیں غیرت و بر آدم زد

(اس کے چہرے نے جلوہ دکھایا۔ دیکھا کہ فرشتے میں عشق نہیں ہے۔ اس غیرت سے آگ کا شعلہ بن کر آدم میں لگ گیا۔)

عظمتِ انسانی کی یہ منزل بہت کڑی ہے۔ عشق کی راہ میں سر دے کر ہی انسان، انسان بنتا ہے۔

جنابِ عشق را در گہ بسے بالاتر از عقل است
کسے آں آستاں بوسد کہ جاں در آستیں دارد

(عشق کے سرکار کی بارگاہ عقل سے بہت بلند ہے۔ وہی شخص اس کی آستان بوسی کر سکتا ہے کہ جو جان ہتھیلی پر رکھ لے۔)

یہ عشق ہی ہے جو انسان کو روح کی اس بلندی پر لے جاتا ہے، جہاں فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں۔ یہ مادّی دنیا اس کی منزل نہیں۔ چنانچہ انسان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

بال بکشا و صفیر از شجرِ طوبیٰ زن
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیرِ قفسی

(پر کھول اور طوبیٰ کے درخت پر جا کر چہچہا۔ افسوس کہ تجھ جیسی چڑیا پنجرے میں قید رہے۔)

ایک اور جگہ کہتے ہیں۔

تو کز سرائے طبیعت نمی روی بیروں
کجا بکوئے حقیقت گذر توانی کرد

(تو اپنے طبعی جذبات کے دائرے سے تو باہر نکلتا ہی نہیں، پھر بھلا حقیقت کے کوچہ میں تیرا گزر کیوں کر ہو۔)

یہی وجہ ہے کہ حافظ کے ہاں آدم و فرشتہ، مخصوص موضوع کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ وہ ایک طرف عالمِ قدس، روضۂ رضواں اور باغِ جناں کا ذکر کرتے ہیں تو دوسری طرف اس خاک دانِ تیرہ کا تذکرہ کیے بغیر نہیں رہتے۔ جس کی جلوہ سامانیوں اور دل فریبیوں نے آدم کو بہشت سے دنیا میں آنے کی ترغیب دلائی۔ اور حضرتِ آدم کی اس لغزش کے متعلق فرماتے ہیں۔

من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود
آدم آورد دریں دیر خراب آبادم

آدم کے اس دنیا میں آنے کو وہ "دامگۂ حادثہ" کی خوب صورت ترکیب سے واضح کرتے ہیں۔

طائرِ گلشن قدسم، چہ دہم شرحِ فراق
کہ دریں دامگۂ حادثہ چوں افتادم

(میں مقدس گلشن کا پرندہ ہوں، اپنی جدائی کا حال کیا بیان کروں کہ اس دام گاہِ حادثہ میں، میں کس طرح پھنس گیا ہوں۔)

حافظؔ انسان کی عظمت اس بات سے ظاہر کرتے ہیں کہ ساری کائنات کا کاروبار اب اس کے ہاتھوں میں ہے۔ جنت سے آنے کے بعد وہ اتنا مصروف ہو چکا ہے کہ اس کے پاس اتنی فرصت نہیں کہ وہ عالم علوی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔

چگو نہ طوف کنم در فضای عالمِ قدس
کہ در سراچۂ ترکیب تختہ بند تنم

(میں عالمِ قدس کی فضا میں کس طرح گھوموں؟ جب کہ ترکیب کی سرائے میں جسم سے میری تختہ بندی کر دی گئی ہے۔)

اسی خیال کی توسیع کرتے ہوئے اقبالؔ نے لکھا تھا۔

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

انسان دوستی:

عظمتِ انسان کے اس احساس سے حافظؔ کے ہاں انسان دوستی کا جذبہ پرورش پاتا ہے۔ یعنی جب انسان تمام محرکات و کائنات کا امین ہے تو انسان کا احترام اور اس سے محبت لازمی ہو جاتی ہے۔ یوں بھی جب تمام خلائق ذاتِ الٰہی کی ہی مظہر ہیں تو خلقِ خدا سے محبت دراصل خدا سے محبت کے مترادف ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حافظ انسان دوستی کے قائل ہی نہیں بلکہ زبردست حامی ہیں۔ وہ اسی کو دونوں جہان میں امن و امان کا باعث سمجھتے ہیں۔

آسائشِ دوگیتی تفسیر ایں دو حرفست
بادوستاں تلطف ، با دشمناں مدارا

حافظؔ ان صوفیا کے ہم مسلک تھے جو بنی نوعِ انسانی کا دل دکھانا کفر اور گناہ گردانتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

قفا خوریم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

(ہم دھکے کھاتے ہیں۔ ملامت سنتے ہیں اور خوش رہتے ہیں۔ کیوں کہ ہمارے مذہب میں کسی سے رنجیدہ ہونا کفر ہے۔)

چناں بزی کہ اگر خاک رہ شوی کس را
غبار خاطرے از رہگذارِ ما نرسد

(اس طرح زندگی بسر کرو کہ اگر تم کسی کے راستے کی خاک بھی بن جاؤ تب بھی تمہارے غبار سے کسی کا دل مکدر نہ ہونے پائے۔)

مباش درپئے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در شریعتِ ماغیر ازیں گناہے نیست

اسی لیے وہ دنیا کے تمام انسانوں کو محبت اور دوستی کا پیغام دیتے ہیں اور نفرت اور دشمنی سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

درختِ دوستی بنشاں کہ کامِ دل ببار آرد
نہالِ دشمنی برکن کہ رنجِ بی شمار آرد

(دوستی کا درخت لگاؤ کہ دل کی مراد کا پھل دے اور دشمنی کا پودا اکھاڑ ڈالو کیوں کہ اس سے بے شمار تکلیفیں پہنچتی ہیں۔)

اخلاقیات:

انسان دوستی کا جذبہ اکثر اخلاقی بلندی اور کردار سازی کا محرک بنتا ہے۔ بغیر اخلاقی بلندی نہ کوئی انسان بن سکتا ہے اور نہ انسان دوست۔ حافظ چونکہ انسان دوست ہیں، اس لیے اخلاقیات پر زور دیتے ہیں۔ اور ان تمام کاموں کو عیب گردانتے ہیں جو انسانیت سے بعید ہیں۔ مثلاً

نزاع برسرِ دنیائے دوں نباید کرد
بآشتی ببر اے نور دیدہ گوئے فلاح

(ذلیل دنیا کے لیے جھگڑنا نہیں چاہیے۔ اے نور چشم، صلح رکھو۔ اسی سے کامیابی کی بازی جیت سکو گے۔)

عیب درویش و تونگر بہ کم و بیش بدست
کارِ بد مصلحت آنست کہ مطلق نکنیم

(امیر و غریب کسی کی بھی عیب گیری کم ہو یا زیادہ بری ہے۔ اور مصلحت یہ ہے کہ برا کام ہم مطلق نہ کریں۔)

مانگوئیم بد و میل بہ ناحق نکنیم
جامۂ کس سیہ و دلقِ خود از رزق نکنیم

(ہم کسی کو برا نہیں کہتے اور ناحق کی طرف میلان نہیں رکھتے۔ کسی کے جامے کو سیاہ اور اپنی گدڑی کو نیلا نہیں بناتے۔)

حافظؔ نیک سیرتی کے حامی ہیں اور دوسروں کے ساتھ نیکی کرنے کے قائل۔ کہتے ہیں۔

بریں رواقِ زبرجد نوشتہ اند بزر
کہ جز نکوئیِ اہلِ کرم نخواہد ماند

(آسمان کے اس سبز ایوان پہ سنہری حرفوں میں لکھا ہوا ہے کہ بجز اہلِ کرم کی نیکی کے اورکوئی چیز باقی نہ رہے گی۔)

اس کے علاوہ بھی حافظؔ نے بہت سی اخلاقی تعلیمات دی ہیں۔ اور مختلف اخلاقی موضوعات پراظہارِ خیال کیا ہےاوران کی تبلیغ کی ہے۔ مثلاً

غرور:

زاہد غرور داشت ، سلامت نہ برد راہ
رند از رہِ نیاز بدار السلام رفت

خود غرضی:

طریقِ کام جستن چیست ترکِ کامِ خود گفتن
کلاہِ سروری ایں است اگر برترک بر دوزی

بحث سے پرھیز:

فرضِ ایزد بگذاریم و بکس بد نکنیم
ور بگویند روانیست نگوئیم رو است

کدورت سے گریز (صفائے قلب):

چوں طہارت نہ بود کعبہ و بت خانہ یکے است
نبود خیر دراں خانہ کہ عصمت نہ بود

بے ادبی کی مذمت:

حافظا علم و ادب ورز کہ در مجلسِ شاہ
ہر کرا نیست ادب ، لائقِ صحبت نہ بود

اللہ کے سوا کسی سے نہ مانگو:

حافظ آبِ رخِ خود بردرِ ہر سفلہ مریز
حاجت آں بہ کہ بر قاضیِ حاجات بریم

جبر و اختیار:

حافظ رضا بقضا کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بندہ لاکھ ہاتھ پاؤں مارے ہوتا وہی ہے جو خدا چاہتا ہے۔ ہم قضاوقدر کو بدل نہیں سکتے۔ جو کچھ روزِ ازل ہماری تقدیر میں لکھ دیا گیا، وہی ہمیں بھگتنا ہے۔

آنچہ سعی است من اندر طلبش بنمودم
ایں قدر ہست کہ تغیر قضا نتواں کرد

بدرد و صاف ترا حکم نیست خوش در کش
کہ ہرچہ ساقیٔ ما کرد عین الطاف است

حافظ اپنے تمام اعمال کا ذمہ دار 'استادِ ازل' کو ٹھہراتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ "استادِ ازل" چاہتا ہے، مجھ سے کرواتا ہے۔ میں گل ہوں ہوں یا خار، سب اس کی وجہ سے ہوں۔ لہٰذا مجھے ذمہ دار نہ ٹھہراؤ۔ پوری پوری غزلیں اسی خیال کی تبلیغ کرتی ہیں۔ مثلاً

بارہا گفتہ ام و بارِ دگر میگویم
کہ من دل شدہ ایں رہ نہ بخود بپویم

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استادِ ازل گفت بگو، میگویم

من اگر خارم و گر گل چمن آرای ہست
کہ ازاں دست کہ او می کشدم میرویم

یا

مکن بنامہ سیاہی ملامتِ من مست
کہ آگہست کہ تقدیر بر سرش چہ نوشت
من ز مسجد بخرابات نہ خود افتادم
ایں ہم از عہد ازل حاصلِ فرجام افتاد

جبر و اختیار کے اسی راستے سے رضا کا مقام آتا ہے۔ جہاں پہنچ کر حافظ سوچتے ہیں۔

گناہ اگرچہ نبود اختیارِ ما حافظ
تو در طریق ادب کوش و گو گناہِ من است

(حالانکہ گناہ ہمارے اختیار میں نہ تھا۔ پھر بھی اے حافظ تو ادب کے طور طریقے اپنا اور کہہ کہ میرا ہی گناہ تھا۔)

مقام رضا اسلامی سلوک کی راہ میں نہایت بلند مقام ہے۔ جہاں انسان کی آرزوئیں اور خواہشیں خدا کی مرضی کا جزو بن جاتی ہے۔ اور سالک وہی چاہتا ہے جو خدا چاہتا ہے۔ وہ ہر حال میں خدا کی مرضی میں راضی رہنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔

در دائرۂ قسمت ما نقطۂ تسلیم
لطف آنچہ تو اندیشی ، حکم آنچہ تو فرمائی

(قسمت کے دائرے میں ہم ایک نقطۂ تسلیم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو تو نے سوچا، وہی لطف ہے اور جو تو نے فرمایا وہی حکم ہے۔)

بیا کہ ہاتف میخانہ دوش بامن گفت
کہ در مقام رضا باش و با قضا مگریز

قناعت و توکّل:

حافظ ایک ایسے صوفی ہیں جو قناعت و توکل ہی کو اپنا شعار سمجھتے ہیں۔ توکل ان کے نزدیک بے عملی و مجبوری کا نام نہیں بلکہ پوری جدو جہد کے بعد نتیجے کو اللہ پر چھوڑ دینا اور اس میں راضی بہ رضا رہنا اصل توکل ہے۔ اور یہی تعلیم وہ دنیا والوں کو بھی دیتے ہیں۔

چو حافظ در قناعت کوش وز دنیائ دوں بگذر
کہ یک جو منّتِ دونان دو صد زر نمی ارزد

(حافظ کی طرح قناعت کر اور اس ذلیل دنیا سے دور رہ۔ اس لیے کہ کمینوں کا ایک جو احسان سو من سونے کے لائق نہیں۔)

ہر آنکہ کنجِ قناعت بگنج دنیا داد
فروخت یوسفِ مصری بکمتری ثمنے

(ہر وہ شخص جو دنیا کی دولت کے بدلے میں کنجِ قناعت کو چھوڑ دیتا ہے۔ وہ گویا یوسفِ مصری کو چند سکوں میں بیچ دیتا ہے)

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم
با بادشہ بگوی کہ روزی مقدر است

(ہم فقر و قناعت کی آبرو کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ بادشاہ سے کہہ دو کہ روزی تو

خدا کی طرف سے مقدر رہے)

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافریست
راہِ رو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

سعی و عمل:

جبر واختیار اور تسلیم ورضا کے قائل ہونے کے باوجود حافظ بے عملی کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ جدو جہد اور سعی وعمل کا پیغام دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں انسان خود اپنے علم سے اپنی تقدیر بناتا ہے۔ اس لیے ہمّت کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے۔ ناکامی جذبوں کی پسپائی کا دوسرا نام ہے۔ ورنہ منزلِ مقصود دور نہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

طالب لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید
ہمچناں در عملِ معدن و کانست ہنوز

ہر چہ ہست از قامتِ ناسازیٔ اندامِ ہست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

اسی لیے وہ کچھ کرتے رہنے کی تعلیم دیتے ہیں۔

ناز پروردہ تنعّم نبرد راہ بدوست
عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد

چو باد از خرمنِ دو نان ربودنِ خوشۂ تاچند
ز ہمّت توشۂ بردار و خود تخمی بکار آخر

صبر کن حافظؔ بسختی روز و شب
عاقبت روزی بیابی کام را

انھیں یقین ہے کہ اگر انسان مسلسل جوجہد اور محنت کرتا رہے تو ایک دن اپنی منزل کو ضرور پالے گا۔ اسی لیے وہ ناامیدی کے قائل نہیں۔ بلکہ امید پرست ہیں۔ اور اسی امید اور صبر کی تلقین کرتے ہیں۔

مکن ز غصہ شکایت کہ در طریقِ طلب
براحتی نہ رسید آنکہ زحمتی نکیشد

گویند سنگ لعل شود در مقامِ صبر
آری شود ولیک بخونِ جگر شود

گلِ مرادِ تو آنگہ نقاب بکشاید
کہ خدمتش چو نسیمِ سحر توانی کرد

سعی وعمل کا یہ جذبہ حافظ کی شاعری میں "تحرک" پیدا کرتا ہے۔ یہ تحرک ان کی پوری شعری فضا پر چھایا ہوا ہے۔ اور ہر جگہ ایک نئے انداز کے ساتھ۔ بقول یوسف حسین خان۔

"بعض جگہ عمل و حرکت کے خیال کو استعاروں میں سمویا ہے۔ کہیں عاشق کو فعال قرار دیا ہے جس کی حوصلہ مندی کے فسوں سے گلشنِ حسن و بہار آجاتی ہے۔ کہیں معشوق کو متحرک ہونے کی دعوت دی ہے تاکہ وہ آکے عاشق کے دل کے خیمے روشن کردے اور دوسرے حسینوں کے لشکروں کو شکست دے کر خود دلوں کا شکار کرنے نکلے۔ کہیں بہار متحرک نظر آئی جو جو دل سے غم کی جڑ کو اکھاڑ پھینکتی ہے ، کہیں بادصبا متحرک حالت میں غنچے تک پہنچتی ہے اور غنچہ آپے سے باہر ہوکر اپنا پیراہن چاک کرڈالتا ہے۔" (حافظ اور اقبال۔ صفحہ:۷۸۔۲۷۷)

خوش باشی:

حافظ اس حقیقت سے واقف تھے کہ یہ دنیا چار روزہ ہے۔ یہاں کی آسائش ایک نہ ایک دن مٹ جانے والی ہے۔ یہ کسی کا تاعمر ساتھ نہیں دیتی۔ لہٰذا زندگی، وقت اور دنیا پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ دنیا انسان کے لیے ضروری ہے مگر انسان دنیا میں رہنے کے لیے نہیں آیا۔ اسے ایک نہ ایک دن یہاں سے جانا ہے۔ اس نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ فنا ہو جانے والا ہے۔ یہ دولت، یہ عیش و آرام ـــــ سب وقتی ہیں۔ دنیا انسان کے لیے ایک سرائے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ آدمی اس میں کچھ دیر ٹھہرتا ہے اور پھر چلا جاتا ہے۔ لہٰذا حافظ کے ہاں دنیا کی بے ثباتی کو قدم قدم پہ اجاگر کیا گیا ہے۔ اور انسان کو اس سے دل نہ لگانے کی تنبیہ ملتی ہے۔ مثلاً

دریں مقامِ مجازی بجز پیالہ مگیر
دریں سراچۂ بازیچہ غیر عشق مباز

بچشم عقل دریں رہگذارِ پُر آشوب
جہان و کارِ جہاں بی ثبات و بی محلست
نہ عمرِ خضر بماند نہ ملکِ اسکندر
نزاع بر سر دنیائے دوں مکن درویش
مجو درستی عہد از جہانِ ست نہاد
کہ ایں مجوزہ عروسِ ہزار داماد است
نہ انقلابِ زمانہ عجب مدار کہ چرخ
ازیں فسانہ ہزاراں ہزار دارد یاد
جمیلہ ایست عروس جہاں ولی ہشدار
کہ ایں مخدّرہ در عقدِ کس نمی آید

ایک پوری غزل ''حاصلِ کارگہ کون و مکاں ایں ہمہ نیست'' دنیا کی بے ثباتی و نا پائداری کے متعلق کہی گئی ہے۔

دنیا کی اس بے ثباتی سے حافظؔ بے عملی کی ترغیب نہیں دیتے بلکہ اس چندروزہ زندگی کو بامعنی اور پرمسرّت بنانے کا درس دیتے ہیں۔ وہ اسے عشق کے ذریعے سے بامعنی بنانا چاہتے ہیں۔ جامِ عشق پی کر بہک جانا ان کے نزدیک زندگی کی حقیقت کو پانے کے مترادف ہے۔

بیا کہ قصرِ امل سخت ست بنیاد ست
بیار بادہ کہ بنیاد عمر بر بادست

ان کا خیال ہے کہ دنیا چار دن کی ہے لہٰذا اس کے بکھیڑوں میں الجھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ساری الجھنوں کو بھول کر ہنسی خوشی زندگی گزاری جائے۔ لہٰذا وہ دعوت دیتے ہیں کہ آؤ غم بھول جائیں اور خوشیوں میں ڈوب جائیں۔ ناچیں۔ کودیں۔ اچھلیں۔ گائیں۔

جائی کہ تخت و مسند جم میرود بباد
گرغم خوریم خوش نبود بہ کہ می خوریم
بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم
چو در دست ست رودے خوش بزن مطرب سرودے خوش
کہ دست افشاں غزل خوانیم و پا کوباں سر اندازیم

رندی و مستی:

یہ خواجہ کی خوش عیش فطرت ہی کا نتیجہ ہے کہ ان کے سارے کلام پر ایک قسم کی رندی و سرمستی چھائی دکھائی دیتی ہے۔ مگر یہ ایسے مست قلندر ہیں جن کے مستانہ پن کا راز کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کوئی اسے روحانی سرمستی قرار دیتا ہے اور کوئی رندی مگر حافظ خود یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ "میں آج کا شرابی نہیں ہوں، روز الست سے مست ہوں۔ میرا خمیر ہی شراب سے بنا ہے۔ میں نے ساقی ازل کے ہاتھوں سے ساغر پیا ہے اور اسی کا نشہ ہے جو آشکار ہے۔ اسی لیے وہ قاضی و محتسب سے ڈرتے ہیں نہ بادشاہ و حاکم کا خوف کھاتے ہیں۔ انھیں تو ننگ و نام کی بھی پرواہ نہیں۔ اور نہ دولت و حشمت کی چاہ ہے۔ ان کے لیے تو سب سے بڑی خوشی یہ ہے کہ ساقی ہو، جام ہو اور موسمِ بہار ہو۔ ان کے دیوان میں بے شمار اشعار اسی رندانہ سرمستی و کیف و سرور کے غماز ہیں۔ کہیں شراب معرفت کا رنگ لیے ہے، کہیں شراب انگور کی ترنگ لیے۔ مثلاً

ساقی ! بنور بادہ بر افروز جامِ ما
مطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکام ما
ما در پیالہ عکسِ رخ یار دیدہ ایم
اے بیخبر ز لذت شرب دوام ما

(اے ساقی شراب کے نور سے میرا ساغر منور کر دے۔ مطرب سے کہہ دے کہ آج تمام دنیا میں میرا قبضہ ہے۔ ہر کام میرے خاطر خواہ ہو رہا ہے۔ میں نے پیالے میں یار کے نورانی چہرے کا عکس دیکھ لیا ہے۔ اے بیخبر! اس مزے کو تو کیا جانے جو دائمی شراب نوشی سے حاصل ہوتا ہے۔)

ساقیا بر خیز و دردہ جام را
خاک برسر کن غم ایام را
گرچہ بدنامی ست نزدِ عاقلاں
ما نمی خواہیم ننگ و نام را

(اے ساقی اٹھ اور شراب کا پیالہ بھر دے۔ دنیا کے رنج و غم کے سر پر خاک ڈال۔ اگرچہ شراب عاقلوں کے نزدیک بدنامی کا باعث ہے مگر ہم سے رند نام و ننگ کے خواہاں نہیں۔)

صوفی ! بیا کہ آئینہ صاف ست جام
تا بنگری صفائے می لالہ فام را
راز درونِ پردہ زرندانِ مست پرس
کیں حال نیست صوفی عالی مقام را

(اے صوفی! ذرا آ کے دیکھ تو کہ جام آئینے کے مانند صاف ہے تا کہ شراب گل رنگ کی صفائی کو دیکھ سکے۔ پوشیدہ راز ہم رندوں سے دریافت کرو کیوں کہ یہ صوفی عالی مقام کے بس کا کام نہیں۔)

ساقی بیار بادہ و با مدّعی بگو
انکار ما مکن کہ چنیں جامِ جم نداشت

خوش وقت رند مست کہ دنیا و آخرت
از دست داد ہیچ غم بیش و کم نداشت

(اے ساقی شراب لا اور مدّعی سے کہہ دے کہ اب تو وہ میرا انکار نہ کرے کیوں کہ آج میرے ہاتھ میں وہ جام ہے جو جمشید کو بھی میسر نہیں تھا۔ دنیا بھر میں اگر کوئی خوش وقت ہے تو وہ رند سرمست ہے کہ دنیا و عقبیٰ کھو کر بھی اسے ذرّہ برابر بھی کم وبیش کی فکر نہیں ہے۔)

حافظ کے ہاں شراب اور مے خانہ دراصل زندگی کی اس مستی اور سرشاری کی علامت ہے جو عشق سے حاصل ہوتی ہے۔

می باش بدہ تامست و خوش دل
بیاراں بر فشانم عمر باقی

حافظ کی یہ مستی عام شرابیوں کی سی مستی نہیں ہے بلکہ عشق کی پیدا کردہ خود گم شدگی ہے اسی مستی کو دیکھکر تو سید شرف الدین جہانگیر سمنانی نے حافظ کو "بے چارہ مجذوب شیرازی" کہا ہے۔ رند شیرازی نہیں۔

اس مستی کے عالم میں کبھی وہ مغ بچہ کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں، کبھی ساقی کے ساتھ اور کبھی پیر کے ساتھ۔ ملاحظہ ہو۔

دوش رفتم بدرِ میکدہ خواب آلودہ
خرقہ تر دامن و سجادہ شراب آلودہ

اس غزل میں وہ مُغ بچہ سے مکالمہ کرتے ہیں۔ جبکہ "سحر گاہاں کہ مخمور شبانہ گرفتم بادہ باچنگ و چغانہ" والی غزل میں وہ ساقی سے محوِ گفتگو ہیں۔

ایک مقطع میں وہ صبا سے مخاطب ہیں اور اس کے ذریعے شیخ جام تک اپنا پیغام پہنچانا چاہتے ہیں۔

حافظ مرید جام جم است ای صبا برو
وز بندہ بندگی برساں شیخ جام را

شیخ جام سے غالباً کسی بزرگ کی طرف اشارہ ہے جو خراسان میں "جم" کے رہنے والے تھے۔ اور جنھوں نے غالباً حافظ سے کہا تھا کہ کسی کے ہاتھ پر بیعت ہو جاؤ انھیں حافظ نے جواب دیا کہ مجھے اپنے دل کا فیض کافی ہے۔(۱۶) ڈاکٹر یوسف حسین خان کے اس خیال سے اختلاف کرتے ہوئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شیخ جام سے حافظ کی مراد جم کے رہنے والے کسی شیخ سے نہیں بلکہ دنیاوی میخانے کے کسی پیر بادہ کش سے بھی ہو سکتی ہے۔ جس نے حافظ کو شراب نوشی کی دعوت دی ہو اور انھوں نے یہ کہہ کے ٹھکرا دی ہو کہ میں آپ کا مرید نہیں بننا چاہتا بلکہ میرے لیے جام جم ہی کافی ہے۔ مطلب وہ دل جس میں، میں ساری کائنات کا نظارہ کر لیتا ہوں یعنی میں روحانی شراب ہی کے مزے میں سرشار ہوں اس دنیاوی شراب کو کیا کروں گا۔ اس طرح حافظ کی رندی کے لیے بھی ایک جواز پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حافظ نے اپنے بعض اشعار میں حضور ﷺ کو پیر مغاں کہہ کے پکارا ہے۔ مثلاً

منم کہ گوشۂ میخانہ خانقاہ منست
دعای پیر مغاں ورد صبح گاہِ منست

پیر ما گفت خطا بر قلم صنع نرفت
آفریں بر نظر پاک خطا پوشش باد

بعض نقادوں کا خیال ہے کہ "پیر مغان" سے حافظ کی مراد دراصل قدیم ایرانی تاریخ کا پیر مغاں تھا۔ بعض پیر مغاں سے ارباب کشف مراد لیتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ حافظ کا پیر خود بھی رند میکش تھا۔

دوش از مسجد سوی میخانہ آمد پیر ما
چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما

ما مریدان رو بسوے کعبہ چون آریم چون
رو بسوئے خانۂ خمار دارد پیر ما

(کل ہمارا پیر مسجد سے روگرداں ہو کر میخانے کی جانب آیا۔ اب تم بتاؤ اے میرے ہم راز دوستو! کہ ہم کیا کریں؟ بھلا اس کے مرید ہو کر کعبے کی طرف کیوں کر منہ کر سکتے ہیں۔ جب ہمارا پیر خود ہی اپنا رخ شراب خانے کی طرف کرتا ہے۔)

حافظ کی شراب جو بھی ہو لیکن یہ حقیقت ہے وہ اس میں سرشار و مست ہیں اور اس مستی

نے ان کی شاعری میں ایک الہامی کیفیت پیدا کردی ہے۔ یوسف حسین خان نے صحیح کہا ہے کہ۔

"حافظ کے کلام کا مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے تو اس کی شراب ، شرابِ شوق و معرفت ھی ٹھہرے گی جس سے مست و بے خود ھوکر وہ راہِ طلب میں آگے بڑھا اور اسے اپنی روحانی زندگی کا سہارا بنایا۔ اس بے خودی کے کیف میں وہ راہِ عشق کی ساری دشواریوں سے بے پروا ھے جو سالك کے لیے سنگِ راہ ھوتی ھیں۔ اس بے خودی کے عالم میں وہ ساقی سے طلبِ مے کرتا ھے اسی کی بدولت اسے امید ھے ھنگامۂ رستا خیز میں وہ سلامتی کی منزل تك پھنچ جائے گا۔ اس کے یھاں شراب علامتی استعارہ ھے جسے وہ طرح طرح سے برتتا ھے۔ اس کا عقیدہ ھے که اس کے بغیر نہ عرفانِ ذات ممکن ھے اور نہ معرفتِ حق۔"(۱۷)

بدیں شکرانہ می بوسم لب جام
کہ کرد آگہ ز رازِ روزگارم
در مذہب ما بادہ حلالست و لیکن
بی روی تو ای سرو گلندام حرامست

حافظ دنیاوی شراب کے منکر نہیں بلکہ ایسا لگتا ہے کہ وہ اس لذّت سے بھی آشنا تھے اور کبھی کبھی کام و دہن کو اس سے بھی خوش کرتے تھے۔ مگر اس کی برائیوں سے بھی غافل نہ تھے۔ اس لیے اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ۔

عروس بس خوشی ایں دختر رز
ولی گہ گہ سزاوارِ طلاقی

(دختر رز حسین دلہن سہی، لیکن کبھی کبھی اسے طلاق دے دینا چاہیے)

دیوان حافظ مرتبہ رضا جلالی و دکتر نذیر احمد میں حافظ کی مستی کی یوں وضاحت کی گئی ہے۔

"حافظ مستی عشق را مستی ممدوح و مستی نلشی از آبِ انگور را مستی مذموم دانستہ ، زیرا مستی عشق در واقع استغراق در ذات و فنا فی اللہ بلشد و چنینِ مستی نزد اھلِ طریقت پسندیدہ است۔ ولی مستی حاصل از ، آب انگور ، مستی ناپسندیدہ حیوانی و مردود اھل نظر و

شریعت است۔ و ازیزوخواجه آن را رد میکند" (مقدمہ، صفحہ ۱۷ ہندہ)

ای کہ دایم بہ خویش مغروری
گر ترا عشق نیست معذوری
مستی عشق نیست در سر تو
رو کہ تو مست آب انگوری

علماء واعظین کی پردہ داری:

حافظ نے ایک عمر زہد و ورع میں گزاری۔ مگر اس نے علماء و واعظین کے مکر وریا کے وہ منظر دیکھے کہ انھیں زہد سے نفرت سی ہوگئی۔ وہ ظاہر پرست عبادت کے سخت مخالف ہیں جوان کے عہد میں عام ہوگئی تھی۔ چونکہ اسی سماج میں علماء کو زبردست اہمیت حاصل تھی لہٰذا تمام ہوس پرست اور زر پرست افراد علم کے سہارے پر زہد فروشی کا کاروبار کر رہے تھے۔ حافظ اپنے عہد کے ایسے ظاہر پرستوں پر زبردست طنز کرتے ہیں۔ اور ان کی قلعی کھول کے رکھ دیتے ہیں۔ مثلاً

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند
چون بخلوت میروند آن کارِ دیگر میکنند

مشکلے دارم زدانش مندِ محفل باز پرس
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند

غلامِ ہمت دردی کشانِ یک رنگم
نہ آن گروہ کہ ارزق لباس، دل سیہ اند

وہ ایسے ظاہر پرست علمائے سو سے ان رندوں کو بہتر خیال کرتے ہیں جن کے ہاں روریا نہیں ہے۔

بادہ نوشی کہ درو ہیچ ریای نبود
بہتر از زہد فروشیِ کہ درو روی ریا
می خور کہ شیخ و حافظ و قاضی و محتسب
چوں نیک بنگری ہمہ تزویر میکنند

کبھی کبھی وہ ان علمائے بے عمل کو دیکھ کر اپنی بے عملی کے لیے ایک جواز پیدا کر لیتے ہیں۔

نہ من زبی عملی در جہان ملولم و بس
ملامت علماء ہم ز علم بی عمل است

اسی لیے وہ مدرسہ وخانقاہ سے بے زار نظر آتے ہیں۔ جو مکاری کے اڈے بنے ہوئے ہیں اور اس بے زاری کو شراب نوشی سے دور کرنا چاہتے ہیں۔

دلم ز صومعہ بگرفت و خرقۂ سالوس
کجاست دیر مغان و شرابِ ناب کجا

دلم از صومعہ و صحبت شیخ ست ملول
یار ترسابچہ کو ، خانۂ خمار کجاست؟

حافظؔ کا خیال تھا کہ یہ راہ جو زاہدوں اور ظاہر پرست علماء نے اختیار کی ہے وہ انسان کو زندگی اور خدا یعنی حیات وکائنات دونوں سے دور لے جاتی ہے اور وہ خدا کو بھی نہیں پہچان پاتا۔ نجات کی راہ دراصل خانقاہ سے نہیں میخانے سے ہو کر گزرتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ خود پرستی اور خود غرضی کا نشہ اور زہد کا غرور ہمارے سر میں نہ رہے۔ فرماتے ہیں۔

ز خانقاہ بہ میخانہ می رود حافظؔ
مگر ز مستیِ زہد و ریا بہوش آمد

(حافظ خانقاہ سے خانے کو جا رہا ہے۔ ضرور اب اس کا زہد و ریا کا نشہ اتر گیا ہے اور اسے ہوش آ گیا ہے۔)

غرضیکہ عمر خیام اور سعدی کے بعد حافظؔ وہ شاعر ہیں جنھوں نے اپنے عہد کے مذہبی علماء اور ظاہر پرست زاہدوں اور صوفیوں پر طنز کیا اور اپنے دونوں پیش رووں کے مقابلے میں ان کے طنز میں ایک گہری کاٹ، زہریلی تاثیر اور دلیری اور بے باکی موجود ہے۔ جبکہ عمر خیام اور سعدی کے ہاں معترض لہجہ ضرور ہے مگر کہیں کہیں یہ بات دبی زبان سے کہی گئی ہے۔ البتہ حافظ تو انجام کی بھی نہیں سوچتے اور بے درنگ کہہ اٹھتے ہیں۔

چہ بود گر من و تو چند قدح بادہ خوریم
بادہ از خونِ رز انست نہ از خون شماست

این نہ عیب است کزیں عیب خلل خواہد بود
در بود عیب چہ شد؟ مردم بے عیب کجاست

بادہ می نوش میآزار تو کس را حافظؔ
زانکہ آزردنِ مردم ہمگی عین خطاست

(کیا ہوجائے گا اگر میں اور تو مل کر چند پیالے پی لیں گے۔ شراب انگوروں کا خون ہے۔ تمہارا خون تو نہیں ہے۔ یہ کوئی ایسا عیب نہیں ہے جس سے کوئی خرابی ہوگی اور اگر عیب بھی ہے تو کیا ہوا، بے عیب انسان کہاں ہیں؟ اے حافظ! تو شراب پی۔ اور کسی کو نہ ستا۔ اس لیے کہ انسانوں کو ستانا ہی عین گناہ ہے۔)

اسی لیے وہ رندو سے زیادہ ایسے زاہدوں کو جہنم کا مستحق گرادنتے ہیں۔

نقدِ صوفی نہ ہمہ صافی و بیغش باشد
ای بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

(صوفی کا نقد سب صاف اور بے کھوٹ نہیں ہوگا۔ بہت سی گدڑیاں ہیں جو آگ کے قابل ہوں گی۔)

سماجی انتشار:

حافظ نے اس دور میں زندگی گزاری جہاں معاشرہ زوال پذیر ہو رہا تھا۔ سماج کا ایک طبقہ جس میں امراء حکام اور علماء شامل تھے اپنے آپ کو اعلیٰ و ارفع خیال کرتا تھا اور یہ طاقت ور طبقہ نچلے طبقے کا زبردست استحصال کر رہا تھا۔ مذہبی، معاشی، اور معاشرتی تینوں سطحوں پر سماج کے نچلے طبقے کے ساتھ نا انصافی ہو رہی تھی۔ اہلِ کمال کی ناقدری اور نا اہلوں کی پذیرائی عام تھی۔ حافظ چونکہ خود اہلِ کمال میں سے تھے لہٰذا اس استحصال اور انتشار کو برداشت نہیں کر سکے۔ ان کی غزلوں میں جا بجا اس صورت حال کے اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً

این چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم
ہمہ آفاق پُراز فتنہ و شر می بینم
ہر کسے روز بہی می طلبداز ایام
مشکل اینست کہ ہر روز بتر می بینم
ابلہاں را ہمہ شربت ز گلاب و قند مست
قوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر می بینم
اسپ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالان
طوقِ زریں ہمہ در گردنِ خر می بینم

(زمانے میں یہ کیسا ہنگامہ ہے کہ میں ساری دنیا کو فتنے اور فساد سے بھری ہوئی دیکھتا

ہوں۔ ہر شخص چاہتا ہے تو یہی ہے کہ بہتر دن آئیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ دن بدن حالات بدتر ہوتے جارہے ہیں۔ جو بے وقوف ہیں ان کے لیے تو ہر وقت گلاب اور قند کا شربت مہیا ہے۔ لیکن جو دانا ہیں ان کی غذا صرف خونِ جگر ہے۔ عربی گھوڑا تو پالان کے نیچے زخمی ہو گیا ہے لیکن جتنے گدھے ہیں ان کی گردنوں میں سنہرے طوق ہیں۔)

اس غزل سے نہ صرف حافظ کے سماجی شعور کا احساس ہوتا ہے بلکہ عصرِ حافظؔ کی ایک کرب ناک تصویر بھی ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ حافظ نے اس زوال پذیر معاشرے کے ارباب اقتدار اور حکام و امراء اور عاملین مثلاً قاضی، شحنہ، محتسب وغیرہ کی بداعمالی اور تشدد پسندی کی بھی سخت مذمت کی ہے اور انھیں طنز کا نشانہ بنایا ہے یہاں تک کہ بادشاہوں کو بھی نہیں بخشا ہے۔ مثلاً

شاہ را بہ بود از طاعتِ صد سالۂ زہد
قدرِ یک ساعت عمرے کہ در او داد کند

(بادشہ کے لیے وہ ایک لمحہ جس میں وہ انصاف کرتا ہے اس کی سو سالہ عبادت و ریاضت سے زیادہ قیمتی ہے۔)

امراء پر یوں طنز کرتے ہیں کہ ظاہری طمطراق ہی سرداری کا باعث نہیں ہوتا، خوش اخلاقی بھی ضروری ہے۔

نہ ہر کہ چہرہ برا فروخت دلبری داند
نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند

نہ ہر کہ طرف گلہ کج نہاد تند نشست
کلاہ داری و آئین سروری داند

(ہر وہ شخص جو اپنے چہرے کو چمکاتا ہے، دلبر نہیں ہوتا۔ ہر وہ شخص جو آئینہ بناتا ہے، سکندر نہیں بن سکتا۔ اور وہ شخص جو سر پر ٹیڑھی ٹوپی رکھ کر نکلتا ہے اور اکڑ کر بیٹھتا ہے سردار نہیں کہلا سکتا۔)

محتسب، کوتوال شہر اور قاضیوں کی بداخلاقیوں پر طنز کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بادہ با محتسبِ شہر ننوشی حافظ
کہ خورد بادہ ات و سنگ بجام اندازد

(حافظؔ شہر کے محتسب کے ساتھ شراب مت پی۔ وہ تیری شراب بھی پیتا ہے اور پھر جامِ شراب پر پتھر بھی مارتا ہے۔)

عشرتِ شب گیر کن ، مے نوش کاندر راهِ حافظ
شهروان را آشنائیهاست با میر عسس

(رات کے وقت عیش کرو اور شراب پیو۔اس لیے کہ عشق کی راہ میں رات کے وقت چوروں کی کوتوال کے ساتھ دوستیاں ہیں۔اس لی اس وقت باز پرس کا خطرہ نہیں۔)

حافظ سماج میں فرد کی شخصی آزادی امن اور خوشحالی کے خواہاں ہیں۔مگر ان نااہل ارباب اقتدار کے جور وستم سے ہنر مند طبقہ کچلا اور پسا جا رہا ہے۔باکمال افراد کی قدر و قیمت بالکل نہیں رہی ہے۔اس پر وہ کڑھتے ہیں۔جھنجھلاتے ہیں اور تڑپ کر فریاد کرتے ہیں۔

زاغ چو شرم ندارد کہ نهد پابر گل
بلبلاں را سزد از دامنِ خاری گیرد

ایک پوری غزل ''پدید آمد رسوم بیوفائی ☆ نماند از کس نشانِ آشنائی''
اسی کرب کی تصویر کشی کرتی ہے۔ہنر کی اس کساد بازاری کو دیکھ کر وہ بے بسی سے کہتے ہیں۔

ہنر نمی خرد ایم وغیر از ہم نیست
کجا روم بی تجارت بایں کساد متاع

(زمانہ ہنر کو ہی نہیں خریدتا اور میرے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ایسے مال کو لے کر تجارت کے لیے کہاں جاؤں، جس کی مانگ نہیں ہے؟)

حافظ اس سماجی ڈھانچے کے خلاف آواز اٹھانا چاہتے ہیں۔بغاوت کرنا چاہتے ہیں، انقلاب لانا چاہتے ہیں۔مگر وہ اپنے طبقے کی بے دست و پائی کو دیکھ کر آہ بھر کے رہ جاتے ہیں۔

عقابِ جور کشادہ ست بال در ہمہ شہر
کمانِ گوشہ نشینے و تیر آہے نیست

(ظلم و جود کے عقاب نے شہر میں پر پھیلا دیئے ہیں۔لیکن کوئی گوشہ نشین نہیں جو کسی کمین گاہ میں بیٹھ کر اس پر تیر چلائے۔)

حقیقت تو یہ ہے کہ حافظ نے ایک زبردست سماجی مصلح کا کام کیا۔بہاء الدین خرم شاہی اس ضمن میں رقم طراز ہیں

"صومعه و صومعه نشیناں ، خانقاه و خانقاه نشیناں ، و فر و فر پوشان ، اعم از صوفی و زاهد و شیخ ، و محتسب حتی اگر محتسب یا بادشاه مقتدری چون امیر مبارزالدین بودے و مجلس

وعظ پم آماج طنز و انتقاد هابی طنز آمیزہ حافظ۔
است: صیقل سلاح حافظ درکار وبار انتقاد او اصلاح اجتماعی اش، طنز و است۔"

نشاطِ غم:

حافظ نشاط پرست شاعر ضرور ہے مگر اس کی نشاط پرستی میں صرف عیش کوشی یا خوش باشی نہیں بلکہ اس کی تہ میں غم کا ایک ایسا جذبہ پنہاں ہے جو انسانی روح کو سرشار و مسرور کر دیتا ہے۔ یہی وہ غم ہے جس کے سہارے زندگی آسان ہو جاتی ہے۔ حافظ اس غم کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ اور اسی کو حاصل زندگی خیال کرتے ہیں۔

ناصحم گفت کہ جز غم چہ ہنر دارد عشق
برو ای خواجۂ عاقل ہنری بہتر ازیں

(ناصح نے مجھ سے کہا کہ عشق میں سوائے غم کے اور کیا ہنر ہے؟ میں نے کہا اے عقل مند انسان! یہاں سے چلے جاؤ۔ کیا اس سے بہتر بھی کوئی ہنر ہو سکتا ہے؟)

اسی لیے وہ غم سے لذت پاتے ہیں اور اس میں خوش رہتے ہیں۔ ان کے لیے غم ہی سب سے بڑا عیش ہے۔ یہ احساس ان کے مختلف شعروں میں بکھرا پڑا ہے۔ مثلاً

حافظ آن روز طرب نامۂ عشق تو نوشت
کہ قلم بر سرِ اسباب دلِ خرم زد

لذّتِ داغِ غمت بر دلِ ما باد حرام
اگر از جورِ غم عشق تو دادی طلبیم
دیگراں قرعۂ قسمت ہمہ بر عیش زدند
دل غم دیدۂ مابود کہ ہم بر غم زد

بقول یوسف حسین خان۔ "حافظ نے جان بوجھ کر اپنے غم چھپانے کی کوشش کی اور اسے نشاط زیست کا جزو بنا دیا۔ چونکہ اس کا نشاطِ غم حرکی ہے اس لیے جاں فزا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک تخلیقی فنکار غم کی دھیمی آنچ میں نہیں سلگتا اس کی فنکارانہ شخصیت کے جوہر نہیں نکھرتے۔

در اندروں منِ خستہ دل ندانم کیست
کہ من خموشم و او درفغاں و غوغا است

(دل کے اندر نہ جانے کون ہے۔ میں تو خاموش ہوں مگر وہ مسلسل آہ و فغاں میں مصروف ہے اور شور مچا رہا ہے۔)(۲۰)

امید پرستی:

اس نشاطِ غم سے ثابت ہے کہ حافظؔ آہ و فغاں کا شاعر نہیں۔ اور نہ ہی یاس پرستی کا قائل ہے۔ حافظؔ کے ہاں زندگی کا ایک رجائی پہلو ملتا ہے۔ وہ غموں سے خوشیاں نچوڑتے ہیں۔ ناکامی سے کامیابی کشید کرتے ہیں۔ اور حسرت و یاس سے امید و بیم اگاتے ہیں۔

سجاد ظہیر لکھتے ہیں۔

"حافظؔ زندگی میں غم کے پھلو کو دلوں کو پژ مردہ یا آزردہ کرنے کے مقصد سے نہیں نمایاں کرتے ھیں۔ اس کا غم محبت کے سوز و ساز میں اضافه کرتا ھے۔ اور اس کے ذریعے سے زندگی کی خوبصورتی اور تابلنی جیسے بڑھ جلتی ھے۔"(۲۱)

حافظؔ زندگی کے غموں سے گھبراتے نہیں، ناکامیوں سے پسپا نہیں ہوتے بلکہ عزم و حوصلے سے کام لیتے ہیں۔ اور زندگی کی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ۔

تاصد ہزار خار نمی روید از زمیں
از گلبنے گلے بگلستاں نمی رسید

(جب تک زمین سے سو ہزار کانٹے نہیں اگتے، گلاب کے درخت سے ایک پھول بھی گلستاں تک نہیں پہنچ پاتا) وہ مصائب میں گھر کر زندگی کرنے کا حوصلہ پاتے ہیں۔

در رہِ منزل لیلیٰ کہ خطر ہاست بجاں
شرطِ اوّل قدم اینست کہ مجنوں باشی

(منزل لیلیٰ کی راہ میں جان کو خطرہ ہے اس لیے اس راہ پر چلنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ تم مجنوں بنو۔)

چنانچہ بعض مرتبہ تو وہ پوری کے پوری غزل ہمت و حوصلے کو اپنانے کی تلقین میں کہتے ہیں مثلاً غم مخور والی غزل کے یہ اشعار۔

ہر کہ سرگرداں بعالم رفت و غم خواری نیافت
آخرالامر او بغم خواری رسد، ہاں غم مخور

در بیاباں گر بشوقِ کعبہ خواہی زد قدم
سرزنشہا گر کند خارِ مغیلاں غم مخور
گرچہ منزل بس خطرناکست و مقصد ناپدید
ہیچ راہے نیست کو را نیست پایاں غم مخور

(وہ جو ساری دنیا میں پریشان پھرا اور اس نے غم خوار نہیں پایا۔ آخر اس کی بھی غم خواری ہی ہوگی، تو تو غم نہ کر اگر کعبہ کے شوق میں تو بیاباں طے کرنے کے لیے قدم اٹھاتا ہے اور سخت کانٹے چبھتے ہیں تو غم نہ کر۔ اگرچہ تیری منزل سخت خطرناک ہے اور اس کا خاتمہ نظر نہیں آتا، تو غم نہ کر کہ ایسی کوئی راہ نہیں جس کا اختتام نہ ہو۔)

جانوروں اور پرندوں کا ذکر:

حافظ نے صرف اپنے آس پاس کے ماحول ہی سے استعارے اور علامتیں وضع نہیں کیں بلکہ فطرت کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔ اس کے اکثر شعر ''گل گشتِ مصلی'' اور ''کنارِ آب رکناباد'' کی دین ہیں۔ اور ویسے بھی ایران قدرتی نظاروں اور فطرت کے خوب صورت منظروں سے بھرپور ایک حسین سرزمین ہے۔ یہاں کا موسم گل اپنی جگہ ایک عجب حسن رکھتا ہے۔ اس موسمِ گل کا ذکر حافظ کے اکثر اشعار میں موجود ہے۔ بہارِ چمن نہ جانے کتنے خوبصورت پرندوں کو چہچہانے پر مجبور کرتی ہے۔ حافظ کے ہاں ایسے بے شمار پرندے موجود ہیں جن سے انھوں نے علامت سازی کا کام لیا ہے اور جس سے ان کے کلام مین فلسفیانہ گہرائی اور معنویت پیدا ہوگئی ہے۔ مثلاً

باز، ہد ہد:

بتاجِ ہدہد ازرہ مبر کہ باز سفید
چو باشہ درپی ہر صید مختصر نرود

شاہیں، کبوتر:

مرغِ دل باز ہوادار کماں ابرویست
ای کبوتر نگراں باش کہ شاہیں آمد

کبک:

دیدی آں قہقہۂ کبک خراماں حافظ
کہ ز سر پنجۂ شاہین قضا غافل بود

تدرو:

نہ ہر کو نقش نظمی زد کلاش دل پذیر افتاد
تدرو طرفہ من گیرم کہ چالاکیست شاہ ینم

سیمرغ:

ای مگس حضرتِ سیمرغ نہ جولانگہٗ تست
عرض خود می بری و زحمت ما میداری

بلبل، عندلیب:

سحر بلبل حکایت با صبا کرد
کہ عشقِ گل بما دیدی چہا کرد

زاغ:

برغمِ زاغ سیہ شاہباز سدرہ نشیں
دریں مقرنسِ زنگاری آشیاں گیرد

طوطی:

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند
زین قندِ پارسی کہ بہ بنگالہ میود

ان پرندوں کے علاوہ حافظ نے جانوروں کو بھی علامتوں کے طور پر پیش کیا ہے۔ حافظ کے کلام میں ایسے جانور کا ذکر موجود ہے جو اپنی توانائی قوت اور تیزی کے باعث مشہور ہیں۔ مثلاً

سرخ شیر اور کالاناگ:

رنگِ تزویر پیشِ ما نبود
شیر سُرخیم و افعی سیہیم

اسپ، خر:

اسپ تازی ہمہ مجروح بزیر پالاں
طوقِ زریں ہمہ در گردنِ خرمی بینم

گربہ:

اَیۓ کبکِ خوشخرام کہ خوش میروی بناز
غرّہ مشوکہ گربہٗ عابد نماز کرد

غزال:

صبا بلطف بگو آن غزالِ رعنارا
کہ سر بکوہ و بیابان تو دادہ ای مارا

کلامِ حافظ پر اعتراضات و جوابات:

حافظ کی شخصیت ایک جامع اور ہمہ گیر شخصیت ہونے کے باوجود بھی بڑی متضاد شخصیت رہی ہے۔ ان کی زندگی میں بھی لوگ ان کے مخالف رہے ہیں اور ان کی موت پر بھی ان کی مخالفت کی گئی؛ اور آج بھی حافظ کے حامیوں اور مخالفوں کی کمی نہیں۔ کوئی ان کی ذاتی زندگی کو نشانہ ہدف بناتا ہے۔ اور کوئی ان کے کلام پر تنقید کرتا ہے۔ دراصل حافظ کی شخصیت میں کچھ ایسی پراسراریت اور رمزیت تھی جس کو سمجھنا ہر کس و ناکس کی بات نہ تھی۔ سب سے پہلے جس گروہ نے حافظ کو طنز کا نشانہ بنایا وہ علماء اور واعظین کا گروہ تھا۔ دوسرا گروہ صوفیا کا رہا اور تیسرا گروہ شعراء کا۔ حافظ کے ہاں روحانیت اور ارضیت کا بیک وقت پایا جانا ایک ایسی حقیقت ہے جس سے اعتراض کی کئی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ حافظ ایک طرف عشقِ حقیقی اور شرابِ طہورا کی بات کرتے ہیں تو دوسری طرف عشقِ مجازی اور شرابِ انگوری بھی ان کے پاس نظر آتی ہے۔ اسی لیے اکثر شعراء اور علماء نے ان پر اعتراض کیا۔

ان کے اپنے عہد کے علماء کا اعتراض تو بہر حال ایک جواز رکھتا ہے۔ چونکہ حافظ نے اس دور کے سماجی ڈھانچے کی بہت سی خامیوں کو طنز کا نشانہ بنایا۔ اس میں اصلاح چاہی۔ اربابِ اقتدار، حکام اور امراء پر لعن طعن کی۔ قاضی، محتسب اور کوتوال کی بھداڑائی، عالم بے عمل پر پھبتی کسی۔ حافظ کا یہ رویہ اس دور کے لوگوں کو بھلا کیسے پسند آتا۔ یقیناً ان تمام لوگوں نے جن کو حافظ نے طنز کا نشانہ بنایا تھا، حافظ پر اعتراضات کرنا شروع کیے۔ اور الٹا انھیں پر الزام تراشیاں شروع کر دیں۔ اور حافظ کو بدنام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔

عام طور پر حافظ پر الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ ایک عیش باش آدمی تھے۔ حسن پرست تھے، عورتوں پر نظر رکھتے تھے۔ ،اور جس دربار یا محل میں ان کا آنا جانا تھا وہاں حسینوں سے آنکھیں لڑاتے تھے۔ تعلقات بڑھاتے تھے۔ عشق فرماتے تھے ان کی محبوباؤں میں بازاری حسینائیں بھی شامل تھیں۔ شادی شدہ خواتین بھی اور ترک لولیاں بھی۔ حالانکہ حافظ کی حسن پرستی محض ان کی شاعرانہ فطرت تک محدود تھی۔ ورنہ ان کے جذبۂ حسن پرستی میں بھی ہوس ناکی کی

ایک ذرہ برابر بھی جھلک نہیں پائی جاتی۔ وہ عشق کو "فنِ شریف" کہتے ہیں۔

عشق می ورزم و امید کہ ایں فن شریف
چوں ہنر ہائے دگر موجبِ حرماں نشود

وہ جسمانی ہوس کو محبت کی تکمیل ہرگز خیال نہیں کرتے۔ محبوب کا پالینا ہی عشق کا مقصد نہیں ان کے نزدیک تو بغیر عشق کے وصل کی خواہش کرنا ایسا ہے جیسے بغیر وضو کے طوافِ کعبہ کا احرام باندھنا۔

حافظ ہر آنکہ عشق نوورزید و وصل خواست
احرام طوفِ خانۂ دل بے وضو بہ بست

محبت کی پاکیزگی کا یہ عالم ہے کہ حافظ فرماتے ہیں۔

نماز در خمِ آن ابروانِ محرابی
کسے کند کہ بخونِ جگر طہارت کرد

(اس محرابی ابروؤں کے نیچے وہی نماز ادا کرسکتا ہے جس نے اپنے خونِ جگر سے طہارت کی ہو۔)

حافظ پر عیب لگانے والوں کے جواب میں سجاد ظہیر رقم طراز ہیں۔

"جب ہم کسی شخص کے لیے عیش پرست کی صفت استعمال کرتے ھیں تو ھمارے ذھن میں ایک ایسے متبذل انسان کا تصور پیدا ھوتا ھے جو اپنی دولت یا طاقت کی بناء پر غیر معمولی حالات کے سبب سے اپنی شھوت و ھوس کی جبلّتوں کو بے لگام چھوڑ دیتا ھے۔ ایسے شخص کو نہ تو اپنی اور نہ دوسرے کی انسانی عزّت و شرافت کا احساس ھوتا ھے ۔ وہ دوسروں کے جسم و جان پر ڈاکے مارتا ھے تاکہ اپنے جنسی نفس کو تسکین دے سکے۔ جس عشق و محبت اور جس قسم کی رندی اور عیش کی حافظؒ نے تلقین کی ھے اور جس کے نغمے اس نے گائے ھیں اسے اس قسم کے روحانی اور جسمانی ابتذال اور سفلگی سے دور کابھی تعلق نہیں ھے۔" (۲۲)

اسی لیے تو حافظ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں۔

در نظر بازی ما بیخبراں حیرانند
من چنانم کہ نمایم دگر ایشاں دانند

(میری رندی اوراوباشی کے بارے میں ناواقف لوگ حیران ہیں۔ لیکن میں جیسا نظر آتا ہوں ویسا ہی باطن میں بھی ہوں۔ باقی باتیں وہ (الزام لگانے والے) جانیں۔

دوستاں عیب نظر بازی حافظ مکنید
کہ من اورا ز محبان خدا می بینم

(دوستو! حافظ پر عیش کوشی کا الزام نہ لگاؤ کہ میں اسے محبان خدا میں سے پاتا ہوں۔)

حسن پرستی یا نظر بازی کے علاوہ ایک اور الزام جو حافظ پر لگایا جاتا ہے وہ ہے اس کی رندی، مے خواری اور شراب نوشی۔ یہ بڑا متنازعہ فیہ موضوع ہے حافظ کے شارحین کا ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو اس بات کا زبردست معتقد ہے کہ حافظ کی شراب، شراب معرفت ہے۔ اور ان کے ہاں رندی، مستی، صہبا، جام، سبو، مے خانہ، پیر مغاں، صراحی وغیرہ جتنے الفاظ ملتے ہیں وہ سب صوفیانہ اصطلاحات ہیں۔ اور حافظ سے قبل بھی شعراء نے ایسے استعارات وعلائم کو اپنے روحانی تجربوں کے بیان اور شرح کے لیے برتا ہے لہٰذا اقبال کی طرح حافظ پر یہ الزام لگانا کہ۔

ہوشیار از حافظ صہبا گسار
جالش از زہر اجل سرمایہ دار

کچھ عجب سا لگتا ہے۔ کیونکہ حافظ کی شراب، شرابِ شیراز نہیں بلکہ ایک عجیب مے ہے۔

عجب می داشتم دیشب ز حافظ جام پیمانہ
مگر منعش نمی کردم کہ صوفی وار می آرد

یہ وہ شرابِ روحانی ہے جو قبائے مکر کو پارہ پارہ کر دیتی ہے۔

دل بے بربند تا مردانہ وار
گردنِ سالوس تقویٰ بشکنی

این خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولیٰ
این دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ

حافظ بخود نپوشید ایں خرقۂ مے آلود
اے شیخ پاکدامن معذور دار مارا

حافظ کے ایک زبردست معترض حالی بھی ہیں۔ جن کا خیال ہے۔

" خواجہ حافظ کی غزل کو ممارست و مراولت سے بے شک ابرار و احرار کے دلوں میں دنیا کی بے ثباتی اور توکل و استغنا اور قناعت کا نہایت پختہ خیال پیدا ہوتا ہے اور اوباش و الواط کو بے فکری ، ناعاقبت اندیشی، عشق بازی ، بدنامی و رسوائی کی ترغیب ہوتی ہے اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاں سے پہلی تاثیر بھی ویسی ہی خانہ بر انداز اور خانماں سوز ہے جیسی دوسری۔"(۲۳)

یہی نہیں اس تعلق سے مزید لکھتے ہیں کہ۔

" سب سے زیادہ خواجہ حافظ کی غزلیں مجالس و محافل میں گائی جاتی ہیں اور اس کے مضامین سے اکثر لوگ واقف ہیں۔ وہ ہمیشہ سامعین کو چند باتوں کی ترغیب دیتی ہیں۔ عشق حقیقی کے ساتھ ہی عشق مجازی اور صورت پرستی و کام جوئی کو بھی وہ دین و دنیا کی نعمتوں اور فضیلتوں سے افضل بتاتی ہیں۔ مال و دولت ، علم و ہنر ، نماز و روزہ ، حج ، زکواۃ ، زہد و تقویٰ غرض کے کسی شئے کو نظر بازی و شاہد پرستی کے برابر نہیں ٹھہراتی........اور آوارگی، رسوائی ، بدنامی، بدمستیو بے سرومانی وغیرہ کو جو عشق کی بدولت حاصل ہو تمام حالتوں سے بہتر ظاہر کرتی ہے۔ یہ تمام مضامین ایسے ہیں جو بے فکروں اور نوجوانوں کو ہمیشہ بالطبع مرغوب ہوتے ہیں۔"(۲۴)

حالی کی یہ لے تیز ہو کر ڈاکٹر ظ۔ انصاری کے ہاں اس طرح گونجتی ہے۔

" حافظ نے فرار میں نجات چاہی اور اپنے گرد انہوں نے عیش کوشی اور سکون پسندی کا حصار کھینچ لیا۔"(۲۵)

حافظ اگر فرار میں نجات چاہنے کی کوشش کرتے تو وہ سعی و عمل کی دعوت کبھی نہ دیتے اور اس بات کا اظہار نہ کرتے کہ

نصیحتم چہ کنی ، ناصحا چہ میدانی
کہ من نہ معتقد مردِ عافیت جویم

(اے ناصح تو مجھے کیا نصیحت کرتا ہے اور تو کیا جانتا ہے میں عافیت تلاش کرنے والے شخص کا معتقد نہیں ہوں۔)

بلکہ وہ تو بے دریغ راہِ خطر میں کود پڑنے کی تعلیم دیتے ہیں۔

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں
شرط اوّل قدم ایست کہ مجنوں باشی

در طریقِ عشق بازی امن و آسائش خطا است
ریش باد آن دل کہ با دردِ تو جوید مرہمے

حافظ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسی عبادت کے منکر نہیں بلکہ اسلامی عقائد کے پیرو ہیں لیکن وہ اس عبادت کو مطلق ناپسند کرتے ہیں جس میں کسی قسم لالچ یا عوض کا جذبہ پایا جاتا ہے۔

تو بندگی چو گدایاں بشرطِ مزد مکن
کہ دوست خود روشِ بندہ پروری داند

وہ اس عبادت کو برا سمجھتے ہیں جس میں ظاہری دکھاوا، تصنع اور مکر و فریب ہو۔

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش ولے
دام تزویر مکن چوں دگراں قرآں را

وہ دنیا کی بے ثباتی پر زور دیتے ہیں مگر اس سے سبق حاصل کر کے کچھ کر گزرنے کی دعوت بھی دیتے ہیں۔

حافظ کوئی پیغمبر یا ولی نہ تھے۔ مولوی، ملّا نہ تھے۔ کوئی مافوق الفطرت ہستی نہ تھے۔ وہ ایک انسان تھے اور ان کی سرشت میں آدمیت تھی۔ وہ آدمیت جو غلطیاں کرتی ہے۔ گناہ کرتی ہے، بھول کرتی ہے مگر پھر بھی فرشتوں کی مسجود رہتی ہے۔ حافظ نے یقیناً غلطیاں کی ہوں گی۔ گناہ کیے ہوں گے۔ ان میں وہ برائیاں بھی ہو سکتی ہیں جو معیوب سمجھی جاتی رہی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ رند و مے خوار ہوں۔ اس دنیاوی شراب کی لذّتوں سے آشنا رہے ہوں۔ انھوں نے یقیناً کسی نہ کسی سے محبت کی ہوگی۔ اس عشق میں جنون کی حدوں سے آگے بھی گزر گئے ہوں گے۔ موسم گل میں انھوں نے دھومیں مچائی ہوں گی۔ دنیا کی بے ثباتی دیکھ کر ان کا بھی جی چاہا ہوگا کہ اس دو روزہ

زندگی کو ہنس کھیل کر گزاریں۔ دنیاوی جاہ و منصب نے انھیں بھی کسی کی مدح پر مجبور کیا ہوگا۔ یہ سب کچھ سہی، مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان تمام باتوں کے باوجود حافظ کے اندر کوئی ایسی طاقت ضرور تھی جو عام انسانی طاقت سے ارفع تھی۔ کوئی روحانی بلندی، کوئی الہامی کیفیت، کوئی جذب و سرشاری، کوئی اپنے آپ میں کھو کر کچھ پا لینے کی کامیابی کچھ عرفانِ ذات و رازِ حیات و کائنات کی آگہی۔ جس نے حافظ کو حافظ بنایا۔

تحصیل عشق و رندی آساں نمود اوّل
جانم بسوخت آخر در کسب ایں فضائل

(عشق اور مے نوشی دونوں کام ابتداء میں بڑے آسان لگے لیکن ان کے حاصل کرنے میں ہماری جان جل کر خاک ہوگئی۔)

حافظ کی یہ بدنامی ان کے دور کے علماء زہاد اور صوفیاء کا کارنامہ تھا جن کے مکر کو حافظ نے اپنے کلام میں طنز کا نشانہ بنایا تھا۔ اور وہ برداشت نہیں کر پاتے تھے فرماتے ہیں۔

مارا برندی افسانہ کردند
پیرانِ جاہل ، شیخانِ گمراہ

از قولِ زاہد صد بار توبہ
وز فعلِ صوفی استغفر اللہ

اس میں ان کے ہم عصر شعراء کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جن میں ایک کثیر تعداد ان کی تھی جو حافظ کی بلندی فکر، مقبولیت اور شہرت سے جلتے تھے۔ حافظ نے ان کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور ان پر بھی جو عموماً حافظ کے رنگ میں شعر کہنے کی ناکام خواہش اور کوشش کرتے تھے۔

حسد چہ می بری اے ست نظم بر حافظ
قبولِ خاطر و لطفِ سخن خداداد است

ہچو حافظ بزعمِ مدعیاں
شعرِ رندانہ گفتنم ہوس است

انھیں خواہ مخواہ بدنام کرنے کے اس رویے کو وہ یوں ظاہر کرتے ہیں۔

دلقِ حافظ بچہ ارزد ، بمیش رنگیں کن
وانگہش ست و خراب از سرِ بازار بیار

(یعنی حافظؔ بے چارے کے جامۂ درویشی کی قیمت ہی کیا ہے۔ شراب اس پر انڈیل دو۔ اور جب وہ بڑبڑائے یا برا بھلا کہے تو اسی حالت میں اسے سرِ بازار کھینچ لاؤ اور لوگوں سے کہو کہ وہ شراب پی کر بدمست ہو گیا۔)

اس شعر کا مطلب یہ نہیں کہ حافظؔ شراب نہیں پیتے تھے اور ان کے دشمن انھیں خواہ مخواہ ہی بدنام کرتے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجاز کی طرح یار دوست ان کی باغ و بہار طبیعت کا مزہ لینے کی خاطر انھیں خود ہی پلا دیتے ہوں گے۔ اور پھر ان کی بدمستی اور مے نوشی کی تشہیر کرتے ہوں گے۔ ان کے بعض اشعار تو اس بات کے گواہ ہیں کہ انھوں نے اپنے عہد کے حاکم اور حکام دونوں کے ساتھ بیٹھ کر پی ہے۔ سرِ بزم بھی اور خلوت میں بھی اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی سخت گیر، کٹر مذہب پرست فرماں روا کے باعث انھیں کچھ دنوں کے لیے مے خانوں کے بند دروازے دیکھ کر شراب سے محروم رہنا پڑا ہو اور انھوں نے یہ دعا مانگی ہو کہ۔

درِ میخانہ بہ بستند خدایا مپسند
کہ درِ خانہ تزویر و ریا بکشانید

گیسوئے چنگ ببرّید بمرگِ مے ناب
تا ہمہ مغبچگاں زلفِ دوتا بکشانید

نامۂ تعزیت دخترِ رز بنویسید
تا حریفاں ہمہ خوں از مژہ ہا بکشانید

مولانا حقی جیسے حافظ پرست نے اسے بھی حافظؔ کی ظرافت اور طنز نگاری کا نام دیا ہے انھوں نے حالی اور اقبال کے اعتراضات کا سخت جواب دیا ہے اور حافظؔ کے کلام میں خوش عیشی اور رنگینی کے عناصر کا سیاسی جائزہ لیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"ان کے (حافظؔ) کلام میں آہ درد نہیں۔ یعنی وہ رونا جھینکنا اور قوم کے اقبال کا ماتم نہیں جو اکثر اردو شعراء کی شاعری کا رنگ ہے۔ قوم کا اقبال عہد حافظؔ میں از سرِ نو عروج پر تھا۔ مشرق سے مغرب تک مسلمانوں کا بول بالا اور اسلام کا ڈنکا بج رہا تھا۔ تیمور نے روس کو شمال میں دھونس رکھا تھا۔ ترک وسطِ یورپ میں وائنا کا محاصرہ ڈالے پڑے تھے۔ اسپین میں بھی مسلمان ہنوز براج

رھے تھے۔ خلجیوں اور تغلقوں کے ھمالیہ سے راس کماری تک جھنڈے گڑے ھوئے تھے۔ الغرض مسدسِ حالی لکھنے کا کوئی وقت و موقع نہ تھا۔ آنند کے تار بجانے اور مسرّت کے ترانے گانے کا زمانہ تھا۔ لا محالہ حافظؔ کا دیوان ان ترانوں سے مالامال ھے، رنگین ھے۔ حالی و اقبال جو قوم کے ماتم میں منہ لپیٹے رو رھے ھیں ان کو یہ راگ بے وقت کی راگنیاں محسوس ھوں اور خوشی کے ترانے خوش نہ آئیں تو یہ بھی ایک قدرتی اور واجبی امر ھے۔" (۲۶)

یہ حقیقت بھی ہے کہ کلام حافظ کی رنگینی اور خوش عیشی کو ان کے عہد کی معاشرتی و سیاسی زندگی کے آئینہ ہی دیکھنا چاہیے اس لیے کہ کسی بھی شاعر کا کلام اپنے دور کے حالات کا آئینہ دار ہوتا ہے جس طرح ہندوستان میں ایک ہی عہد میں لکھنؤ کے شعراء خوش باش اور عشرت پرستی کا اظہار کر رہے تھے دبستان دہلی کے شعراء بے ثباتی دنیا اور روحانیت پرستی کی تعلیم دے رہے تھے۔ اور ان دونوں دبستانوں کے مزاج کا یہ نمایاں فرق دونوں علاقوں کے حالات اور ماحول پر مبنی تھا۔ ہم اس سلسلے میں نہ لکھنؤ کے شعراء کو موردِ الزام ٹھہرا سکتے ہیں نہ دہلوی شعراء کی تعریف میں رطب اللسان ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ جیسے ہی لکھنؤ کا سیاسی و معاشی منظر نامہ بدلا وہاں کے غزل گو شعراء کا مزاج بھی بدلا اور صفی، ثاقب، رند، وزیر، جیسے شعراء نے لکھنوی غزل کا رنگ ہی بدل دیا۔ حافظ نے بھی شیراز کی جن فضاؤں میں سانس لی وہ خوش حالی اور عیش پرستی کی فضا تھی۔ باوجود کہ سیاسی اعتبار سے وہاں ایک طوائف الملو کی مچی ہوئی تھی لیکن عوامی زندگی پر اس کے اثرات کم ہی مرتب ہوئے۔ البتہ معاشی یا معاشرتی اعتبار سے اہلِ شیراز کی زندگی میں اس وقت طوفان آیا جب تیمور کا حملہ اور پھر قبضہ ہو گیا۔ اس وقت تک حافظ کا انتقال ہو چکا تھا۔ حافظ شاید کچھ دنوں اور زندہ رہتے تو ممکن تھا تیمور کے عہد کے بعد کے حالات بھی قلم بند کرتے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ حافظ محض خوش عیشی میں مصروف رہے اور اپنے آس پاس ہونے والے واقعات اور بدلتے ہوئے حالات سے چشم پوشی کی۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ایک پوری غزل "ایں چہ شوراست کہ دو دورِ قمری بینم" نہ لکھتے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو حافظ کی یہ غزل بھی "مسدسِ حالی" یا "شکوہ، جواب شکوہ" سے کم نہیں۔ اور حافظ پر یہ الزام ہرگز نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ محض عیش باشی کے شاعر تھے۔ کیونکہ اقبال کی تنقید کا نشانہ اگر مغربی سامراجیت کے طاقت ور دیو تھے تو حافظ کی تنقید کی تلوار اپنے عہد کے مذہبی پیشواؤں پر چل رہی تھی۔ جو اخلاقی پستی اور ریاکاری کا پیکر تھے۔ اقبال سیاسی غلامی سے نجات دلانا چاہتے تھے تو حافظ معاشرتی زندگی کی تطہیر

چاہتے تھے وہ زہد کے مکروفریب کو ایک ''دبلی'' کے روپ میں بھی قبول نہیں کر سکتے تھے تو چہ جائیکہ چلتے پھرتے انسانوں اور عالموں کے روپ میں اسے قبول کر لیتے۔

ہر بڑا شاعر عصری آگہی سے مالا مال ہوتا ہے اپنے عہد کا نقاد بھی اور مصلح بھی۔ حافظ نے بھی یہ کام بڑے دھڑلے سے کیا۔ اس میں وہ بدنام زیادہ ہوئے اور نیک نام کم خود فرماتے ہیں۔

مرا برندی و عشق آں فضول عیب کند
کہ اعتراض بہ اسرارِ علم غیب کند

(مجھ پر رندی اور عشق کا وہی فضول شخص عیب لگاتا ہے جو علم غیب کے رازوں پر اعتراض کرتا ہے۔)

کمالِ صدق و محبت بہیں نہ نقصِ گناہ
کہ ہر کہ بے ہنر افتد نظر بعیب کند

(سچائی اور محبت کے کمال کو دیکھ نہ کہ گناہ کے عیب کو۔ اس لیے کہ جو بے ہنر ہوتا ہے، اسی کی نظر عیب پر پڑتی ہے۔)

حافظ کے ساتھ بھی یہی ہوا، ایسے ہی لوگوں نے ان پر اعتراض کیا جو خود بے ہنر تھے۔ ورنہ وہ جو باہنر تھے آج بھی حافظ کی شان میں رطب اللسان ہیں۔ مثلاً

عرفی:

بگردِ مرقدِ حافظ کہ کعبۂ سخن است
در آمدیم بعزمِ طواف در پرواز

(حافظ کے مزار کے اردگرد جو کہ شاعری کا کعبہ ہے، طواف کے ارادے ہم نے اڑنا شروع کیا۔)

صائب:

رواست صائبؔ اگر نیست ازرہِ دعویٰ
تتبعِ غزلِ خواجہ گرچہ بی ادبی ست

(اے صائب! اگر دعوے سے نہ ہو تو خواجہ کی غزل پر غزل کہنی جائز ہے اگرچہ یہ بھی بے ادبی ہے۔)

سلیم طہرانی:

سلیم معتقدِ نظم خواجہ حافظؔ باش
کہ نشہ بیش بود در شراب شیرازی

کلامِ حافظ کی مقبولیت اور اثر پذیری:

یہ حقیقت ہے کہ حافظ کی زندگی میں ان پر کئی اعتراضات ہوئے۔ کسی نے ان پر عیش پرستی اور خوش باشی کا الزام لگایا۔ کسی نے ان کی رندی و سرمستی کے افسانے بنائے۔ کسی نے ان کے نقصِ ایمان کا ڈھنڈورا پیٹا اور کسی نے ان پر کفر کا فتویٰ تک لگایا۔ یہاں تک کہ ان کی نمازِ جنازہ پر اچھا خاصا ایک بکھیڑا کھڑا ہو گیا۔ ن کے روضہ کی تعمیر بھی انھیں اعتراضات اور الزامات کے سائے میں ہوئی۔ لیکن یہ بھی ایک عجیب حقیقت ہے کہ حافظ کو اپنی زندگی میں ہی اتنی مقبولیت حاصل ہوئی جو کسی شاعر کو نہ ہو سکی۔ نہ صرف یہ کہ اہلِ شیراز ان کے اشعار پڑھ کر رقص کرتے اور سر دھنتے تھے بلکہ بغداد، مصر، روم اور ہندوستان، افغانستان اور ترکستان میں ان کے کلام کی دھوم تھی۔ حاکم بنگالہ یا والیٔ دکن کا انھیں ہندوستان بلانا، حاکمِ بغداد کا انھیں دعوت دینا اور خود تیمور جیسے حکمران کا نھیں اپنے حضور طلب کرنا اس بات کا غماز ہے کہ حافظ اپنے عہد میں ہی اپنے فن کا لوہا منوا چکے تھے۔ اور حاکم و حکام سے لے کر عوام تک بھی ان کے کلام کے شیدائی تھے۔ مغنیات ان کی غزلیں اپنی محفلِ نغمہ سرائی میں پیش کرتی تھیں۔ فقیر، فقراء راستوں پر گاتے پھرتے تھے اور صوفیا کی محفلِ سماع ان کی غزلوں سے آباد تھی۔ اور مشاعروں میں شعراء ان کے کلام سے متاثر ہو کر ان کی زمینوں میں غزل کہتے تھے یا ان کے اشعار سے خیال اخذ کر کے اپنی سخن گوئی کو جلاء کرتے تھے۔ یا ان کے اشعار کا ترجمہ کرتے اور یہ صرف فارسی شعراء تک ہی محدود نظر نہیں آتا، اردو شعراء میں بھی شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہوگا جس نے ان کے کلام سے استفادہ نہ کیا ہو۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

حافظ:

یوسفِ گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور
کلبۂ احزاں شود روزی گلستاں غم مخور

قلی قطب شاہ:

یوسفِ گم سو پھر آگا اب بہ کنعاں غم نہ کر
گھر ترا امید کا ہوگا گلستاں غم نہ کر

حافظ:

آن کس کہ بدست جام دارد
سلطانیٔ جم مدام دارد

قلی قطب شاہ:

جے کو کہ ہتیلی جام لیّا
سلطانی جم مدام لیّا

حافظ:

بعزم توبہ سحر گفتم استخارہ کنم
بہار توبہ شکن می رسد ، چہ چارہ کنم

قلی:

منگیا جو توبہ کے تیئں صبح استخارہ کروں
ہنگام توبہ توڑن آیا کیا میں چارہ کروں

۲۔ حافظ:

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز
ورنہ در محفلِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

ولی:

رازِ دیر و حرم افشا نہ کریں ہم ہر گز
ورنہ کیا چیز ہے یار اپنی نظر سے باہر

حافظ:

شب مرا تا بروزِ خواب نبود
درد و چشم بغیر آب نبود

ولی:

آج کی رین مجھ کو خواب نہ تھا
دونوں آنکھوں میں غیر آب نہ تھا

حافظ: ؎

بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روی زیبارا

ولی: ؎

لباس خوب کی حاجت نہیں حق کے سنوارے کو

۳۔ حافظ:

گر ز مسجد بخرابات شدم خردہ مگر
مجلسِ وعظ درازست و زماں خواہد شد

قائم:

مجلسِ وعظ تو تا دیر رہے گی قائم
یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

٤۔ حافظ:

عزم دیدار تو دارد جان بر لب آمدہ
باز گردد و یا بر آید چیست فرمانِ شما

میر حسن:

دل اور جگر لہو ہو آنکھوں تلک تو پہنچے
کیا حکم ہے اب آگے نکلیں کہو نہ نکلیں

٥۔ حافظ:

بادِ صحی بہوایت ز گلستان برخاست
کہ تو خوشتر ز گل و تازہ تر از نسرینی

میر:

کم نہیں ہے دلِ پرُ داغ بھی اے مرغِ اسیر
گل میں کیا ہے جو ہوا ہے تو طلب گارِ چمن

حافظ:

بی تو ای سروِ رواں باگل و گلشن چکنم
زلف سنبل چہ کشم ، عارض و سوسن چکنم

میر:

تم بن چمن کے گل نہیں چڑھتے نظر کبھو
یہ کیا روش ہے آؤ چلو ٹک ادھر کبھو
اچھی لگے ہے تجھ بن گل گشت باغ کس کو
صحبت رکھے گلوں سے اتنا دماغ کس کو

گلشن بھرا ہے لالہ و گل سے اگرچہ سب
پر اس بغیر اپنے تو بھائیں لگی ہے آگ

حافظ:

عام حکمِ شراب میخواہم
محتسب را کباب میخواہم

میر:

عام حکمِ شراب کرتا ہوں
محتسب کو کباب کرتا ہوں

حافظ:

با صبا ہمراہ بفرست از رخت گلدستۂ
بو کہ بوئے بشنویم از خاکِ بستانِ شما

میر:

آنکھوں میں آشنا تھا مگر دیکھا تھا کہیں
نوگل کل ایک دیکھا ہے میں نے صبا کے ساتھ

٦۔ حافظؒ

آلودۂ قطراتِ عشق دیدہ جبیں را
اختر ز فلک می نگرد روئے زمیں را

سودا:

آلودۂ قطراتِ عرق دیکھ جبیں کو
اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک پر سے زمیں کو

حافظ:

میخواست گل کہ دام زند از رنگ و بوئے دوست
از غیرتِ صبا نفسش در دہاں گرفت

سودا:

چمن میں گل نے جو کل دعوئ جمال کیا
صبا نے مار طمانچے منہ اس کالال کیا

۷۔ حافظ:

منکہ ملول گشتمے از نفس فرشتگاں
قال و مقال عالمے میکشم از برائے تو

غالب:

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

حافظ:

بخدا کہ رشکم آید کہ نظر کنم بروئش
کہ نظر دریغے باشد بچنین لطیف روئے

غالب:

دیکھئے قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اسے دیکھوں بھلا، کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

حافظ:

جامِ جہاں نما ست ضمیر منیر دوست
اظہار احتیاج خود آنجاچہ حاجت ست

غالب:

جامِ جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

حافظ:

آئین تقوئ ما نیز دانیم
لیکن چہ چارہ با بختِ گمراہ

غالب:

جانتا ہوں ثواب طاعت و زاہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

حافظ:

دلم کہ لافِ تجرد زدی کنوں صد شغل
زبوی زلفِ تو با بادِ صبحدم وارد

غالب:

وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں اے خدا
رکھ لیجو میرے دعویٔ وارستگی کی شرم

حافظ:

اگر دشنام فرمائی وگر نفریں دعا گویم
جواب تلخ میزیبد لب لعل شکر خارا

غالب:

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھاکے بے مزہ نہ ہوا

غالب کے فارسی اشعار تو حافظ کے بہت سے اشعار سے متاثر نظر آتے ہیں۔ مثلاً

حافظ:

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

غالب:

برد آدم از امانت ہر چہ گردوں برنتافت
ریخت می برخاک چودر جام گنجیدن نداشت

حافظ:

بیا تا گل بر افشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرحی نودر اندازیم

غالب:

بیا کہ قاعدہ آسماں بگر دانیم
قضا بگردش رطلِ گراں بگر دانیم

حافظ:

شب تاریک و بیم موج و گردابی چنیں حائل
کجا دانند حالِ ما سبکبارانِ ساحل ہا

غالب:

ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفاں خیز
گسستہ لنگرِ کشتی و ناخدا خفتست

۱۰۔ حافظ:

جمالت آفتاب ہر نظر باد
ز خوبی روی خوبت خوبتر باد

حالی:

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جاکر نظر کہاں

۱۱۔ حافظ:

بنال بلبل اگر بامنت یاریست
کہ ماد و عاشق زاریم و کارِ ما زاریست

رند:

آعندلیب مل کے کریں آہ زاریاں
تو ہائے گل پکار، میں چلاؤں ہائے دل

۱۲۔ حافظ:

نخواہد ایں چمن از سرو لالہ خالی ماند
یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید

برق:

ایک جاتا ہے تو آتا ہے عدم سے دوسرا
اس کی محفل کا کبھی خالی مکاں ہوتا نہیں

۱۳۔ حافظ:

درد یست دردِ عشق کہ ہیچش علاج نیست
چنداں کہ سعی بیش نمائی ، بتر شود

:

مریض عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

حافظ:

اربابِ حاجتیم و زبانِ سوال نیست
در حضرتِ کریم تمنا چہ حاجتست
کریم جو مجھے دینا ہو بے طلب دے دے
فقیر ہوں ، پہ نہیں عادتِ سوال مجھے

حافظ:

یک قصہ بیش نیست غم عشق ویں عجب
کز ہر زباں کہ می شنوم نا مکر راست

جگر:

کوئی حد ہی نہیں شاید محبت کے فسانے کی
سناتا جارہا ہے جس کو جتنا یاد ہوتا ہے

حافظ:

یکیست ترکی بتازی دریں معاملہ حافظ
حدیثِ عشق بیاں کن بہر زباں کی تو دانی

اقبال:

ترکی بھی شیریں ،تازی بھی شیریں
حرفِ محبت ترکی نہ تازی

حافظ:

دریں چمن گل بی خار کس نچید آری
چراغِ مصطفوی با شرارِ بولہبی ست

اقبال:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؑ سے شرارِ بولہبی

حافظ:

طالب لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید
ہمچناں در عملِ معدن و کانست ہنوز

اقبال:

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کرگیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

غالب کی طرح اقبال کے ہاں بھی فارسی کے بے شمار اشعار حافظؔ کے اثر سے مملو نظر آتے ہیں۔ مثلاً

حافظ:

ہزار نکتۂ باریکتر ز مو اینجاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اقبال:

بیا بمجلس اقبال و یک دو ساغر کش
اگر چہ سر نتراشد قلندری داند

حافظ:

نہ ہر کہ چہرہ برا فروخت دلبری داند
نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند

اقبال:

ہزار خیبر و صد گونہ اژدرست اینجا
نہ ہر کہ نانِ جویں خورد حیدری داند

حافظ:

شاہد آن نیست کہ موی و میانی دارد
بندۂ طلعتی آن باش کہ آنی دارد

اقبال:

عاشق آن نیست کہ لب گرم فغانی دارد
عاشق آنست کہ برکف دو جہانی دارد

اس کے علاوہ بعض غیر معروف یا نا معلوم شعراء کے ایسے اشعار ملتے ہیں جن پر حافظ کا اثر نمایاں ہے۔ مثلاً

حافظ:

نبود نقش دو عالم کہ رنگ الفت بود
زمانہ طرح محبت نہ ایں زماں انداخت

نبی احمد:

نہیں تھے دونوں جہاں جب بھی رنگ الفت تھا
جہاں میں رسم محبت کوئی نئی تو نہیں

حافظ:

دیدن روی ترا دیدۂ جاں بیں باید
ویں کجا مرتبۂ چشم جہاں بین منست

نبی احمد

تیرے دیدار کو درکار ہے چشم جاں بیں
پر کہاں مرتبہ یہ چشم جہاں کا میری

غالب اس خیال کو یوں کہتے ہیں۔

دید لیلیٰ کے لیے دیدۂ مجنوں ہے ضرور
میری آنکھوں سے کرے کوئی تماشا تیرا

حافظ:

دلا ز رنج حسوداں مرنج ، واثق باد
کہ بد بخاطر امیدوار ما نرسد

فضلو ممتاز دھلوی:

جفائے یار نے کس طرح کردیا مایوس
اور اپنی خاطرِ امیدوار میں کیا تھا !

اقبال نے پورا ایک طنزیہ وظریفانہ قطعہ گائے اور اونٹ کے مکالمے کی صورت میں حافظؔ کے اس شعر کی بنیاد پر کہا ہے۔

دلق حافظ بچہ ارزد بہ میش رنگیں کن
وانگہش مست و خراب از رہِ بازار بیار

سردار جعفری نے اپنی نظم ''نذرِ حافظ'' کی ہے۔ اس کے علاوہ جگرؔ مرادآبادی، یوسف ناظم، مضطر مجاز اور دیگر کئی شعراء نے حافظ پر نظمیں کہی ہیں۔ فیض کے ہاں حافظ کا مخصوص رنگ اور شعری تراکیب ملتی ہیں۔ نوجوان شاعر عبید اعظم اعظمی نے ایک خوبصور تضمین حافظؔ کی ایک مکمل غزل پر کی ہے۔ اور خود راقم الحروف نے حافظ کی ایک سو غزلوں کا منظوم ترجمہ کیا ہے جو عنقریب منظرِ عام پر آرہا ہے۔

اعترافِ فن__ اثراتِ حافظؔ

(دواوین، کتب، ترجمے اور شرحیں)

(حصّہ سوم)

زبانِ کلکِ تُو حافظؔ چہ شکر آن گوید
کہ تحفۂ سخنش می برند دست بدست

تاریخ کی یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ جب کسی شاعر کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے تو اس کا کلام زباں زد ہر خاص و عام ہو جاتا ہے اور پھر ایک زبان سے دوسری زبان اور دوسری زبان سے تیسری زبان پر پہنچتے پہنچتے اس میں نہ جانے کتنی تبدیلیاں اور تحریفیں ہو جاتی ہیں اور جب یہ کلام ساری دنیا میں مشہور ہو جائے تو اس میں تحریف کے ساتھ ساتھ الحاق کا مسئلہ بھی در آتا ہے۔ یعنی ایک شاعر کے قاری کسی اور شاعر کے قاری بھی ہو سکتے ہیں اور ان دونوں کے مشترک المضامین اشعار میں سہو ہو جاتا ہے جس کی بناء پر ایک شاعر کا شعر دوسرے شاعر کے نام سے منسوب ہو جاتا ہے۔ پھر دھیرے دھیرے اس کے نام سے اتنا مشہور ہو جاتا ہے کہ اس کے کلام میں شامل ہو جاتا ہے یا کر دیا جاتا ہے۔ خصوصاً قدیم زمانے میں جب طباعت کا فن نہ عام ہوا تھا اور نہ اُس میں پختگی آئی تھی۔ بعض جگہوں پر تو طباعت و اشاعت کی سہولت بھی حاصل نہ تھی ایسے میں محض قلمی نسخوں سے کام چلتا تھا۔ یہ قلمی نسخے کاتبوں کی دین ہوتے تھے اور یہ کاتب بھی کبھی بڑا خطرناک مذاق کر جاتے تھے۔ یعنی کسی شاعر کا شعر کسی اور شاعر کے نام بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ کتابت کرتے تھے۔ اس طرح کے الحاقات عام تھے۔ قدیم شعراء کے کلام میں یہ بات کثرت سے ملتی ہے۔ کہ کبھی کبھی تو یہ جاننا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ شعر دراصل ہے کس کا۔ حافظ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اُن کے کلام میں بے حد تحریف ہوئی ہے نیز دیوان حافظ میں نہ جانے کتنی الحاقی غزلیں اور اشعار شامل ہو گئے ہیں۔ محققین ہر عہد میں اس کھوج میں لگے رہے۔ بعض حقیقتیں دریافت بھی ہوئیں اور بعض معاملات میں آج بھی اختلاف پایا جاتا ہے حافظ سے دلچسپی رکھنے کے باعث بلکہ حافظ سے روحانی عقیدت رکھنے کے سبب دیوان حافظ ایران کے ہر گھر میں موجود ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان سینکڑوں نسخوں کا اگر تقابلی مطالعہ کیا جائے تو مشکل ہی سے ایک نسخہ دوسرے نسخے سے مکمل مطابقت رکھتا ہوگا۔ دونوں کے درمیان کچھ نہ کچھ اور کہیں نہ کہیں اختلاف ضرور ہوگا۔ بعض میں کوئی اضافی غزل ہوگی جس کو حافظ کے نام سے منسوب کیا گیا ہے اور بعض میں کوئی غزل حافظ کی نہ سمجھ کر کلام سے خارج کر دی گئی ہوگی۔ اسی

طرح ایک ہی غزل میں بعض نسخوں میں اشعار کی تعداد زیادہ ہوگی بعض میں کم۔ یہی نہیں بلکہ بعض اشعار کی عبارت میں بھی فرق ہوگا یعنی ایک شعر کسی غزل میں کچھ اور انداز والفاظ کے ساتھ لکھا گیا ہوگا تو دوسرے میں کسی اور طرح۔ ردیف کا فرق بھی بعض غزلوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ بعض غزلوں کے اشعار میں مصرع اولیٰ بدلا ہوا نظر آئے گا بعض میں مصرع ثانی۔ اسی طرح قطعوں تک میں یہ فرق پایا جاتا ہے۔ بعض جگہ تو یہ عالم ہے ایک شعر کا مصرع اولیٰ دوسرے شعر کے مصرع ثانی کے ساتھ منسلک ہے اور بعض نسخوں میں کوئی شعر سرے سے اس غزل میں موجود ہی نہیں ہے۔ ایسے سینکڑوں اشعار ہیں جن کی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ لیکن یہاں محض اس نکتے کو واضح کرنا ہے کہ اس اختلاف کے سبب یہ جاننا بے حد مشکل ہے کہ کون سا نسخہ ہر لحاظ سے معتبر اور مستند ہے حالانکہ گزشتہ کئی برسوں سے اس بات کی کوشش جاری ہے کہ کوئی صحیح ترین اور معتبر ترین دیوانِ حافظ عوام کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ گیارھویں صدی ہجری سے اب تک بہت سے قلمی نسخے ایران یا ایران سے باہر لکھے گئے ہیں۔

بہر حال دیوانِ حافظ کے غیر معتبر یا معتبران تمام قدیم ترین نسخوں کو تاریخی ترتیب سے جاننے کی خاطر کے۔ این۔ پنڈت نے اپنی کتاب میں ایک طویل فہرست پیش کی ہے۔ جس میں عبدالرحیم خلخالی کے نسخے کو قدیم ترین نسخہ قرار دیا ہے۔ البتہ قدیم ایرانی نسخوں اور کاتبوں کے طریقہ کتابت کے مطابق کچھ ایسے مجموعے بھی ملتے ہیں جن کی حاشیوں پر یا تو مکمل دیوانِ حافظ کی غزلیات درج کی گئی ہیں یا اس کی منتخب غزلیں ہیں۔ کے۔ این۔ پنڈت نے آگے چل کر خود ہی ایک ایسے نسخے کی اطلاع دی جو تہران یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر خانلری نے ایک قدیم مجموعے سے غزلیات حافظ کا قدیم ترین نسخہ حاصل کر کے ۱۳۴۸ شمسی میں تہران میں چھپوایا۔ اور خانلری کے مطابق یہ نسخہ خلخالی کے نسخہ سے دس سال پہلے لکھا جا چکا تھا۔ زیر نظر مجموعہ برٹش میوزم میں تحت شمارہ ۲۷/۲۶۱ موجود ہے اور ریو نے فہرست کتاب ہائے فارسی (Acatlogue of Persian books) جلد دوم کے صفحہ ۸۶۸ پر اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ مجموعہ جمادی الاول ۸۱۳ھ سے لے کر جمادی الثانی ۸۱۴ھ کے درمیان امیر تیمور کے پوتے اسکندر بن عمر شیخ مرزا کے لئے لکھا گیا تھا۔ اس کے دو کاتب ہیں ایک محمد حلوائی اور دوسرا ناصر الکاتب شاہزادہ اسکندر اس زمانے میں اپنے چچا شاہ رُخ کی طرف سے فارس پر حکومت کرتا تھا ۸۱۷ھ میں سلطان کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے نتیجے میں اس نے شکست کھائی اور مارا گیا۔ (۱)

(غزلہای حافظ شیرازی بکوشش دکتر پرویز ناتل خانلری۔ صفحہ: ۵)

اسی نسخے کے بارے میں مولانا اسلم جے راج پوری غالباً رضا علی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ۔

''سلطان مرزا شاہ رُخ کے درباریوں میں ایک شاعر حافظ حلوائی تھا جو حافظِ شیراز ہی کے رنگ میں کہتا تھا۔اس کا شعر ہے۔

حافظِ حلوائیم و در کمال

معتقدِ حافظ شیرازیم

بعض لوگوں نے غلط فہمی سے اس کے بعض قصیدے اور غزلیں خواجہ کی سمجھ کر اُن کے دیوان میں داخل کر دیں۔ (۲۷) اس لحاظ سے یہ نسخہ مشکوک ٹھہرتا ہے۔البتہ دیوانِ حافظ کا ایک اور قلمی نسخہ ہندوستان میں گورکھپور کے مقام پر ہاشم علی سبز پوش کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کی کتابت ۸۲۴ھ کی بتلائی جاتی ہے۔اس نسخے کو ڈاکٹر نذیر احمد (پروفیسر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) اور ڈاکٹر رضا جلالی نائینی (متوطن، ایران) نے مِل کر ترتیب دیا ہے اور یہ نسخہ تہران سے شائع ہوا ہے۔ پروفیسر نذیر احمد کا دعویٰ ہے کہ یہ دیوانِ حافظ کا قدیم ترین نسخہ ہے لہٰذا اس اعتبار سے دیوانِ حافظ سے قلمی نسخے ترتیب دیے جائیں تو اُن میں اس نسخے کو اوّلیت دی جا سکتی ہے کیوں کہ کسی نے اب تک اس دعوے کو باطل قرار نہیں دیا ہے۔

اس سے قطع نظر ہاشم رضی کی دی گئی فہرست کے مطابق دیوانِ حافظ کے قلمی نسخے جو دستیاب ہوئے۔ حسب ذیل ہیں

نشانی نسخہ	سال کتابت
۱) نسخۂ عبدالرحیم خلخالی۔تہران	۸۲۷ھ
۲) نسخۂ باڈلٹن۔آکسفورڈ، انگلستان	۸۲۳ھ
۳) نسخۂ کتاب خانہ خصوصی مسٹر چسٹر بیٹی، انگلستان	۸۵۳ھ
۴) نسخۂ مجلسِ شورای ملّی۔تہران	۸۵۲ھ
۵) نسخۂ برٹش میوزیم، لندن	۸۵۵ھ
۶) نسخۂ دیوانِ حافظ۔کتابخانہ ملّی۔پیرس، فرانس	۸۵۷ھ
۷) نسخۂ دیوانِ حافظ۔کتابخانہ شوری ملّی۔تہران	۸۵۸ھ
۸) نسخۂ دیوانِ حافظ۔کتابخانہ لیدن۔ہالینڈ	۸۹۴ھ
۹) نسخۂ دیوانِ حافظ۔کتابخانہ ملّی، ویانا۔آسٹریا	۹۰۰ھ

۱۰) نسخۂ دیوانِ حافظ۔ کتاب خانہ شخصی سیّد نصر اللہ تقویٰ، تہران ۹۰۵ھ

۱۱) نسخۂ دیوانِ حافظ۔ سپہ سالار۔ تہران ۹۱۰ھ

۱۲) نسخۂ دیوانِ حافظ۔ السنہ شرقیہ۔ پیٹرز برگ۔ روس ۹۳۹ھ

۱۳) نسخۂ دیوانِ حافظ۔ کتاب خانہ برلن۔ جرمنی ۹۴۲ھ

۱۴) نسخۂ دیوانِ حافظ۔ کیمرج یونیورسٹی۔ انگلستان ۹۷۳ھ

۱۵) نسخۂ دیوانِ حافظ۔ کتابخانہ ملّی۔ قاہرہ۔ مصر ۹۷۶ھ

۱۶) نسخۂ دیوانِ حافظ۔ کتابخانہ ملک۔ تہران ۹۸۲ھ

۱۷) نسخۂ دیوانِ حافظ۔ انڈیا آفس لائبریری۔ لندن ۱۰۰۴ھ

ان تمام نسخوں کے پیشِ نظر جو دواوین شائع ہوئے ہیں ان میں چار دیوان ایسے ہیں جن کو مستند قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۱) دیوانِ حافظ۔ بکوشش عبد الرحیم خلخالی (۲) دیوانِ حافظ بکوشش حسین پژمان (۳) دیوانِ حافظ بکوشش ڈاکٹر قاسم غنی و محمد قزوینی (۴) دیوانِ حافظ بکوشش ہاشم رضی

ویسے تو حافظ کا دیوان تقریباً ان کی زندگی ہی میں مرتب ہو چکا تھا۔ اور حروفِ تہجی کے اعتبار سے کل ردیفوں میں غزلیں ترتیب دی گئی تھیں۔ اور بقول رحمت علی رعد

"یہ مشہور کرنا کہ حافظؔ شراب خانے میں ہر وقت بدمست پڑے رہتے تھے اور اپنے اشعار ٹھیکروں پر لکھ لکھ کر مٹکے میں بھرتے جاتے تھے اور ان کی وفات کے بعد نمازِ جنازہ کی بحث سے پہلے کسی کو خبر نہ تھی، غلط اورریاروں کا حاشیہ ھے۔ حافظؔ کا کلام تمام دنیائے اسلام میں ان کے سامنے مشہور ہوچکا تھا۔" (۲۸)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ترک عالم مولانا سودی نے نویں اور دسویں صدی ہجری کے بہت سے قلمی نسخے جمع کیے اور ان کا تقابلی مطالعہ کر کے تصحیح کے ساتھ ایک دیوان مرتب کیا۔ یہ دیوان غالباً وینا میں شائع ہوا۔ اور اسی کی نقل لیپزک اور وینا میں دوبارہ طبع ہوئی۔ مولانا اسلم جے راج پوری کے پاس جو قلمی نسخہ دیوانِ حافظ کا تھا وہ ۹۵۲ھ کا لکھا ہوا ہے، غالباً مولانا سودی ہی کے نسخے سے ملتا جلتا ہے۔ بہر حال مولانا اسلم جے راج پوری نے برٹش میوزیم کی فارسی کی قلمی کتابوں کی فہرست مرتبہ چارلس ریو اور بانکی پور کے کتب خانۂ عام کی فارسی اور عربی کی قلمی کتابوں کی فہرست مرتبہ مولوی عبد المقتدر اور دیگر نسخوں کے پیشِ نظر جو فہرست تیار کی ہے وہ کچھ اس طرح کی ہے۔

نام مقام	سنہ اشاعت اور تفصیل
۱).........	سترہویں صدی کے آغاز میں مولانا سودی کا نسخہ
۲) لندن	۱۷۹۱ء حافظ کے مختصر حالاتِ زندگی بھی دیباچے کے ساتھ
۳) کلکتہ	۱۷۹۱ء۔ ۱۸۲۶ء مع حاشیہ مولوی فتح علی صاحب ۱۸۵۸ء اور ۱۸۸۱ء میں مسٹر جیرٹ کا نسخہ
۴) لیپزگ	۱۸۵۴ء براکھاس نے مولانا سودی کا نسخہ مع ان کی شرح کے طبع کروایا
۵ ویانا	۱۸۵۸ء روزنزویگ نے مع اپنے ترجمے کے تین جلدوں میں شائع کیا۔ ۱۸۶۳ء مولانا سودی کے نسخے کی نقل
۶۔ قسطنطنیہ	۱۸۷۰ء (۱۲۵۷ھ) مع دو شرحوں کے ایک مولانا سودی کی، دوسری مولانا سیّد محمود کی۔
۷۔ طہران	۱۲۵۸ھ (۱۸۷۱ء)
۸۔ تبریز	۱۲۵۷ھ (۱۸۷۰ء)
۹۔ اصفہان	۱۲۶۵ھ
۱۰۔ مشہد	۱۲۶۴ھ
۱۱۔ بمبئی	۱۲۳۸ھ ۱۸۴۱ء ۱۸۸۳ء ۱۲۶۷ھ ۱۲۷۷ھ
۱۲۔ بولاق (مصر)	۱۲۵۰ھ ۱۲۵۶ھ ۱۲۸۱ھ
۱۳۔ دہلی	۱۲۶۹ھ ۱۸۸۸ء
۱۴۔ آگرہ	۱۸۶۱ء
۱۵۔ لکھنؤ	مطبع نول کشور ۱۸۷۶ء سے ۱۹۰۶ء تک ۹ مرتبہ اور مطبع نامی ۱۹۰۴ء تک ۴ مرتبہ
۱۶۔ لاہور	۱۸۸۸ء ۱۹۷۰ء
۱۷۔ کانپور	۱۸۳۱ء ۱۹۰۲ء

غرضیکہ اس طرح عجم میں تہران، تبریز اور شیراز سے بھی بکثرت جلدیں چھپ کر شائع ہوئیں۔ اور ہندوستان میں دہلی، کلکتہ، بمبئی، لکھنؤ اور آگرہ، کانپور وغیرہ سے بار بار چھپ کر جلدیں شائع ہو چکی ہیں کہ ان کی تعداد کئی ہزار پر مشتمل ہوگی۔

البتہ ان میں سے بعض نسخے ایسے ہیں جن کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً

۱. نسخہ عبد الرحیم خلخالی:

یہ نسخہ قدیم ترین نسخوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور اسے ۱۹۲۷ء میں خلخالی نے ترتیب دے کر شائع کروایا۔ یہ نستعلیق خط میں ہے اور غزلیات کا مکمل دیوان ہے۔ اس میں حافظ کے قطعات یا رباعیات شامل نہیں۔ اس میں کل ۴۹۵ غزلیں ہیں مگر اس میں کوئی مقدمہ نہیں ہے۔ خلخالی کا یہ دعویٰ ہے کہ اب تک ایران یا بیرون ایران اس سے قدیم تر کوئی نسخہ دریافت نہیں ہوسکا ہے۔ کیوں کہ یہ حافظ کی وفات کے صرف ۳۵ سال بعد کتابت کیا گیا ہے۔ تاریخ کتابت ہے۔

"تم الدیون اوایل شہر جمادی الاول سنہ سبع وعشرین وثمانماۃ ہجریہ" یعنی ۸۲۷ھ

علامہ قزوینی کے مطابق اس نسخے میں کئی غلطیاں ہیں جنھیں خلخالی نے بغیر تصحیح کے دیوان میں یوں ہی رہنے دیا۔

۲. دیوانِ حافظ۔ حسین پژمان:

۱۳۱۵ء میں حسین پژمان نے یہ دیوان مرتب کیا۔ ۱۳۱۸ھ میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ اس میں پژمان نے ۱۶۸ صفحات کا سیر حاصل اور معلوماتی مقدمہ لکھا۔ اس میں مختلف موضوعات پر کھل کر بحث کی گئی ہے۔ اور حافظ کے زندگی کے متعلق بہت سے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پھر بھی اس سے حافظ کی ذاتی زندگی کے متعلق بہت کم معلومات ملتی ہے۔ یعنی حافظ کے عقائد، مذہب، وغیرہ پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ بہر حال پھر بھی اپنے مقدمے کی وجہ سے یہ دیوان اہم سمجھا جاسکتا ہے۔

۳. دیوانِ حافظ۔۔مرتبہ: مجید یکتائی:

مجید یکتائی نے یہ دیوان ۱۳۲۸ء میں شائع کروایا۔ اس میں حافظ کی غزلوں کی تصحیح کی گئی ہے اور اس میں ایک مقدمہ بھی شامل ہے۔ جس میں حافظ کی زندگی سے متعلق نئے واقعات اور حقائق کا انکشاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور حافظ سے منسوب بہت سے مشکوک اشعار پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ البتہ دلیلیں ناکافی ہیں۔ اس کے باوجود اس دیوان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کے توسط سے حافظ کی زندگی کے کچھ نئے پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔

۵. دیوانِ حافظ۔ مرتبہ: سیّد محمد رضا جلالی نائینی و دکتر نذیر احمد:

یہ قلمی نسخہ مورخہ ۱۲ اسے ۸۱۱ھ کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا دیوان ہے۔ دیوانِ حافظ کا یہ قلمی نسخہ گورکھپور میں ہاشم علی سبز پوش کے کتابخانہ میں موجود تھا جس کی کتابت ۸۲۴ھ کی بتلائی جاتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے پروفیسر نذیر احمد کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ دیوانِ حافظ کا قدیم

ترین نسخہ ہے۔ اسے پروفیسر نذیر احمد نے ایران کے مشہور دانشور رضا جلالی نائینی کے ساتھ مل کر ترتیب دیا ہے۔

ابتدا میں "حافظ شیراز" کے عنوان سے حافظؔ کے حالات درج ہیں اور ان کی شاعری کی خصوصیات اور خاص خاص موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ مثلاً آرام ترین دورۂ حافظ، دولتِ قرآں، اعتراض و انتقاد، پدیدۂ عشق، بادہ و می در لسانِ عارفان، آدم و فرشتہ، دم غنیمت است وغیرہ۔

دیوان کی ابتدا حافظؔ کے اس شعر کے ساتھ ہوتی ہے۔

شعرِ حافظ ہمہ بیت الغزلِ معرفت است
آفریں بر نفس دلکش و لطفِ سخنش

حافظؔ کے حالات اور شاعری پر بحث کرنے کے بعد دیوانِ حافظؔ کے مختلف نسخوں کا تذکرہ اور تفصیل دی گئی ہے۔ مثلاً

۱۔ نسخۂ ہندی: جو نسخۂ خلخالی سے لیا گیا اور ۸۲۷ھ میں پہلی مرتبہ کتاب خانہ سیّد ہاشم علی سبز پوش، گورکھپور سے شائع ہوا۔ اس نسخے کا متن یوں ہے

الف: متن صفحات مجموعہ از آغاز تا انجام بہ دیوان شیخ اجل سعدیؔ شیرازی اختصاص یافتہ و از صدر کتاب اولا یک ورق افتادہ است۔

ب: در حاشیۂ این مجموعہ قسمت ہای زیر بترتیب آمدہ است۔

۱۔ داستانِ منظوم جمشید و خورشید سلمان ساوجی از ورق.... ۱ تا ۴۴

۲۔ دیوانِ حافظ از ورق..... ۴۵ تا ۱۴۰۔

باقی صفحات میں دیوان جلال عضد اور منتخب دیوان کمال خجندی تحریر ہے۔

۲۔ نسخۂ ترکیہ: این نسخہ قسمتی از یک مجموعۂ خطی است کہ در کتابخانۂ ایا صوفیہ نگاہ داری می شود۔ درین مجموعہ ہم دیوانِ حافظ پس از دیوان جمال الدین ساوجی قرار دادہ شدہ است و از ورق ۲۰۷ مجموعہ آغاز می شود بہ ورق ۳۹۷ پایان می یابد

نسخۂ مذکور احتمالاً در فارس یا عراق عجم .... قلمرو اسکندر میرزا پسر عمر شیخ و نوادۂ تیمور بین سالہای ۸۱۲ھ تا ۸۱۷ھ قمری کتابت شدہ است۔ و بدین ترتیب می نگریم نسخۂ ایا صوفیہ نظر قدمت کہنہ نسخۂ گورکھپوری باشد۔ اس کے بعد اس قدیم نسخہ ءایا صوفیہ کے رسم الخط اور روش تصحیح پر بحث کی ہے اور ان نسخوں کا نسخہ خطی مجوزہ ملی دہلی و چاپ قزوینی سے موازنہ کیا ہے۔ ادیب برومند

وستایش گر۔ وہ تمام نسخے جو حافظ کے بعد شائع ہوئے اور جن میں تبدیلیاں یا تحریفیں ملتی ہیں ان کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ''مقدمہ جامع دیوانِ حافظ'' دیا گیا ہے۔

حافظ کے درج ذیل نسخوں کو پیشِ نظر رکھ کر یہ دیوان مرتب کیا گیا ہے۔ مسعودی، ستایش گر، قزوینی، پرتو، اصفہانی، مجوزہ ملی دہلی، نسخہ ءایا صوفیہ، قدسی و انجوی، نسخہ تاجکستان، ایا صوفیہ و خانگری، ادیب برومند، پژمان وغیرہ۔

اس کے بعد غزلیں حروفِ تہجی کے اعتبار سے مطلع وار ترتیب دے گئی ہیں۔ ہر غزل کے حاشیہ میں مختلف نسخوں کے تقابل کے ساتھ اشعار کی تبدیلی، کمی بیشی، ترمیم وتحریف کا ذکر نیز اشعار نقل کئے گئے ہیں تا کہ پتہ چل سکے کہ کون سی غزل کس نسخے میں موجود ہے اور اس غزل کے کون سے اشعار کس نسخے میں نہیں ہیں یا اگر ہیں تو کس تبدیلی کے ساتھ موجود ہیں۔

دیوانِ آخر میں ''فہرست و اعلام'' کے باب میں سب سے پہلے مطلع کے اعتبار سے حروف تہجی کے تحت ترتیب دی گئی غزلوں کی فہرست درج ہے جو اس طرح ہے۔

ردیف الف (۱۱ غزلیں)، ردیف ب (۳ غزلیں)، ردیف ت (۸۶ غزلیں)، ردیف خ (ایک غزل)، ردیف د (۱۴۶ غزلیں)، ردیف ر (۱۲ غزلیں)، ردیف ز (۷ غزلیں)، ردیف س (۶ غزلیں)، ردیف ش (۲۱ غزلیں)، ردیف ع (۳ غزلیں)، ردیف ف (ایک غزل)، ردیف ق (۲ غزلیں)، ردیف ک (۳ غزلیں)، ردیف ل (۵ غزلیں)، ردیف م (۳۷ غزلیں)، ردیف ن (۲۱ غزلیں)، ردیف و (۱۱ غزلیں)، ردیف ہ (۱۴ غزلیں)، اور ردیف ی (۶۵ غزلیں) کُل چار سو اکاسی ۴۸۱ غزلیں۔

اس کے بعد قصیدہ فہرستِ مثنویات، فہرستِ قطعات، فہرستِ رباعیات اور فہرستِ مفردات درج ہے۔

اس کے بعد نئے صفحے سے ''فہرست اعلام'' دی گئی ہے۔ حروف تہجی کے اعتبار سے پہلے شخصیات، اس کے بعد اعلام جغرافیائی وفلکی، پھر نامہای حیوانات، نام ہائ نباتات میوہ ہا، نام فلزات و گوہر، نام آلاتِ موسیقی، نام عطر ہا، نام کتاب ہا، نام ماہ ہائے سال، زبانہا آہنگ ہائے موسیقی، فہرست نام سورۃ وعبارات قرآن اور آخر میں فہرست احادیث دی گئی ہے جن کا ذکر دیوانِ حافظ میں آیا ہے۔ یہ حافظ کا معتبر و مستند ترین دیوان کہا جا سکتا ہے۔

۴۔ دیوانِ حافظ۔ محمد قزوینی و دکتر قاسم غنی:

مشہور فارسی محقق اور ''تاریخ عصر حافظ'' کے مصنف ڈاکٹر قاسم غنی نے اپنے عہد کے

ایک اور مشہور محقق علامہ محمد قزوینی کے ساتھ مل کر بڑی ہی باریک بینی اور تحقیق کے ساتھ حافظ کا دیوان مرتب کیا ہے جسے بے انتہا اہمیت حاصل ہے اور یہ عام طور پر حافظ کا معتبر اور مستند ترین دیوان شمار کیا جاتا ہے۔

اس دیوان میں سب سے پہلے فہرست غزلیات دی گئی ہے جس میں غزلیں ردیف وار حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دی گئی ہیں۔غزلوں کی ترتیب درج ذیل ہے۔

ردیف الف (۱۲غزلیں)،ردیف ب (۲غزلیں)،ردیف ت (۸۱غزلیں)،ردیف ث (ایک غزل)،ردیف ج (ایک غزل)،ردیف ح (ایک غزل)،ردیف خ (ایک غزل)،ردیف د (۱۴۵غزلیں)،ردیف ر (۱۳غزلیں)،ردیف ع (۳غزلیں)،ردیف س (۵غزلیں)،ردیف ش (۲۰غزلیں)،ردیف غ (۳غزلیں)،ردیف ف (ایک غزل)،ردیف ق (۲غزلیں)،ردیف ک (۳غزلیں)،ردیف ل (۷غزلیں)،ردیف م (۳۷غزلیں)،ردیف ن (۲۳غزلیں)،ردیف و (۱۱غزلیں)،ردیف ہ (۱۳غزلیں)،ردیف ی (۶۷غزلیں)۔کُل ۴۸۸غزلیں۔

اس کے بعد "مقدمہ مصحح" کے عنوان سے محمد قزوینی نے مقدمہ لکھا ہے اور اس دیوان کی وجہ اشاعت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"هر وه شخص جو ایران کے بزرگ ترین غزل گو شاعرخواجه شمس الدین مُحمد حافظؒ شیرازی سے کم و بیش انس رکھتا هے اور اکثر اس کادیوان دلچسپی سے پڑھتا هے (لیکن)بهت حد تك مطمئن نهیں هوتا یهاں تك كه بعض موقعوں پر مفهوم سمجهنے کے لئے یا مشکل کا حل تلاش کرنے کے لئے دوسرے مسخ شده نسخے دیکهنے پر مجبور هوتا هے اور ان کی طرف رجوع کرتا هے اور اس طرح وه کسی ایك نسخے پر كه جو عام طور پر ایران کے گهروں میں ملتا هے،اکتفا کر لیتا هے۔اور اس صورت میں یقیناً یه دیکهنے میں آیا هے که دنیا میں دیوانِ حافظؒ کے کوئی دو نسخے ایك دوسرے سے مطابقت نهیں رکهتے نه متنِ اشعار میں نه عبارات،جملوں اور کلمات میں اور نه هی غزلوں اور شعروں کی تعداد میں هر غزل اور عبارت کمیت اور کیفیتِ اشعار میں(ایك نسخے اور دوسرے نسخے میں)اختلاف رکهتے۔اور خواجه کے دیوان کا یه اختلاف اس قدر عام هے که پڑهنے والے یاتتبع کرنے کو که جس کا

مقصد خواجہ حافظ کے اشعار کامطالعہ کرنا ہے،نہ کہ دوسروں کی الحاقی غزلوں کا جن کی تعداد بتدریج دیوانِ خواجہ میں داخل ہوتی جا رہی ہے۔یا ان اشعار سے بہرہ مند ہونا ہے جو اصل میں خواجہ نے کہے تھے مگر مرورِ ایام کے ساتھ جس میں بے حد تبدیلیاں اور تحریفیں ہوئیں اور جن کی اصل صورت تبدیل ہوگئی اوردگر گوں ہوگئی، مکمل طور پر عاجز ومتحیر اور سر گرداں کر دیتاہے۔" (فارسی سے ترجمہ)

پس اسی مقصد کے سبب ایک ایسے نسخے کی تلاش وکوشش کی گئی جو معتبر اور مصحح ہو اور آج ان دونوں محققین کی محنت شاقہ کا یہ ثمر ہے کہ سارے عالم میں قزوینی وقاسم غنی کا یہ نسخہ مستند اور معتبر قرار دیا گیا ہے۔

اس "مقدمہ مصحح" میں محمد قزوینی نے مختلف نسخوں کی تفصیل، اختلاف نسخ اور تصحیح وغیرہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔جن نسخوں کا خاص طور پر جائزہ لیا گیا ہے۔وہ یہ ہیں۔

نسخہ خطی آقای سید عبدالرحیم خلخالی، نسخہ خطی دیگر متعلق بجناب آقای اسمعیل مرأت، نسخہ آقای حاج محمد آقای نخجوانی، نسخہ آقای عباس اقبال آشتیانی، نسخہ نفیسی (کتاب خانہ مجلس شوریٰ ملی تہران وغیرہ)

ان سب نسخوں میں کل ٦٠٠ غزلیں (اصلی والحاقی) ہیں۔پھر تمام نسخوں میں پائی جانے والی مشترکہ غزلوں کی تعداد کی تفصیل دی ہے۔

اس کے بعد فہرست نسخ نہایت تفصیل سے تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد دی ہے پھر قصیدوں پر بحث ہے اور اس کے بعد دیوان شروع ہوتا ہے۔

ہر غزل کے حاشیے میں تفصیلی وتقابلی مطالعہ درج ہے۔آخر میں فہرست اسامی رجال، فہرست اسامی امکنہ وقبایل، فہرست اسامی کتب، فہرست کلمات وتعبیراتی کہ درحواشی کتاب، تفسیر شدہ۔وغیرہ دی گئی ہے۔

٦۔ دیوانِ حافظ __ نسخہ شاہانِ مغلیہ:

دیوانِ حافظ کا یہ شاہی نسخہ دراصل ہمایوں کی ملکیت تھا اور اس کے کتب خانے میں موجود تھا۔جو غالباً اس نے ایران سے حاصل کیا تھا۔اور شیر شاہ کے ہاتھوں سے ہوتا ہوا اس تک پہنچا تھا پھر جہانگیر اور پھر کسی اور ہاتھوں سے ہوتا ہوا داراشکوہ تک پہنچا۔خاص طور اس وقت جب وہ "سفینتہ الاولیاء" لکھنے میں مصروف تھا۔اس کی توجہ حافظ کی طرف گئی اور پھر اسے دیوانِ حافظ

کے اس شاہی نسخے کا خیال آیا۔ داراشکوہ کے زمانے میں یہ دیوان شاہی خزانے کی ملکیت تھا۔ بدلتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ کسی طرح یہ نسخہ گورکھپور کے سبحان اللہ خان کے ہاتھ لگ گیا۔ اور جب انھوں نے اپنے ذاتی کتب خانے کی تمام ذخیرۂ مخطوطات و مطبوعات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو عطیہ کے طور پر پیش کیا تو یہ شاہی نسخہ انھوں نے اپنے دوست خدا بخش کو بخش دیا۔ اور اس طرح ہمایوں کے ہاتھوں سے ہوتا ہوا یہ نسخہ خدا بخش تک پہنچا۔ انھوں نے اسے اپنے ذاتی کتب خانے میں جمع کروادیا۔ جواب خدا بخش اورینٹل لائبریری کے نام سے پٹنہ میں موجود ہے۔

خان بہادر عبدالمقتدر نے جب خدا بخش لائبریری کے مخطوطات کی فہرست تیار کی تو اس میں اس نسخہ کے بارے میں اچھی خاصی معلومات فراہم کی۔ مثلاً دیوانِ حافظ کے مختلف ترجمے جو ایران، ہندوستان اور پاکستان میں کیے گئے، حافظ کے حالاتِ زندگی اور خاص طور پر مذکورہ مخطوطات متعلق معلومات۔ انگریزی دیباچۂ حافظ ۱۹۰۸ء میں لکھا گیا ۱۹۹۲ء میں جب اس کو شائع کیا گیا تو اس میں کوئی قابلِ ذکر اضافہ نہیں کیا گیا۔ البتہ چونکہ داراشکوہ نے سب سے پہلے اس نسخے کا ذکر کیا تھا، اس لیے متعلقہ عبارت جو "سفینۃ الاولیاء" میں موجود ہے، داراشکوہ کے اپنے دستخط کے ساتھ کسی دوسری جگہ سے لے کر اس نسخے میں بطور دیباچہ شامل کر لی گئی ہے۔ جس کا کچھ حصہ درج ذیل ہے۔

"حضرت خواجه حافظؒ شیرازی، نام ایشان محمد است و لقب شمس الدین ۔ حضرت مولانا عبد الرحمن جامی فرمودند باوجود آنکه معلوم نیست که بظاهر دستِ ارادت به پیری داده باشند اما ایشا نرا لسان الغیبه گفته اندو آثارِ حقائق و معارف در دیوان ایشان بسیار است و در تذکره عبد القادر بدایونی از هست شیخ بهاء الدین نقشبندی اندو اکثر تفاولی که از دیوانِ حقیقت بیان ایشان نموده میشود موافق مطلب برمی آید"

اس کے بعد وہ ذکر کرتا ہے کہ کس طرح جہانگیر نے ایام شاہزادگی میں اپنے والد سے ناراض ہو کر الہ آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اور وہ پادشاہ کی خدمت میں دوبارہ جاتے ہوئے خوف زدہ اور متردد تھا لہٰذا اس نے دیوانِ حافظ سے فال نکالی اور یہ غزل آئی۔

چرا نه در پی عزم دیار خود باشم
چرا نه خاکِ ره کوی یار خود باشم

غمِ غریبی و غربت چو بر نمی تابم
بشہر خود روم و شہریار خود باشم

اور اس فال کے مطابق وہ فوراً بادشاہ کی خدمت میں روانہ ہو۔ اکبر نے اس کی خطا معاف کر دی چھ مہینے بعد ہی اس کا انتقال ہوا اور جہانگیر بادشاہ بنا دار اشکوہ نے دیوانِ حافظ کے حاشیے پر جہانگیر کی اپنی تحریر میں مع دستخط یہ واقعہ لکھا ہوا ہے۔ لہٰذا اس نے دیوانِ حافظ کے اس شاہی نسخے کو ''سفینۃ الاولیاء'' لکھنے کے دوران استعمال کیا۔

اس شاہی نسخے کی سب سے بڑی خوبی بھی یہی ہے کہ اس کے حاشیوں میں ان تمام مغل بادشاہوں کی دستخطیں اور تحریریں موجود ہیں جنھوں نے وقتاً فوقتاً دیوانِ حافظ سے تفاول کیا تھا اور حسب منشاء فال آنے پر عمل کیا تھا اس میں ہمایوں، جہانگیر اور دیگر حضرات کی دستخطیں موجود ہیں اور وہ غزلیں دی گئی ہیں جو فال میں نکلی تھیں۔ اس کے بعد اصل دیوان شروع ہوتا ہے ۱۹۹۲ء کے اس نسخے میں آخر میں خان بہادر عبدالمقتدر کا مقدمہ انگریزی میں شامل ہے۔ اس فال نامے اور اس کا طریقہ بھی دیا گیا ہے۔ آخر میں یہ نوٹ دی گئی ہے۔

This copy is written in a beautifull perfect nastaliq by some distinguished caligraphar in the 9th century.
It was presented to this library by Nawab SubhanUllah Khan of Gorakhpur a great patron of learning.

آخر میں مخطوطے پر جو مہریں مثبت ہیں، وہ یہ ہیں۔

(۱)

سلطان حسین بلی قرا شعبان سنہ ۱۸ء تحویل سہیل شد۔

(۲)

کم ترین خانہ زادان عرض دید سنہ ۸ جلوس والا

میمنت خان

۳

ھفدہ ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۲ عرض دیدہ تحویل محمد باقر شد

۴

۱۷ جمادالثانی سنہ ۱۲ تحویل محمد باقر شد

۵

ربیع الآخر ۸ تحویل محافظ خاں شد

۶

۱۷ ذی القعدہ ۲۶ عرض دیدہ شد العبد عبداللہ چلپی

۷

۱۶ محرم ؟؟؟ عرض دیدہ تحویل سہیل شد

اس دیوان میں جو غزلیں شامل ہیں ان کی تعداد کچھ اس طرح ہے۔

ردیف الف (۱۱ غزلیں)، ردیف ب (۴۴ غزلیں)، ردیف ت (۷۹ غزلیں)، ردیف ث (ایک غزل)، ردیف ج (ایک غزل)، ردیف ح (ایک غزل)، ردیف خ (ایک غزل)، ردیف د (۱۶۶ غزلیں)، ردیف ر (۱۵ غزلیں)، ردیف ز (۹ غزلیں)، ردیف س (۶ غزلیں)، ردیف ش (۲۱ غزلیں)، ردیف ص (۲ غزلیں)، ردیف ض (ایک غزل)، ردیف ط (ایک غزل)، ردیف ظ (ایک غزل)، ردیف ع (۳ غزلیں)، ردیف غ (ایک غزل)، ردیف ف (ایک غزل)، ردیف ق (۲ غزلیں)، ردیف ک (۴ غزلیں)، ردیف ل (۹ غزلیں)، ردیف م (۷۳ غزلیں)، ردیف ن (۲۰ غزلیں)، ردیف و (۱۱ غزلیں)، ردیف ہ (۱۴ غزلیں)، ردیف ی (۶۸ غزلیں)۔ کل غزلیں ۵۶۲۔ اس کے علاوہ کچھ رباعیات اور قطعات شامل ہیں۔

دیوانِ حافظ ــ ہاشم رضی:

اس میں مقدمہ جامع دیوانِ حافظ کے علاوہ ایک طویل مقدمہ بھی شامل ہے جو سات حصوں میں اس طرح تقسیم ہے۔

۱۔ **بخش اوّل:** گفتار معاصرین حافظ در بارہ اش۔ اس میں حافظ کے ہم عصروں کے حافظ کے متعلق نظریات وخیالات پیش ہیں۔ یعنی وہ تذکرے، دیوان یا تاریخیں جن میں حافظ کے متعلق بیان ہے اور جو ان کے معاصرین نے تحریر کیے ہیں۔ ان سب کی تفصیل اس حصے میں موجود ہے۔

۲۔ **بخش دوم:** آنچہ کہ معاصرین نوشتہ اند۔ اس میں وہ تمام تحریریں جو حافظ سے متعلق باقاعدہ طور پر دیوان کی تدوین کی شکل میں موجود ہیں۔ مثلاً حسین پژمانی، ڈاکٹر غنی و محمد قزوینی، ڈاکٹر محمد معین، علی اصغر حکمت، سیف پور فاطمی، سعید نفسی، ڈاکٹر خانلری، محمد علی بامداد،

ناصر بخاری، علی دشتی وغیرہ جو مرتب کے ہم عصر رہے ہیں، ان کی تحریروں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۳۔ بخش سوم: نقادی وگفتار تذکرہ نویسان و تاریخ نگاران۔ نقادوں اور مورخوں کے تذکرے جن میں حافظ کا ذکر ہے مثلاً مجالس العشاق ہفت اقلیم، عرفات العاشقین، حبیب السیر، میخانہ، لطائف الخیال وغیرہ۔

۴۔ بخش چھارم: زندگانی از آغاز تا انجام۔ حافظؔ کے حالات زندگی مثلاً سال تولد، تحصیلات و مقام علمی، گرایش بہ شاعری و نیاز درونی، جوانی و اشعارِ شباب، سفرہا، سیر وگشت و گذار، پیری و جوانی، مرگ و مزارِاو وغیرہ پر مختلف حوالوں کے ساتھ بحث۔

۵۔ بخش پنجم: اخلاق، کردار وصفات۔ اس عنوان کے تحت حافظؔ کے کردار کے مختلف پہلوؤں پہ بحث کی گئی ہے۔ جیسے کسب علم و دانش، اصل سعی و کوشش، بی نیازی، قناعت و خورسندی، بی نیازی واز مال دنیوی، بی دوامی زندگی و بد بینی، مدح و وجہ، تہی دستی و ناداری، بخشندگی و دست بازی، عدل و داد، نیکوکاری، خوش خلقی، اخلاق پند، رفتار وادب اجتماعی، پند نیوشی، روح نشاط و شگفتگی، نظر بازی وغیرہ۔

۶۔ بخش ششم: شعر و شاعری۔ حافظؔ وسرایندگان۔ اس میں حافظؔ کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً معشوق،، عشق و عاشقی وغیرہ۔ اور دیگر شعراء سے ان کا تقابلی مطالعہ درج ہے۔ مثلاً سعدی، ساوجی، کمال خجندی، نظامی، انوری وغیرہ۔

۷۔ بخش ہفتم: دین و تصوف۔ اس میں کلامِ حافظ میں صوفیانہ عناصر کی نشان دہی کی گئی ہے اور تصوف اور اس کی اصطلاحات اور کلامِ حافظ میں اس کے استعمال پر بحث کی گئی ہے۔

۸۔ بخش ہشتم: ستائش شدگان: روابط حافظؔ بادیگران۔ اس میں حافظؔ کے اپنے دور کے حکمرانوں اور ممدوحین دے تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جن میں شاہ شجاع، شیخ ابو اسحٰق اور مبارز الدین، شاہ یحیٰی وغیرہ کا ذکر موجود ہے۔

اس کے علاوہ ہندوستان سے بھی متعدد دیوان شائع ہوئے مثلاً دیوانِ حافظؔ مطبع نامی لکھنؤ، مطبع کریمی، بمبئی مطبع خورشید، بمبئی، مطبع منشی نول کشور، مطبع محمد آقا باقر شیرازی، دیوانِ حافظ مع اصطلاحات مولفہ و مرتبہ سیّد جلال شاہ اندرابی، دیوان حافظ شیخ مبارک علی تاجر لاہور مرتبہ محمد اللہ رعد جس میں پہلی مرتبہ فارسی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی دیباچہ دیا گیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

دیوانِ حافظ کی قدیم شرحیں:

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حافظ کے کلام میں ایک قسم کی پراسراریت اور الہامی کیفیت ملتی ہے۔ نیز فنی اعتبار سے بھی ان میں گہری معنویت اور تہہ داری پائی جاتی ہے۔ لہٰذا ان اشعار میں مطلق معنی تلاش کرنا فضول ہے۔ ایک شعر کے کئی پہلو نکلتے ہیں۔ ہر بڑے شاعر کی طرح حافظ کے شعر میں کئی پرتیں ملتی ہیں۔ اور بظاہر حافظ کی غزلوں کے اشعار مختلف موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں جو تضادات کے حامل ہیں۔ مگر اس انتشار خیالی کے باوجود ان میں ایک گہرا معنوی ربط اور ذہنی اور قلبی کیفیت ملتی ہے۔ جس پر خود حافظ کو بھی ناز تھا۔ وہ جانتے تھے کہ میرا کلام ایک دفترِ معرفت ہے۔ خود کہتے ہیں۔

چوں ایں گرہ کشایم ، ویں رازِ دل نمایم
دردے و سخت دردے ، کارے و سخت کارے

(میں کیوں کر دل کی گرہ کھول کے اپنے راز تم کو دکھلاؤں۔ یہ نہایت ہی مشکل اور دشوار امر ہے۔)

یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ان کیفیاتِ قلبی اور فلسفۂ ہائے حیات کو اصطلاحات، استعارات اور علامات کے پردوں میں پیش کیا۔ لوگ کلامِ غالب کی "طرح کچھ سمجھے اور کچھ نہ سمجھے، مگر داد سب نے دی۔"

اسی لیے تو حافظ بہ بانگ دہل دعویٰ کرتے ہیں کہ۔

شعر حافظ ہمہ بیت الغزلِ معرفت است
آفریں برنفسِ دلکش و لطیف سخنش

اسی دفترِ معرفت کو سمجھنے کی غرض سے ہر دور میں دیوانِ حافظ کی شرحیں لکھی گئیں۔ ان میں کچھ تو افراط و تفریط کا شکار ہوئیں۔ کچھ میں محض سطحی معنوں سے بحث کی گئی۔ کچھ میں معانی گم ہوگئے یا ان سے کلامِ حافظ کے تئیں گمرہی عام ہوگئی۔ اور بعض شرحوں میں تو حافظ کی اصطلاحات کو اتنے معانی پہنا دیے گئے کہ جنھیں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ شارح شرح لکھنے سے زیادہ غیر ضروری جانب داری اور طرف داری سے کام لے رہا ہے۔

بہرحال ابتداء میں کلامِ حافظ کی جو قدیم ترین اور بہترین شرحیں ہمارے سامنے آتی ہیں وہ سب اتفاق سے ترکی زبان میں ہیں۔ ان میں تین شرحوں کو خاص طور سے اہمیت حاصل ہے۔ اور پروفیسر براؤن بھی ان کے قائل ہیں۔ ایک تو شرح سروری، دوسری شرح شمعی اور

تیسری شرح سودی۔

شرح سروری: اس کے شارح مصطفیٰ ابنِ شعبان ہیں جن کا تخلص سروری تھا۔ اور جن کا انتقال ۹۶۹ھ میں ہوا۔ اس کا ذکر ''کشف الظنون'' میں ملتا ہے۔

شرح شمعی: شمعی نے دیوانِ حافظ کی یہ شرح ۹۸۱ھ میں لکھی تھی۔ یعنی اپنے انتقال سے ۱۹ سال پہلے۔ اس کا انتقال ۱۰۰۰ھ میں ہوا۔ ''کشف الظنون'' (حاجی خلیفہ) میں اس کا بھی ذکر ملتا ہے۔

شرح سودی: مشہور ترک عالم مولانا سودی بوسنیا کے رہنے والے تھے۔ اور عربی، فارسی کے متبحر عالموں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ عہدِ عثمانی میں وہ درباری معلّم کے عہدے پر فائز تھے۔ انھوں نے مختلف قلمی نسخوں کو سامنے رکھ کر اور تقابلی مطالعہ کر کے دیوانِ حافظ بھی ترتیب دیا تھا۔ اور ترکی زبان میں اس کی عالمانہ شرح بھی لکھی۔ جو ۱۲۵۰ھ شمسی بولاق، متن سمیت تین جلدوں میں شائع ہوئی۔ سودی نے اس شرح کے ساتھ حافظ کی غزلیات کو بھی درج کیا ہے۔

اس شرح کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پروفیسر براؤن جیسا فارسی اسکالر سودی کی شرح اور اس میں درج شدہ غزلوں کو معتبر قرار دیتا ہے۔ اور اسے سب سے بہتر اور مفید تر مانتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ علامہ قزوینی نے بھی اپنے مقدمہ دیوانِ حافظ میں شرحِ سودی سے استفادہ کرنے کا اعتراف کیا ہے۔ مشہور ایرانی عالمہ عصمت ستارزادہ نے اس شرح کا ترکی سے فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ ۱۸۵۲ء میں براک ہاز (Brockhaus) نے Heipzig میں دیوانِ حافظ شائع کیا تو اس کے ساتھ حافظ کی غزلوں پر سودی کی شرح بھی شامل کر لی۔ انگریز مترجموں نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ W. H Low اور کرنل ولبر فورس کلارک دونوں نے اپنے اپنے ترجموں میں اس شرح سے فائدہ اٹھایا۔ ۱۸۷۰ء میں یہ شرح مکمل طور پر مع متن کے ترکی زبان کی شرح کے ضمیمہ کے طور پر استنبول میں شائع ہوئی۔

سودی نے تقریباً ۵۷۳ غزلوں، ۴۲ قطعوں، ۶ مثنویوں، ۲ قصیدوں اور ایک مخمس کی شرح لکھی ہے۔ اور اس تشریح میں ایک توازن موجود ہے۔ اوروں کی طرح نہ غیر ضروری افراط و تفریط ملتی ہے اور نہ خیالی طوطے، مینا اڑانے کی کوشش۔ یہی وجہ ہے کہ اس شرح کو بے انتہا اہمیت حاصل ہے۔

شرح لسان الغیب: اس کے مصنف سیف پور فاطمی ہیں۔ اس کتاب میں مصنف نے نہ صرف حافظ کے اشعار کی تشریح سے کام لیا ہے بلکہ حافظ کے احوال و آثار بھی تحریر

کیئے ہیں۔ اور کلامِ حافظ کا تنقیدی محاکمہ بھی کیا ہے۔ اس کا دیباچہ رضازادہ شفق نے لکھا ہے۔ جس میں انھوں نے جرمن شاعر گوئٹے سے حافظ کا موازنہ پیش کیا ہے۔ مواد و متن کے اعتبار سے اس کتاب کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

رسالۂ لطیفۂ غیبیہ : یہ رسالہ ۱۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ جو ۱۳۰۴ھ میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آیا۔ اس کی مقبولیت کی بنا پر ۱۳۱۹ھ میں اسے دوبارہ شائع کیا گیا۔ اس کے مصنف محمد دارابی ہیں۔ اس کے شیرازی نسخے پر اس وقت کے مشہور عالم آقا میرزا احمد عبدالحیٔ مرتضوی تبریزی نے مقدمہ لکھا۔ "فصل الخطاب" کے مصنف سیّد قطب الدین تبریزی کے مطابق دارابی شیراز کے دارالعلم میں ایک محترم اور لائق استاد مانے جاتے تھے۔ ان کی ابتدائی زندگی فارس میں گزری۔ پھر وہ شیراز آئے اور تحصیل علوم کیا۔ ۱۰۶۴ھ میں غالباً احمد آباد اور گجرات میں موجود تھے۔

اس رسالے کی وجہِ تصنیف یہ بتائی جاتی ہے کہ محمد دارابی اور ان کے ہم عصر شعراء، ادباء اور علماء کے مابین کلامِ حافظ سے متعلق اکثر "بحث و مباحثہ ہوتا تھا۔ وہ لوگ حافظ پر سخت اعتراضات کرتے تھے اور محمد دارابی ان کے سخت جوابات دیتے تھے۔ جب یہ سلسلہ زیادہ طویل ہوا تو انھوں نے بعض مشکل اشعار کی وضاحت کرنا شروع کی۔ اور یہ اعتراضات اور ان کے جوابات رسالہ کی شکل میں شائع ہوئے۔ ان میں خاص طور پر جو اعتراضات کیے گئے وہ یہ تھے کہ حافظ کے بعض اشعار بے معنی سے لگتے ہیں اور اگر ان میں کچھ معنی ہوں بھی تو وہ عام فہم سے بالاتر ہیں۔ جیسا کہ غالب کے بارے میں ان کے ہم عصروں نے کہا تھا۔

مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

ان کو یہ بھی اعتراض تھا کہ حافظ کے بعض اشعار خلافِ شرع ہیں اور ان مین سوائے عیش کوشی کے اور کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ نیز یہ بھی ان کے اشعار، اشاعرہ کے عقیدے کے غماز ہیں۔ یعنی وہ جبر کے قائل ہیں۔ محمد دارابی نے ان اشعار کی تشریح کے ساتھ ساتھ ان سب اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔

حافظ نامہ: یہ کتاب اپنی نوعیت کی ایک منفرد کتاب ہے۔ اس کے پیش گفتار میں مصنف بہاء الدین خرمشاہی نے اس کتاب کی وجہِ تصنیف پر روشنی ڈالی ہے۔ لکھتے ہیں۔

"کارنامۂ حافظ شناسی معاصران پُر برگ است اما پُر بار نیست. اگر کارهای کرده اندک نیست ، کارهای نکرده نیز بسیار

است. باوجود چند واژه نامه و فرهنگِ اشعارِ حافظؒ، هنوز مشکل لغت، معنائی شعر حافظؒ نیز حل نشده است تاچه رسد، به مشکلات معنائی و معنوی و فکری و فرهنگی، هنوز بی تازگی از آب وگل تصحیح دیوانِ حافظؒ بیرون آمده ایم۔"(۲۹)

اس میں حافظ کی تقریباً ڈھائی سو چنندہ اور عمدہ غزلوں کا انتخاب کیا ہے۔ اور ان میں آنے والے الفاظ کی شرح، اعلام، مفاہیم کلیدی اور دشوار ابیات و اشعار کی تشریح کی گئی ہے۔ تمام غزلیں (۱ تا ۲۵۰) ترتیب سے دی گئی ہیں۔ اور اسی طرح اشعار کے نمبر بھی ہر غزل میں درج کیے گئے ہیں۔ (طاق ہندسوں کے اعتبار سے) تاکہ ہر غزل کے اشعار کی تعداد معلوم ہو سکے اور شرح میں بھی انھیں نمبروں کی ترتیب سے کام لیا گیا ہے۔ تمام غزلوں کا متن علامہ قزوینی کے متن مصحح سے لیا گیا ہے۔

شرح میں ارجاعات کی فہرست ''نگاہ کیند بہ'' کے عنوان سے دو حیثیتوں سے دی گئی ہے۔ ایک تو وہ لفظ جو بیشتر غزلوں میں کلیدی حیثیت سے استعمال ہوا ہے۔ اور اس کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ جیسے عشق، یا عاشقی یا محبت یا مہر یا دوستی۔ یہ تمام الفاظ تقریباً ۲۲۸ غزلوں میں موجود ہیں۔ ان ارجاعات کے اشارے علامت کے ذریعے دیے گئے ہیں۔

اسی طرح دوسری فہرست میں علامتوں کی تشریح جیسے تجلی نیز عشق یا عشق نیز تجلی وغیرہ کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اس طرح حافظ کے اشعار میں آنے والے کلیدی الفاظ اور علامات کی معلومات واضح ہوگئی ہے۔ جیسے

۱۔ جنت کے ارجاعات: بہشت، عدن، جنۃ الماویٰ، دار السّلام، روضۂ رضواں، فردوس وغیرہ۔

۲۔ مے کے ارجاعات: آبِ طرب ناک، ام الخبائث، پیرِ دہقاں، پیر گل رنگ، تعزیر، تلخ وش، جرعہ افشاندن بر خاک، جنسِ خانگی، خندۂ جام، خون رزاں، دخترِ رز، دُرد کشاں، راح، رواق، رطل، روشنی می زدن (نوشیدن)، شادی خوردن، شراب خانگی، شراب مدام، صراحی، صہبا، کاسہ، می خام، می مشک، میخانہ، میرِ مجلس، نبیذ، نوش، یاقوت، یاقوت رمانی، وغیرہ۔ یہ تمام شراب کے استعارے ہیں۔ جنھیں غزلیاتِ حافظ کے مطالعے کے دوران جاننا ضروری ہے۔

اس کے علاوہ ڈھائی سو غزلوں کی فہرست بھی دو طریقوں سے بنائی گئی ہے۔ ایک مطلع کے اعتبار سے ''فہرست مطلعہا'' دوسرہ قافیوں کے اعتبار سے ''فہرستِ قوافی''۔

پھر ''محتوای این شرح'' کے عنوان سے تشریحات اس طرح ہیں۔

۱. **شرح الفاظ و عبارات** : مثلاً آبِ خضر، آبخور، آستین افشاندن وغیرہ۔

۲. **شرح اعلام**: مثلاً آئینۂ سکندر، اختر گذشتن، من یرید، راہی بہ رہی۔

۳. **شخصیت ہای قرآنی**: مثلاً آدمؑ، نوحؑ، سلیمانؑ، موسیٰؑ، خضرؑ، عیسیٰؑ، سامری، ابولہب، ، ہاروت، روح الامیں وغیرہ۔

۴. **اعلام جغرافیائی**: مثلاً آبِ رکناباد، شیراز، بخارا، سمرقند، جوی مولیان، خطا، ختن، چگل ہفت دریا وغیرہ۔

۵. **شخصیت ہای موجودات اساطیر و نیم تاریخی**: مثلاً رستم، سیاوش، زو، کاووس، بہمن، قباد، سروش، اہرمن، ہما، حاتم طائی، مجنوں، لیلیٰ، فرہاد وغیرہ۔

مفاهیم کلیدی :

۱. **قرآنی** : بیان واخذ واقتباس ہای پیداو پنہان حافظ از آیات قرآن مجید، چاردہ روایت، اسمِ اعظم، اسماء اللہ، حقائق، شب قدر، دعا، ملکوت، عین الیقین وغیرہ۔

۲. **کلامی** : مثلاً کسب، جوہر، فرد، بحث، در جبر انگاری حافظ، بحث در اختیار انگاری حافظ، بحث دراشعری گری حافظ، گرایش ہای شیعی او، رویت الہی، دور، تسلسل، مسئلہ عدلِ الہیٰ وشر وغیرہ۔

عرفانی: مثلاً اسغنا، سماع، شطح، طامات، تجلی، عشق، طریقت، توبہ، ورع، زہد، صبر، توکل، رضا، فنا، صوفی، خانقاہ، خرقہ، کرامات وغیرہ

۴. **فقہی**: چارتکبیر زدن، صیدِ حرام، تعزیر یا تکفیر، بندۂ پیر را آزار کردن وغیرہ۔

۵. **موسیقائی**: مثلاً آہنگ، ابریشم، ارغنوں، راہ، حجاز، عراق، بازگشت، چنگ، صبوح وغیرہ۔

۶. **موجودات شعری و سمبلیک و مفاهیم هنری**: مثلاً پیرِ مغاں، دیر مغاں می مغاں، جامِ جم، خرابات، ساقی، میخانہ، رندی، گنج وویرانہ، آہ وآئینہ، ذرہ وخورشید، ابرو ومحراب، نسیم وغنچہ، زلف وتاب بنفشہ، چشمِ نرگس، قدحِ لالہ، سوسنِ دہ زباں، بادِ صبا، بیماری صبا، بیماری چشمِ یار، چاہِ زنخداں، تبسم صبح، خندۂ جام، خندۂ شمع، سرورواں، گنجِ رواں، زلفِ دوتا، خالِ ہندو وغیرہ۔

۷۔ اشارہ بہ صناعات ادبی: مثلاً تشریح استعارات و تشبیہات و جناس ہا و از مہم تر باز کشودن بہ ایہام ہا وغیرہ۔

۸۔ بحث در اختلافات قرآت: مثلاً دیو سلیماں ر مسلماں نشود، کشتی شکستگاں ر کشتی نشستگاں، ملبوس زہد بہ وجہ خمار بنشیند ر نشیند، شُد ر شَد، گلابی یا شرابی گوہر معرفت اندوز ر آموز، حیوانی کہ ننوشد می ر بنوشد میں، دو کون بفروشند ر نفروشند وغیرہ

۹۔ مفاہیم مربوط بہ فرہنگ عامہ: مثلاً چشم زخم، کیمیا، گوہر شدن قطرۂ باراں، لعل پروری خورشید، فال، استخارہ وغیرہ۔

۱۰۔ اصطلاحات نجومی: مثلاً ہفت اختر، پروین، زہرہ، زحل، طالع، ارتفاع، دور قمری، اوج، زوال وغیرہ۔

شرح ابیات دشوار: اس کے تحت مشکل الفاظ کی تشریح اور اس کے معنی و مفہوم سادہ نثر میں پیش کیے گئے ہیں۔

بحث در سوانح حال و ہنر و ذہن و زندگی حافظ:

مثلاً حافظ و خوش خوابی، حافظ و حکام، حافظ و سفر، حافظ و سوگِ فرزند، حافظ و ملامتی گری، حافظ و ہم جنس گرای وغیرہ۔

روشِ تدوین این شرح:

یہ شرح سابق شرحوں سے مختلف انداز میں پیش کی گئی ہے۔ اس میں دو طریقے ہیں۔
ایک شرحِ حافظ بہ حافظ یعنی حافظ کے اشعار ہی سے حافظ کے مشکل شعروں کی شرح کی گئی ہے۔

دوسرے حافظ کے پیش رو اور معاصرین کے کلام کی مثالوں کے ذریعے حافظ کے اشعار کی تشریح کی گئی ہے۔ یہ روش اسلامی اور قدیم ہے کہ صدرِ اوّل کے مفسّرین اکثر آیتوں کی شرح، قرآنی آیات ہی سہارے سے کرتے ہیں۔

اسی کے ساتھ اس میں ایک طویل مبسوط مقدمہ بھی شارح نے شامل کرلیا ہے۔ جس کے چند ذیلی عنوانات یہ ہیں۔ وجوہِ امتیاز و عظمتِ حافظ، اسطورہ سازی حافظ، رند و رندی حافظ، فضل و فرہنگ و مقام علمی حافظ، عرفان و اخلاقِ حافظ، حافظ اندیشہ مندست و در شعرش فلسفہ می ورزد، حافظ مصلح اجتماعی است، سخنوری و صنعت گری حافظ، انقلاب غافظ در غزل، حافظ و موسیقی، تاویل پذیری شعرِ حافظ، طنز و طربناک کی حافظ، حافظ ہم مضمون گراست و ہم معنی گر۔

اس کے بعد ''تاثیر پشیمان بر حافظ'' کے عنوان سے ایک الگ باب ہے۔ جس میں فارسی شاعری کے ابتدائی دور سے تا عصرِ حافظ، کلامِ حافظ کا دیگر شعراء کے ساتھ موازنہ کیا گیا ہے۔ جن میں سنائی، انوری، خاقانی، ظہیر فاریابی، نظامی، عطار، کمال الدین اسماعیل، اصفہانی، عراقی، سعدی، نزاری قہستانی، امیر خسرو، اوحدی، خواجہ کرمانی، عبید زاکانی، ناصر بخارائی، سلمان ساوجی، اور کمال خجندی وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

غرضیکہ بہاؤالدین خرمشاہی نے اس اعتبار سے ایک اہم کام انجام دیا ہے۔ ان کے علاوہ دیوانِ حافظ کی اور بھی بہت سی فارسی شرحیں موجود ہیں۔ مثلاً 'کشف الاسرار' کے نام سے محمد فضل اللہ الہ آبادی کی شرح۔ 'بحر الفراسہ (عبداللہ خلیفہ بن عبدالحق کی شرح) اس کی تلخیص 'خلاصہ البحر' کے نام سے کی گئی۔ ایک اور شرح محمد ابراہیم بن محمد سعید نے کی۔

حافظ به سی زبان:

یہ کتاب محسن رمضانی کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ جب International Unesco Organization نے ۱۹۸۸ء کو حافظ کا سال قرار دیا تو پدیدہ نے یہ نسخہ شائع کیا۔

دائیں طرف سے ابتدا میں ناصر الدین زمانی کا ایک طویل دیباچہ ''بنامِ خدا'' کے عنوان سے شامل ہے۔ جس میں کلامِ حافظ پر ایک وقیع رائے پیش کی گئی ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر رضازادہ شفق کے خیالات حافظ کے متعلق درج ہیں۔ پھر 'نقشے از حافظ' سے علی دشتی کا ایک اقتباس شامل کیا گیا ہے۔ گوئٹے نے حافظ کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اس کا فارسی ترجمہ بھی اس کتاب میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ نطشے، فٹز، جیرالڈ اور پروفیسر آربری کے بیانات حافظ کی شاعری سے متعلق شائع کیے گئے ہیں۔

کتاب میں بائیں جانب سے اسپرانتو میں ایک مقدمہ ہے اس کے بعد انگریزی میں حافظ کے حالات درج ہیں۔

اس کتاب میں مختلف زبانوں میں لکھے گئے جو مقدمے شامل ہیں ان کی فہرست کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ مقدمہ در زبانِ فارسی: دکتر ناصر الدین صاحب زمانی

۲۔ مقدمہ در زبان انگریزی: G.M. Wickness

۳۔ مقدمہ در زبان اسپرانتو: William Auld

(یہ اسکاٹ لینڈ کے مشہور شاعر تھے۔ اس نے اسپرانتو کے علاوہ انگریزی

میں بھی حافظ کا ترجمہ کیا ہے۔)

۴۔ترجمہ، مقدمہ بزبان اسپرانتو: دکتر ناصرالدین زمانی

۵۔ترجمہ مقدمہ بزبان انگلش: مہندس سیّد سعید ہندوی

۶۔ترجمہ، مقدمہ بزبان فرانسیہ: استاد برزو فرامرزی

۷۔ترجمہ، مقدمہ بزبانِ ربی: سیّد محمد حسن حائری نیا

آخر میں حافظ تشریح کے عنوان سے عبدالحسین ہژبر نے شرح پیش کی ہے۔

ہر غزل کے ترجمے سے قبل مطلع کا پہلا مصرع دیا گیا ہے اور غزل نمبر بھی دیا گیا ہے۔

ترجمے کل تیس زبانوں میں کیے گئے ہیں جو درج ذیل ہیں۔ اسپرانتو، آلمانی، اردو، ارمنی، ازبکستانی، انگلیسی، اکراین، بلغاری، تاجکیستانی، ترکی، چینی، چک، دانمارکی، روسی، رومانی، ژاپنی، سانس کریت (سنسکرت)، سوئڈی، عربی، فرانسہ، قلاندی، قفقازی، کردی، کرجی، لہستانی، حجازی، نروژی، ہلندی اور ہندی۔

تمام زبانوں میں مختلف غزلوں کا انتخاب کیا گیا مگر بعض غزلیں جو تقریباً ان میں سے ہر زبان میں ترجمہ ہوئیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔اگر آن ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ مارا

۲۔الا یا ایہا الساقی ادر کا سأ و ناولہا

۳۔ای ہدہد صبا! بہ سبا می فرستمت

۴۔صلاح کار کجا و منِ خراب کجا

۵۔حاصلِ کارگہِ کون ومکاں این ہمہ نیست

۶۔شراب وعیش نہاں چیست کارِ بے بنیاد

۷۔بیا کہ قصرِ امل سخت سست بنیاد ست

۸۔واعظاں کیں جلوہ برمحراب ومنبرمی کنند

ان ترجموں میں بعض زبانوں میں حافظ کے مطلعے ترجمہ کے اوپر دیئے گئے ہیں تاکہ پتہ چل سکے کہ کون سی غزل کا ترجمہ ہے۔ لیکن بعض زبانوں میں یہ مفقود ہیں۔ اس وجہ سے سمجھنے میں دشواری آتی ہے کہ یہ کون سی غزل کا ترجمہ ہے۔ مثلاً اسپرانتو، آلمانی، انگریزی، اردو، ارمنی، ازبکستانی، ترکی، روسی، سنسکرت، وغیرہ میں فارسی مطلعے موجود ہیں۔ مگر بلغاری، چینی، چک، دالمارکی، اوکراین، رومانی۔ ژاپنی (جاپانی ۹، نروژی، ھلندی، ہندی (غالباً پنجابی یا سندھی) اور

سوئدہ میں مصرعے موجود نہیں ہیں۔ فراوژی میں غزلوں کے عنوانات دیے گئے ہیں۔

اردو ترجمہ (قاضی سجاد حسین)، انگریزی ترجمہ Gertrud Bell سے لیا گیا ہے۔ اور Dennison Ross کا مقدمہ بھی شامل ہے سنسکرت میں ایک جدّت یہ ہے کہ ہر شعر کے ساتھ اس کا ترجمہ دیا گیا ہے پھر دوسرا اشعر اور اس کا ترجمہ۔ اس طرح پوری غزل کا ترجمہ دیا گیا ہے عربی ترجمہ الدکتور ابرہیم امین الشورابی نے کیا ہے۔ اس میں دکتور طہٰ حسین بک کا مقدمہ بھی شامل ہے ترجمہ منظوم ہے اور حافظ کی غزل کی بحر میں ہی کیا گیا ہے۔ مثلاً۔

حافظ:

الا یا ایہا ساقی ادر کاساً و ناولہا
کہ عشق آساں نمود اوّل ولی افتاد مشکلہا

دکتور ابراھیم:

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و نا ولہا
فانّی ھا ئم و جداً ، فلا تمسک و عجلہ

حافظ:

بمی سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بی خبر نبود ز راہِ رسمِ منزلہا

دکتور ابراھیم:

وشیخی عارف یدری رسوم الدار فاتبعنی
و خذ سجادۃ التقویٰ بماء الکرم فا غلسہا

فرانسیسی میں ترجمہ Calque Rhytmique نے کیا ہے اور اس مین سودی کی تفسیر نوٹس کے ساتھ شامل ہے۔ فنلا ندی میں ترجمہ Henri Broms نے کیا ہے۔ اس کا مقدمہ Jussitunri کا لکھا ہوا ہے۔

غرضیکہ اس کتاب میں بیک وقت حافظ کی کئی غزلوں کے ترجمے دنیا کی تیس مختلف زبانوں میں پیش ہیں۔ اور تیس زبانوں کے قارئین اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ مولانا محمد اسلم نے فارسی کی چند اور شرحوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کے شارحیں درج ذیل ہیں۔

میر سیف الدین ابوالحسن عبدالرحمٰن ختمی و کتب خانہ بانکی پور، شیخ محمد دہلوی، مولوی سیّد

علی، شیخ یوسف لاہوری وغیرہ۔ ان تمام شرحوں کے مطبوعہ یا قلمی نسخے کتب خانہ بانکی پوری میں موجود ہیں۔ جبکہ مولوی صادق علی کی شرح لکھنؤ سے طبع ہوئی۔ شرح رضوی جو مولانا کمال الدین احمد کی لکھی ہوئی ہے، کا قلمی نسخہ کتب خانہ علی گڑھ کالج میں موجود ہے۔ 'بدرالشروح' کے نام سے مولانا بدرالدین اکبرآبادی کی ایک شرح دہلی سے شائع ہوئی۔ مولوی ہادی علی نے ''حاشیہ دیوانِ حافظ'' لکھا جو لکھنؤ کی مطبوعہ ہے۔ مولوی فتح علی نے بھی ''حاشیہ'' دیوانِ حافظ لکھ کر بمبئی سے شائع کروایا۔ ممبئی ہی سے مطبع محمدی سے دیوانِ حافظ مترجم آقا مرزا محمد باقر دہلوی شائع ہوا جس میں ایک تفصیلی مقدمے کے ساتھ، اشعار کی تشریح حاشیوں میں دی گئی ہے۔ دیوانِ حافظ مع اصطلاحات صوفیہ مطبع نامی لکھنؤ سے قطب الدین احمد نے جون ۱۹۰۴ء میں شائع کروایا۔ یہ تمام شرحیں اب نایاب ہیں۔ اور اکثر تو ڈھونڈنے پر بھی نہیں ملتیں۔

ان سب کے علاوہ ایک اور کتاب کا ذکر ناگزیر ہے جو فارسی میں لکھی گئی ہے۔ اس کے مرتب ہیں پروفیسر عبدالمنان بیدل۔ یہ کتاب الہ آباد سے لالہ رام نرائن نے ۱۹۴۵ء میں پہلی بار شائع فرمائی۔ اس میں فارسی میں حافظ کے حالات زندگی دیے گئے ہیں اور شاعری پر بحث کی گئی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

> "در دیوانِ حافظ برائے ہر کس ___ رند و زاهد، شیخ و شاب، محتسب و مے گسار، مست و هشیار صوفی و ملّا، واعظ و گناه گار، زاهد و زندیق، عاشق و عاقل، بادشاه و بے نوا، کامران و ناکام، دررِ معانی غریب است۔" (صفحہ ۸۱)

اس کتاب کی فارسی بہت سلیس اور عام فہم ہے۔ اس کا مواد فارسی میں حافظ پر لکھی گئی کتابوں سے اخذ کر کے تیار کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اسے تصنیف کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

دیوانِ حافظ کے اردو ترجمے اور شرحیں:

یوں تو حافظ کی شہرت ان کی زندگی ہی میں چار دانگِ عالم میں ہو چکی تھی لیکن ہندوستان میں ان کو جتنی مقبولیت حاصل ہوئی شاید ہی کسی اور ملک میں ہوئی ہو۔ اس کا ثبوت حاکم بنگالہ اور والیٔ دکن کی جانب سے حافظ کو ہندوستان مدعو کرنے کے واقعوں سے ملتی ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ تو یہ ہے کہ ہندوستان اور ایران میں زمانۂ قدیم سے تعلقات چلے آ رہے تھے۔ پھر مغلوں کی آمد کے بعد سے خاص طور پر فارسی سے دلچسپی عام ہو گئی درباری و سرکاری زبان فارسی ہونے کی وجہ سے یہاں کے ہندو اور مسلمان سبھی اس زبان میں تعلیم حاصل کرنے لگے نیز

فارسی ادب اور خاص طور پر فارسی شاعری کا چرچہ اتنا عام ہوا کہ نہ صرف خواص بلکہ مدرسوں اور مکتبوں میں عوام بھی سعدی اور حافظ پڑھنے لگے سعدی جہاں اپنی اخلاقی تعلیمات کے باعث لوگوں کے دلوں میں گھر کر گئے وہیں حافظ اپنی رندانہ سرمستی اور تصوّف ومعرفت کے باعث رگ وپے میں اُتر گئے۔ یہ وہ دور تھا جب ہندوستان میں صوفیائے کرام کی خانقاہیں آباد تھیں۔ اور شاہ سے لے کر تا گدا سبھی وہاں حاضری دیتے تھے سماع کی محفلیں برپا ہوتی تھیں ان محفلوں میں حافظ کی غزلیں ایک عجیب سماں باندھ دیتی تھیں۔ حافظ کی شاعری کی اسی روح اور روحانیت کو سمجھنے اور سمجھانے کی غرض سے اردو کے فارسی عالموں نے اس کا ترجمہ اردو میں کرنا شروع کیا چونکہ صرف ترجمہ کافی نہ تھا کلام حافظ کچھ اور بھی چاہتا تھا لہذا دیوانِ حافظ کی شرحیں بھی اُردو میں لکھی گئیں کچھ تو فارسی کی تربیت ذوق کی خاطر اور کچھ فارسی نصاب تعلیم ہونے کی وجہ سے امتحان میں طلبہ کی سہولت کے پیش نظر بھی ترجمے اور شرحیں لکھی گئیں اس طرح یکے بعد دیگرے کئی ترجمے اور شرحیں منظر عام پر آئیں اور حافظ کے فن اور سوانح پر کئی کتابیں لکھی گئیں۔

عام طور پر دیوان حافظ کے جو ترجمے اور شرحیں دستیاب ہیں اُن میں سے کچھ ترجمے نثری ہیں اور کچھ منظوم۔ اسی طرح کچھ ترجمے حافظ کی تمام غزلوں کو سامنے رکھ کر کئے گئے ہیں اور بعض ترجموں میں انتخاب سے کام لیا گیا ہے عام طور پر غزلوں کے ترجمے کئے گئے بعض حضرات نے صرف رباعیات کے ترجمے بھی کئے۔ ان ترجموں اور شرحوں میں سے چند قابل ذکر درج ذیل ہیں۔

۱۔ دیوانِ حافظ۔ مترجم میرزا جان صاحب:

یہ ترجمہ فارسی عالم مولوی میرزا جان صاحب دہلوی نے کلکتہ کے ایک مشہور تاجر کتب حاجی محمد سعید کی فرمائش پر کیا۔ جو مطبع مجیدی کانپور سے طبع ہو کر ۱۸۶۷ء میں منظر عام پر آیا۔ اس دیوان میں غزلوں کے اشعار کے نیچے ہر شعر کا ترجمہ دے دیا گیا ہے البتہ ضروری شرح وتشریح حواشی کی صورت میں تین حاشیے پر کردی گئی ہے اس کی زبان بے حد صاف اور سلیس ہے۔ مثلاً۔

منم کہ شہرۂ شہرم بعشق ور زیدن
(ترجمہ: وہ میں ہی ہوں کہ عاشق میں شہر میں مشہور ہوں)

منم کہ دیدہ نیآلودہ ام بہ بد دیدن
(ترجمہ: وہ میں ہی ہوں جس نے عیب بینی سے اپنی آنکھوں کو آلودہ نہیں کیا)

مرو کہ در غمِ ہجر تو از جہاں برویم
(ترجمہ: تُو مت جا کیونکہ ہم تیری جدائی کے غم میں جہاں سے چلے جائیں گے)

بیا کہ پیش تو از خویش ہر زماں برویم

(ترجمہ: آ کہ ہم تیرے آگے ہر گھڑی بے خود و محو ہو ویں)

درج ذیل شعر میں ترجمے کے ساتھ حاشیے میں اس کی تشریح اس طرح دی گئی ہے۔

من ہما ندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق

(ترجمہ: میں نے جب عشق کے چشمے سے وضو کیا)

چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہرچہ کہ ہست

(ترجمہ: ہر چیز پر کہ ہے، چار تکبیریں پڑھی ہیں (ترک کیا ہے)

حاشیہ: خلاصہ اس شعر کا یہ ہے کہ جب سے میں نے عشق اختیار کیا، دل کے خونِ خالص سے وضو کیا عشق کے مرشد کی طرف رجوع کی اور غیر کے خطروں اور وسوسوں کو دل کی تختی سے دھو دیا۔)

۲۔ دیوانِ حافظ مترجم۔ محمد عنایت اللہ:

محمد عنایت اللہ نے یہ ترجمہ ۱۳۲۴ھ میں کیا جو بندے ماترم پریس، لاہور سے شائع ہوا۔

اس مترجم دیوان کی ابتدا میں مترجم نے فارسی زبان کی اصل اور اس کی قسموں کی تاریخ بیان کی ہیں۔ مثلاً پہلوی، دری، زاوی، سکری، سندی، ہروی وغیرہ۔ ان سب کی تفصیل بیان کی ہے۔ پھر فارسی شاعری کی مختصر تاریخ قلم بند کی ہے۔ اور اس کو تین ادوار میں تقسیم کر دیا ہے جو اپنی اپنی خصوصیات کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ مثلاً پہلا دور مضمون آفرینی، سادگی اور اخلاق و موعظت کا دور ہے۔ اس میں رودکی، اسدی طوسی، عنصری، عرفی اور فردوسی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ دوسرا دور خاقانی، انوری، نظامی، حکیم سنائی، مولانا روم اور عمر خیام کا دور ہے۔ عربیت، بلاغت، ضائع بدائع کا استعمال، رنگینی، لطافت اور بلاغت اس دور کی اہم خصوصیات ہیں۔ تیسرا دور وہ دور ہے جب معانی والفاظ دونوں ترقی پا کر کامل ہو گئے۔ سعدی، امیر خسرو اور حافظ اس دور کے نمائندہ شاعر ہیں۔ اور چوتھا دور جو غزل کی ترقی کا دور ہے اور استعارہ، نزاکت اور نکتہ آفرینی اس کی پہچان ہے۔ یہ دور فیضی، عرفی، نظیری، طالب آملی، ابوطالب کلیم اور مرزا صائب کا دور ہے۔

فارسی شاعری کی اس مفصل تاریخ کے بعد حافظ کے حالاتِ زندگی اور اُن کے کلام کی خصوصیات سے بحث کی گئی ہے۔

اس کے بعد ترجمہ شروع ہوتا ہے ترجمہ صاف اور سلیس زبان میں ہے حاشیے میں جان صاحب کی طرح مختصر سی تشریح ضرورت کے تحت دی گئی ہے کہیں کہیں ترجمے ہی میں وضاحت کر دی گئی ہے۔ مثلاً۔

بمی سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
که سالک بے خبر نبود زراہ و رسمِ منزل ہا

ترجمہ: اگر مرشد (طریقت) کہے تو مصلّٰی (مجاز) کو شراب (حقیقت) سے رنگین کردے کیوں کہ خُدا کے راستے پر چلنے والے راہ کے دستور دائیں سے واقف نہیں ہوتے۔

تشریح: اس شعر میں متصوفانہ رنگ ہے ساقی سے مراد راہ بر حقیقی ہے۔ جام، شراب سے مراد مقصودِ عشق الٰہی ہے اور در حقیقت اس شعر میں مرشدِ کامل سے استمداد طلب کی گئی ہے وہ اس پر خطر منزل میں سالک کی مدد کرے۔

۳۔شرح یوسفی:

یہ شرح مولانا محمد یوسف علی شاہ چشتی نظامی کی تحریر کردہ ہے اور مطبع نولکشور سے اگست ۱۹۱۳ء میں طبع ہوئی، اس شرح کی خصوصیت یہ ہے کہ دیوانِ حافظ کے چیدہ چیدہ مشکل اور اہم اشعار کی شرح اصطلاحاتِ معنوی میں بڑی دلچسپی کے ساتھ اس طرح قلم بند کی گئی ہے کہ اسے 'کید گنجینۂ معرفت' یا ''مفتاح اسرار و حقیقت'' کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر صرف ایک شعر پیش ہے۔

بمی سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
که سالک بی خبر نبود ز راہِ رسم و منزلہا

ترجمہ: اگر تجھ کو پیر مغاں کہے تو مصلّے کو شراب سے رنگین کردے کہ سالکِ عشق بے خبر نہیں رہتا ہے رہ ورسم منزلوں سے۔

اس کے بعد مصطلحات کی ایک تفصیلی شرح دی گئی ہے پھر یوں تشریح کی گئی ہے۔

بمی سجادہ رنگین کُن : شرابِ ظاہری سے وجودِ نفسانی کو آلودہ کردے کہ وہ جائے سجود طاعات وعباداتِ جسمانی ہے۔

گرت پیر مغاں گوید: اگر پیر رندِ عشق تجھ کو تلقین کرے یعنی شراب نوشی اختیار کر، گو تجھ کو یہ امر اس دم بظاہر خلاف مذہب معلوم ہوتا ہے۔

که سالك بی خبر نبود: کس واسطے کہ سالک عشق بے خبر نہیں رہتا ہے۔

زراہ ورسم منزلها: پُر اسرار منازلِ سیر سلوک سے یعنی اب تجھ کو پیر طریقت رندِ مشرب کہنے سے یہ امر خلاف مذہب معلوم ہوتا ہے مگر ہنگامِ سیر سلوک و طے منازل کے اس راز سے تو باخبر ہو جائے گا کہ یہ امر فعلی ہے، قولی نہیں ہے۔

بقول استاد: تُرا دیدہ و یوسف را شنیدہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ

حاصل معنی بیت: اگر پیر رندِ عشق تجھ کو تلقین کرے تو شراب ظاہری سے وجودِ نفسانی کو آلودہ کر دے۔ کس واسطے کہ سالک عشق بے خبر نہیں رہتا ہے اسرارِ منزلِ سیر سلوک سے۔

نتیجہ: یعنی بموجب تلقین پیر رند مشرت کے طاعتِ جسمانی و عبادتِ ظاہری کو ترک کر دے اور اس شراب ظاہری سے اپنے وجود نفسانی کو رنگین کر لے کہ جب تو سلوکِ منازل طے کرے گا تو اس رازِ خلاف مذہبی سے تو خبردار ہو جائے گا۔ میں اس وقت شرابِ معرفت تجھ کو پلا کر رازِ دیدہ معرفت کا منکشف کر دوں گا کہ مشکلاتِ عشق تجھ کو آسان ہو جائیں گے۔

اسی طرح تمام اشعار کے ترجمے اور اُن کی تشریحات تفصیل کے ساتھ کی گئی ہیں۔

۴ لسانِ الغیب (اردو شرح دیوانِ حافظ):

دیوانِ حافظ کی یہ شرح جو میر ولی اللہ نے فرمائی ہے اپنے زمانے کی بے حد مقبول شرح ہے اور اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں یہ شرح اتنی ضخیم ہے کہ دو جلدوں میں شائع ہوتی ہے۔ جو غالباً ۱۹۲۲ء سے قبل شائع ہوئی البتہ اس کی جلد دوّم کا دوسرا ایڈیشن کاشی رام پریس لاہور سے ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا اور جلد اوّل کا تیسرا ایڈیشن نولِ کشور پریس لاہور سے ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا۔

جلد اوّل کے دیباچے میں حافظ محمد اسلم کے اس حوالے سے کہ حافظ کے اکثر شارحین نے بالکل صوفیانہ مذاق کی شرحیں لکھیں، ادبی خوبیوں پر توجہ نہیں دی مروجّہ شرحوں پر تنقید کرتے ہوئے میر ولی اللہ رقم طراز ہیں۔

"مروجّہ شرحوں میں شارحین نے یہ کوشش کی ہے کہ ہر ایک کے شعر کے حقیقی معنی بھی بیان کر دیے جائیں چنانچہ جہاں خواجہ صاحب نے کسی ممدو ح کا نام لیا ہے۔اس نام کی تعبیر بھی ان بزرگوں نے حقیقی رنگ میں کی ہے اگر کہیں بادشاہ کا نام ہے تو بجائے اس کے کہ اس شعر میں تاریخی پہلو اختیار کیا جائے لکھ دیتے ہیں کہ مراد حضرتِ رسولِ کریمؐ سے ہے سلطان اویس سے، اویس قرنی مراد لیتے ہیں حتٰی کہ تواریخی واقعات کی ایسی صورت بگاڑدی جاتی ہے کہ شعربے مزہ اور بے لطف معلوم ہونے لگتا ہے۔"

اس تنقید کے بعد خود شارح کا اپنا دعوٰی یہ ہے کہ۔

'لسان الغیب' میں جہاں تک ممکن ہو سکا ہے تمام تاریخی واقعات کو تاریخی پہلو سے

واضح کیا گیا ہے تاریخی ناموں پر نوٹ لکھے گئے ہیں۔ شعر کی تمام ادبی خوبیاں بیان کر دی گئی ہیں۔ رنگِ تصوّف بھی موجود ہے اور ادبی پہلو بھی ملحوظ۔ دوسرے شاعروں کے مختلف اور کثیر التعداد اشعار جابجا درج ہیں جو خواجہ صاحب کے اشعار کے معانی واضح کرنے میں بہت مدد دیتے ہیں خواجہ صاحب نے اگر کوئی خیال دوسرے شاعر کے کسی شعر سے لیا ہے تو وہ شعر بھی لکھ دیا گیا ہے۔

چونکہ خواجہ صاحب کے کلام میں قرآنی الفاظ اکثر استعمال ہوتے ہیں آیات قرآنی کے مضامین پر اکثر شعر دیوان میں موجود ہیں اس لئے ہر مناسب موقعے پر آیات لکھ دی گئی ہیں چنانچہ ناظرین دیکھیں گے کہ 'لسان الغیب' میں جابجا آیات اور حدیثیں موجود ہیں۔

اگر ایک مضمون خواجہ حافظ صاحب کے کلام کا کئی مختلف شعروں میں ادا ہوا ہے تو ہر موقع پر دوسرے شعر کا حوالہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض مقامات پر آٹھ آٹھ، دس دس اشعار کا حوالہ دیا گیا ہے۔ شعروں کا حوالہ ردیف، غزل اور شعر نمبر کے ذریعے اس طرح دیا گیا ہے کہ ''د۷/۳'' سے مراد، ردیف ''د''، غزل ۳، شعر ۷ ہے۔

غزلوں اور شعروں کو کتاب میں نمبر دیے گئے ہیں تاکہ اشعار کی تلاش میں آسانی ہو۔ خواجہ کی مفصل سوانح عمری بھی کتاب کے شروع میں دی گئی ہے جس میں خواجہ کے کلام پر مختلف پہلوؤں سے تفصیلاً بحث بھی کی گئی ہے۔ چونکہ دیوان کے بعض شعروں میں شاہانِ وقت اور امرائے عہد کے نام بھی موجود ہیں، اس لیے ان لوگوں کے حالات بھی بطریقِ اجمال سوانح عمری خواجہ حافظ میں درج کیے گئے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو سکا ہے اشعار بے معانی و مطلب کو واضح کرنے اور کتاب کو دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔'' (۳۰)

اس میں شک نہیں کہ شارح کا یہ دعویٰ باطل نہیں بلکہ واقعی کتاب اس اعتبار سے دیگر شرحوں کے مقابلے میں زیادہ دلچسپ ہو گئی ہے۔

میر ولی اللہ نے حافظ کے دیوان میں الحاقی غزلوں اور قطعات پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے اور شعر العجم اور دیوانِ حافظ مطبوعہ نول کشور سے حافظ کے اس قطعہ کی مثال پیش کی ہے جو شاہ ابو اسحاق اور اس عہد کے امراء کی شان میں لکھا ہوا ہے۔ دونوں نسخوں میں اختلاف ہے۔ اسی طرح انھوں نے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ کس طرح ہندوستان کے چھپے ہوئے بعض نسخوں میں سعدی، خواجو اور سلمان کے دیوانوں میں خلط ملط ہے۔ کلیاتِ سعدی مطبوعہ نول کشور پریس اور دیوانِ حافظ کی چند مشترکہ غزلوں کی نشان دہی بھی کی ہے۔ اور یہ بھی انکشاف کیا

ہے کہ جہاں خواجہ کے دیوان میں دوسرے کی غزلیں پائی جاتی ہیں وہیں ان کی بعض نسخوں میں نظر نہیں آتیں۔ مثلاً ''آنانکہ خاک رابنظر کیمیا کنند'' والی غزل دیوانِ حافظ مطبوعہ لکھنؤ کے نسخے میں موجود نہیں۔

۵۔ الشرع فی المجاز:

ملا محمد عبداللطیف گوجروی کی تحریر کردہ یہ شرح ۱۲ ربیع الثانی، ۱۳۴۸ھ میں آگرے سے شائع ہوئی۔ مشہور فرانسیسی محقق گارساں دتاسی نے اپنے خطبات میں ایک جگہ اس کا ذکر کیا ہے۔ ''فارسی کے مشہور شاعر حافظ کے دیوان کا اردو ترجمہ آگرہ سے طبع ہوا ہے۔'' (خطباتِ گارساں دتاسی، صفحہ ۴۷۹۔ مطبوعہ انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد ۱۹۳۵ء)

ہر چند کہ اس میں شارح کا نام درج نہیں مگر خیال اغلب یہی ہے کہ یہ ملا عبداللطیف ہی کی شرح ہے۔ اس شرح کے متعلق کتاب کے آخر میں مختلف عالموں کی رائے بھی شائع کی گئی ہے۔ مثلاً محمد ضیاء الاسلام کا خیال ہے کہ۔

" مولانا (عبد الطیف) نے ایک ایک شعر کے کئی کئی مطالب بیان فرمائے ہیں اور مطالب کو عام فہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ جہاں تک ہو سکا ہے شعر کو شعریت کے دائرے میں رکھ کر توضیح و تفصیل سے کام لیا ہے۔ جابجا حدیث و آیات کو استدلال میں پیش کیا ہے۔ صوفیہ کے مذاق کی بھی موافقت کی گئی ہے۔"

دوسری رائے سیماب اکبرآبادی کی ہے جو مذکورہ شرح کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

" مولانا نے اوّل ہر شعر کا ترجمہ بامحاورہ اور نہایت ہی سلیس اور دلکش پیرایہ میں کیا ہے۔ اس کے بعد ہرشعرکے مطالب و مقاصدمختلف تقاریر اور پیرایوں میں بیان کیے گئے ہیں۔ اورلطف یہ ہے کہ ہر غزل کے پہلے شعرمیں کل غزل ک اجمالی خاکہ کہ جس کو شانِ نزول کہنا چاہیے، بیان فرمایاہے۔ جس سے حل اشعار کی خوبی دن دونی رات چوگنی نظر آرہی ہے۔ اشعار سے جو پند و نصائح مستنبط ہوتے تھے۔ ان کو بھی کتاب کی رونق اور افادۂ عام کے لیے تحریر فرمایا ہے۔"

ان دونوں عالموں کی رائے سے یہ جان لینا آسان ہوگیا ہے کہ یہ شرح بھی اپنی

نوعیت کی ایک مختلف اور اہم شرح ہے۔

ابتدا میں ''اصطلاحاتِ دیوانِ حافظ'' کے نام سے ایک پورا باب شارح نے خود تحریر کیا ہے جس سے حافظ کے پڑھنے والوں کو کافی مدد ملتی ہے۔

اس کے بعد غزلوں کا ترجمہ اور شرح دی گئی ہے اور وہ بھی انتہائی تفصیل کے ساتھ۔ مثلاً ''بمی سجادہ رنگیں کن'' کی تشریح پورے دو صفحات میں کی گئی ہے جو طوالت کی غرض سے یہاں نہیں دی جا رہی ہے۔

٦۔ ترجمان الغیب:

حافظ کے زبردست طرف دار اور عاشق مولوی محمد احتشام الدین حقی دہلوی نے حافظ کی تقریباً چھ سو غزلوں کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے جو 'ترجمانِ الغیب' کے نام سے پہلی مرتبہ ۱۳۵۷ھ میں شمس المطابع، مشین پریس حیدرآباد دکن سے شائع ہوا۔ اگر محمد قزوینی یا ڈاکٹر نذیر احمد کے نسخے سامنے رکھے جائیں تو یقیناً اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان چھ سو غزلوں میں حافظ کی کچھ غیر معتبر یا الحاقی غزلیں بھی ہوں گی۔ مولانا حقی نے اپنے پیش لفظ میں کہیں بھی اس بات کی طرف اشارہ نہیں کیا اور نہ کوئی حوالہ دیا ہے کہ یہ چھ سو غزلیں کس دیوانِ حافظ کی دین ہیں یا کون سا نسخہ اس ترجمے کے دوران پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

اس ترجمے کے بارے میں ''بیانِ مترجم'' کے عنوان سے خود مترجم نے کئی دعاوی پیش کیے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

ا۔ اس ترجمے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اصل غزل کے بحر و قافیہ کی ہر غزل میں پابندی کی گئی ہے۔ یعنی ترجمہ اسی بحر و قافیہ میں جو اصل فارسی غزلوں کا ہے۔ ردیف بھی مماثل رکھی گئی ہے۔ اصل وہ الفاظ جو اردو مشترک و مانوس ہیں اکثر برقرار رکھے گئے ہیں۔

معمای چوں تو عالی قدر میل استخواں تا کے
دریغ ایں سایۂ دولت کہ بر نا اہل افگندی

ترجمہ

ہو ضائع سایۂ دولت ترا نا اہل پر صد حیف
ہما یہ تجھ سا عالی قدر اور یہ ہڈیاں گندی

مترجم کا یہ دعویٰ اپنی جگہ بجا سہی مگر ردیف اور قافیوں کی مماثلت سے کہیں کہیں زبان میں خامیاں سی پیدا ہو گئیں اور ترجمہ گراں گزرنے لگتا ہے۔ مثلاً

صبا بلطف بگو آن غزالِ رعنا را
کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادۂ مارا

ترجمہ:

صبا ! یہ کہنا ذرا اس غزالِ رعنا سے
کہ خوب ٹھوکریں کھلوائیں کوہ و صحرا سے

یہاں دوسرے مصرعے ''کہ خوب ٹھوکریں کھلوائیں کوہ وصحرا سے'' میں ''کوہ وصحرا'' کے بدلے ''کوہ وصحرا کی'' کا مطلب نکلتا ہے۔ اور محاورہ بھی اسی قسم کا ہے۔ اور اگر یہ مفہوم لیا جائے کہ محبوب نے شاعر (یا عاشق) کو خود ٹھوکریں نہیں ماریں بلکہ کوہ وصحرا سے ٹھوکریں کھلوائیں تب بھی اس کے مفہوم میں کوئی حسن پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ کوہ وصحرا نے ٹھوکریں نہیں کھلوائیں بلکہ محبوب کی محبت نے شاعر یا عاشق کو کوہ وصحرا میں ٹھوکریں کھلوائیں۔ یہاں ردیف ''سے'' مناسب نہیں لگتی۔

۲۔ مترجم کا دعویٰ ہے کہ ''بحروں کی روانی، ردیف قافیہ کی دلآویزی وموسیقی، الفاظ کی دل کشی، استعارات کی دلچسپی، تشبیہات کی رنگینی، مضامین کی جدّت وظرافت کے علاوہ بہاروں کی نقشہ کشی، حسن کے سراپا، عشق ومحبت کے معاملات، زندگی کے کاروبار، شریعت وطریقت کے مباحث ونکات، نصیحت ورہنمائی کے اشارات، فطری جذبات، نفسی کیفیات، حمد ونعت وغیرہ جتنے بے شمار پہلو خواجہ حافظ کے کلام میں روشن اور ترجمۂ کلام میں بھی جھلکتے نظر آئیں گے، کسی کلام میں ان کا عشرِ عشیر بھی نہ پایا جائے گا۔

کلام حافظ کی خصوصیات تک تو یہ دعویٰ بجا ہے، مگر ترجمہ کے بارے میں یہ دعویٰ کچھ زیادہ ہی خودستائی کا شکار معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً درجِ ذیل شعر کے ترجمے میں ردیف ''کو'' کچھ کھٹکتی ہوئی سی محسوس ہوتی ہے۔

ہرگز نمیرد آن کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ترجمہ:

دل زندہ عشق سے ہے تو مرنا محال ہے
کندہ ہیں ہم تو لوحِ جہاں پر دوام کو

اسی طرح بعض فنی عیوب بھی راہ پاگئے ہیں۔ مثلاً تعقیدِ لفظی۔ جیسے یہ شعر۔

مستی بچشمِ شاہدِ دلبندِ ما خوش است
ز آں رُو سپردہ اند بمستی زمامِ ما

ترجمہ:

متوالی میرے دوست کی بھائی قضا کی آنکھ
مستی کے ہاتھ دے گئی میرے زمام کو

یہاں پہلے مصرعے میں تعقیدِ لفظی ہے شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ "قضا کو میرے دوست کی متوالی آنکھ بھائی"۔ دوسرے مصرعے میں ردیف "کو" زائد معلوم ہوتی ہے۔ ترجمہ یہیں پورا ہوتا ہے کہ (قضا) میری زمام مستی کے ہاتھ دے گئی۔ قضا مستی کے ہاتھ میری زمام دے گئی۔

اسی طرح اس غزل کا ایک اور شعر۔ جس کے ترجمے میں 'شکستِ ناروا' کا عیب پایا جاتا ہے۔

ترسم کہ حرفۂ نبرد روز باز خو است
نانِ حلالِ شیخ ز آبِ حرام ما

ترجمہ:

ترجیح حشر میں کہیں دے دیں نہ شیخ کی
نانِ حلال پر مرے آبِ حرام کو

'شیخ کی نانِ حلال' دو ٹکڑوں میں (یعنی دو مصرعوں میں) تقسیم ہوگئی۔

اسی طرح اس شعر کا ترجمہ بھی محلِ غور ہے۔

اے نازنیں پسر تو چہ مذہب گرفتۂ
کت خونِ ما حلال تر از شیر مادر ست

اس کا نثری ترجمہ یہ ہوگا کہ "اے نازوں کے پالے لڑکے، تو نے کون سا مذہب اختیار کیا ہے کہ تیرے لیے ہمارا خون ماں کے دودھ سے بھی زیادہ حلال ہے؟"

مولانا صحفی اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں

کس مت میں پڑ گیا تجھے اے طفلِ نازنیں
خوں میرا ہے حلال تر از شیرِ مادری

مت ماری جانا، مت دینا، مت پھرنا تو محاورے ہیں لیکن مت میں پڑنا کوئی محاورہ نہیں۔ اگر مت کو معنی 'مذہب' کے لیا جائے تو بھی مصرع صاف نہیں۔ "اے طفلِ نازنیں! تجھے کس مت میں پڑ گیا یعنی کس مذہب میں پڑ گیا؟"۔ کچھ عجیب سا لگتا ہے۔

اسی طرح کچھ اور بھی خامیاں ہیں جیسے متروک الفاظ کا استعمال وغیرہ۔ مگر خود مترجم نے ان کی طرف اشارہ کر کے حافظ کے اس شعر سے اپنے لیے ایک جواز بھی پیدا کرلیا ہے کہ۔

یارب آن زاہد خود بیں کہ بجز عیب ندید
دودِ آہیش در آئینۂ ادراک انداز

بہرحال ان تمام غلطیوں کے باوجود اس ترجمے کی اہمیت اپنی جگہ ہے۔ اس لیے کہ یہ منظوم ترجمہ ہے اور وہ بھی چھ سو غزلوں کا اور ہر غزل کے تقریباً ہر شعر کا ترجمہ کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ مولانا ظُفّی کے اس حوصلے کے جتنی داد دی جائے کم ہے۔ ویسے بھی منظوم ترجمہ نثری ترجمے کے مقابلے میں ایک دشوار امر ہے۔ اس وادیٔ پرخار میں اچھے اچھوں کے پاؤں میں آبلے پڑ جاتے ہیں۔

اس ترجمے کی غرض وغایت کے سلسلے میں خود مولانا ظُفّی تحریر فرماتے ہیں۔

"شاید اس ترجمے کی ضرورت اس لیے پیش آئی ہو کہ ہندوستان میں فارسی داں پہلے ہندو بھی بکثرت تھے اب مسلمان بھی ڈھونڈھے نہیں پاتے حضرت کا کلام لفظاً نہیں تو معناً ہی سہی اس سرزمین پر قائم اور یہاں کی نسلیں اس سے بدستور متنفع اور متمتّع رہیں ۔ مجالس سماع میں جو وجد وحال آپ کے اشعار پر بلا سمجھے بوجھے ہوا کرتے ہیں وہ آئندہ سمجھ بوجھ کر ہوا کریں۔ کلامِ حافظؔ کو لوگ خود سمجھ کر اپنی رائے قائم کریں۔ تقلیدی رائے نہ رکھیں .... یا شاید اس کلام کو اردو آئینے میں دکھانے سے یہ مدّعا ہو کہ ایشیائی شاعری خصوصاً تغزل کا اصلی اور حقیقی نمونہ مدّعیان فن کے پیشِ نظر رہے۔"

۷۔ دیوانِ حافظؔ مترجم خواجہ عباد اللہ اختر:

مشہور عالم خواجہ محمد عباد اللہ اختر نے دیوانِ حافظ کا یہ ترجمہ کر کے لاہور کے بازار کشمیر پریس سے ۱۹۱۶ء میں شائع ہوا۔

اس ترجمے کے آغاز میں خواجہ حافظؔ کے حالات زندگی مترجم نے تفصیل سے پیش کیے ہیں۔ مثلاً ان کی ولادت، ایامِ زندگی، مذہب، لسان الغیب ہونا، بادشاہوں سے ان کے تعلقات اور ان کے کلام کی خصوصیات۔ پھر فارسی کے دیگر شعراء کے کلام سے ان کا تقابل مثلاً

سعدی، ظہیر، فاریابی، نظامی، جامی، جامی، خاقانی، مرزا جلال اسیر، عرفی، فیضی وغیرہ۔ اس کے بعد غزلوں کا ترجمہ اور حسب ضرورت ان کی تشریح دی گئی ہے۔ زبان صاف ہے اور عام فہم مثال کے طور پر اس شعر کا ترجمہ اور تشریح ملاحظہ ہو۔

بمی سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بی خبر نبود ز رسم و راہِ منزل ہا

ترجمہ: مصلےٰ شراب سے رنگین کر، اگر پیرِ مغاں کا ارشاد ہو کیوں کہ واقفِ اسرار حقیقت راہ کے نشیب وفراز سے بے خبر نہیں ہوتا۔

تشریح: منزلِ مقصود پر کوئی انسان بغیر وسیلہ پیر طریقت جو ہر ایک مقام اور راستہ کے نشیب وفراز سے واقف ہو، پہنچ نہیں سکتا۔ اس لئے اس کے حکم کی تعمیل بے چون وچرا کرنی چاہیے۔ حضرت خضر اور حضرت موسیٰ کا قصہ مشہور ہے کہ خضرؑ نے موسیٰؑ سے عہد لیا کہ کسی فعل پر اعتراض نہ کرنا اور ہر ایک حکم کی تعمیل کرنا۔ پھر اس کے بعد حضرت خضرؑ اور موسیٰؑ کا پورا قصہ تفصیل سے دیا گیا ہے اور یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ پیر طریقت کے ہر حکم پر قیل وقال کے بغیر عمل کرنا چاہئے کیوں کہ وہ اسرار وحقیقت سے واقف ہوتا ہے۔ اس لئے کسی غلط کام کا حکم دے ہی نہیں سکتا۔

۸۔ دیوانِ حافظ مترجم قاضی سجّاد حسین:

نثری ترجموں میں قاضی سجاد حسین کا یہ ترجمہ سب سے زیادہ مشہور ومقبول ہے۔ قاضی سجاد حسین کرتپور ضلع بجنور کے ایک ایسے علمی اور تاریخی خانوادے میں پیدا ہوئے جہاں ہر طرف علم وادب کا چرچا تھا عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم مقامی مدرسہ ومکتب سے حاصل کرنے کے بعد انھیں اُن کے والد نے ۱۳۴۴ھ میں دار العلوم دیو بند میں داخل کیا ۱۳۴۸ھ سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ ۱۳۴۹ھ میں دہلی کے مدرسہ فتح پوری میں درس وتدریس کے فرائض انجام دینے لگے اور ۱۹۴۷ء میں اس مدرسے کے صدر تفویض ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ تحصیل علوم کا سلسلہ بھی جاری رہا چنانچہ انھوں نے ۱۹۳۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے عربی میں آنرز حاصل کیا اور فارسی کے امتحانات بھی دیے انھیں تصنیف وترجمے کا شوق شروع ہی سے تھا چنانچہ 'التوشیحات' کے نام سے عربی کی مشہور کتاب ''سبعہ معلقات'' کی شرح لکھی۔ گلستان، بوستان اور اخلاق، محسنی کے تراجم بھی کئے دیوانِ حافظ کا یہ ترجمہ بھی ان کے فارسی سے شغف اور علمی ذوق وشوق کا ترجمان ہے۔

اس وقت میرے پیش نظر اس مترجم دیوان کے دو ایڈیشن ہیں ایک پہلا ایڈیشن جس

میں مولانا مفتی محمد جمیل الرحمٰن سیوہاروی کا قطعۂ تاریخ موجود ہے۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دیوان پہلی بار ۱۳۸۲ھ (۱۹۶۲ء) میں شائع ہوا۔

پیش لفظ ڈاکٹر سعید انصاری نے تحریر کیا ہے۔جس میں خواجہ حافظ کے حالاتِ زندگی دیے گئے ہیں۔ذیلی عنوانات کے تحت مثلاً نام اور تخلص ،بچپن اور ابتدائی تعلیم ،شعروشاعری کی ابتداء،خواجہ صاحب کی شہرت اور کلام کی خوبیاں۔وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔

اس نسخے میں مفتی خورشید عالم کی یہ سخت رائے بھی شامل ہے۔جس میں اُردو کے تمام اساتذہ کو حافظ کا مرہونِ منت اور خوشہ چین قرار دیا گیا ہے لکھتے ہیں۔

مجھے اس حقیقت کے اظہار میں ذرہ برابر باک نہیں کہ اُردو کے شاہانِ سخن وتغزل میر تقی میر ،ذوق ،غالب ،ریاض خیر آبادی ،داغ ،اقبال ،اصغر وغیرہ کو اگر دیوانِ حافظ سامنے رکھ کر پڑھے جائیں تو یہ سب حافظ کے مرہونِ منت معلوم ہوتے ہیں۔آگے اس دیوان کے مترجم کے تعلق سے لکھتے ہیں۔

"مولانا قاضی سجّاد حسین صاحب نے کلام حافظؒ کو اردو ترجمے کے قالب میں ڈھال کر وہ برقعے اتار ڈالے ھیں جو بڑے بڑے اجارہ دارانِ غزلِ اردو کے چھروں پر پڑے ہوئے تھے۔" (۱۸ اکتوبر ۱۹۶۲ء)

اس دیوان کے دو ایڈیشن بہت جلد منظرِ عام پر آئے اور دونوں اتنے مقبول ہوئے کہ تیسرا ایڈیشن بھی فوراً یعنی ۱۹۷۲ء میں (صرف دس سال کے عرصے کے اندر) شائع ہوا۔اس تیسرے ایڈیشن میں حافظ اور کلامِ حافظ کے عنوان سے کوثر چاند پوری کا ایک بھرپور بسیط ،پرمغز ،وقیع اور طویل دیباچہ شامل ہے۔اس میں حافظ کے حالاتِ زندگی پر الگ انداز میں بحث کی گئی ہے جو جدید تنقید کے نقطۂ نظر کو واضح کرتی ہے اس میں حافظ کی غیر ضروری پشت پناہی یا طرف داری کی گئی ہے اور نہ غیر ضروری تنقیص وتنقید بلکہ حقائق کی روشنی میں ایک متوازن رائے پیش کی گئی ہے۔خاص طور پر حافظ کی مے نوشی کے سلسلے میں کہ آیا وہ دنیاوی شراب تھی یا شرابِ حقیقی۔کوثر چاند پوری نے اس پر بڑی صحت مند بحث کی ہے۔

اس کے بعد اردو ترجمے کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے قاضی سجاد حسین کے ترجمے کے سلسلے میں رقم طراز ہیں۔

"ترجمہ میں زبان کی سلاست روانی اور اختصارکا پورا لحاظ رکھا گیا ھے اور زائد غیر ضروری الفاظ کے استعمال سے

احتراز کیا گیا ہے۔کوشش کی گئی ہے کہ اصل شعر کی روح اُن کی رواں دواں اور آسان نثر میں منتقل ہوجائے۔"

اس میں شک نہیں کہ سجاد حسین کا ترجمہ نہایت صاف اور سلیس ہے مگر کہیں کہیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے قاضی صاحب ترجمے کے ساتھ انصاف نہیں کر پائے ہیں۔

آخر میں دیوانِ حافظ اور فال کے عنوان سے حافظ کی لسان الغیبی کے واقعات اور فالنامہ درج ہے۔

۹۔وجدانِ حافظ:

علامہ منوّر لکھنوی نے حافظ کے منتخب اشعار کا اردو ترجمہ کیا ہے۔یہ ترجمہ منظوم ہے اور انھوں نے خواجہ کے ایک شعر کا ترجمہ ایک شعر میں ہی کیا۔اور بیشتر اخلاقی اشعار کی ترجمانی کی ہے یہ ترجمہ ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔

۱۰۔دوآتشہ:

یہ بھی خواجہ حافظ شیرازی کے منتخب اشعار کا منظوم اردو ترجمہ ہے جو مشہور شاعر نریش کمار شاد کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ایک شعر کا ترجمہ ایک قطعے کی صورت میں ہے۔

کتاب کے آغاز میں ترجمے کے متعلق تلوک چند محروم کی اور سجاد ظہیر کی آراء شامل ہیں، اس کے بعد علاّمہ منوّر لکھنوی کا پیش لفظ ہے جس میں ترجمے کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے مختلف ترجموں کی مثالیں دیتے ہوئے شاد کے منظوم ترجمے پر انھوں نے اپنی رائے دی ہے۔

"ھر شعر کا ترجمہ صاف غیر مبھم اور سادہ و آسان زبان میں کیا گیا ھے۔ترجمہ میں کھیں تکلّف نظر نھیں آتا اگر خواجہ حافظ خود اردو قطعوں کی شکل میں اپنے خیالات پیش کرتے تو شاید ان کا اسلوب نگارش بھی وھی ھوتا جو شاد نے اختیار کیا ھے۔"

آخری جملے میں تھوڑا مبالغہ ضرور ہے جو تقریظ کا رنگ لئے ہوئے ہے۔لیکن پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ نریش کمار شاد ایک قادرالکلام اور خوش گو سخن ور تھے فارسی دانوں کے ماحول میں پروان چڑھے تھے اور خود بھی اچھی خاصی فارسی جانتے تھے۔ اس لئے ان کے ترجمے میں سلاست اور فصاحت دونوں موجود ہے اور ان کے اندازِ بیان کے اعتبار سے ان کا ترجمہ بھی رواں اور دل نشین ہے۔بقول سجاد ظہیر۔

"وہ لوگ جو فارسی نہیں جانتے شیراز کے اس جادوگر کے سحر کو شاد کے سہل اور سلیس

قطعوں میں ڈھونڈلیں گے اور اُن سے لطف اندوز ہوں گے۔"

شاد کے ترجموں کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

حافظ:

در مذہب ما بادہ حلالست و لیکن
ب روئے تو اے سروِ گل اندام حرامست

شاد:

میرے مذہب میں یوں تو جائز ہے
جانِ من شغلِ ساغر و مینا
تجھ سے معشوق گل بدن کے بغیر
مجھ کو لیکن حرام ہے پینا

حافظ:

ہر وقتِ خوش کہ دست دہد مغتنم شمار
کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست

شاد:

جب بھی تجھ کو خوشی کا وقت ملے
کر غنیمت شمار اسے اے دوست
کس میں ہے اس قدر شعور کہ ہو
آشنائے مآلِ کار اے دوست

ہر شعر کے ترجمے کے ساتھ ساتھ اس شعر کے خیال کے مطابق اسکیچ بھی دیا گیا ہے۔ یوں کتاب اور خوب صورت ہوگئی ہے۔ گویا لفظی شرح یا ترجمے کے ساتھ ساتھ تصویری شرح بھی موجود ہے۔

۱۱۔ عرفانِ حافظ:

کلامِ حافظ کی تفہیم کے سلسلے میں اپنی نوعیت کی یہ منفرد کتاب ہے۔ جو پہلی بار غالباً ۱۹۴۵ء میں اور دوسری بار ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کے مصنف و مترجم پنڈت شیاما چرن داس ہیں۔
عرفانِ حافظ، دراصل حافظ شیرازی کے مشہور و مخصوص اشعار کا انتخاب ہے۔ جو خاص

موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ چنانچہ پنڈت شیاما چرن نے ان کے عنوانات قائم کیے ہیں۔ اور ان عنوانات کے تحت منتخب اشعار اردو ترجمے کے ساتھ درج کیے ہیں۔ پنڈت جی سے پہلے اس قسم کا کوئی انتخاب یا ترجمہ نظر نہیں آتا۔ کیونکہ اس سے پہلے کسی نے کلام حافظ کے مخصوص موضوعات کے تحت اشعار کا ترجمہ پیش نہیں کیا۔ اس کام میں ایک قسم کا تحقیقی پہلو بھی پوشیدہ ہے۔ اوّل تو کلامِ حافظ کے موضوعات تلاش کرنا، پھر ان موضوعات کے تحت اشعار کا انتخاب اور پھر ان اشعار کا ترجمہ۔

کتاب کی ابتدا میں ''آغازِ ذکر'' کے عنوان سے مصنف کا تحریر کردہ دیباچہ موجود ہے۔ جس میں کلامِ حافظ کی معنویت اور گہرائی پر روشنی ڈالتے ہوئے اسے عشقِ حقیقی کی تعلیم کا ایک نادرونایاب خزانہ قرار دیا گیا ہے۔

پھر ''عشقِ حقیقی'' سے متعلق حافظؔ کے خیالات قلم بند کیے ہیں۔ اس کے بعد اس عنوان کے تحت اشعار کا انتخاب کر کے ایسے تمام اشعار کو ۲۳ فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔

مختلف عنوانات جن کے تحت اشعار کا انتخاب مع ترجمہ موجود ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔ عشق، بندگی، ثبات، کارساز پر اعتماد، لطفِ دائم، عرضِ حاجت، بے سامانی میں سامانی، دعا، تسلیم و رضا، صبر و نظر، صدق و صفائے نیت، آزار سے پرہیز، ضبطِ نفس، خوش باشی، رزق، عجز، قناعت، خوش خلقی، بے تعلقی وغیرہ۔

ترجمہ بے حد سلیس اور سادہ ہے اور اشعار کا انتخاب عمدہ ہے۔

عشق:

عرضہ کردم دو جہاں بر دل کار افتادہ
بجز از عشق تو باقی ہمہ فانی دانست

(میں نے دو جہاں کو تجربہ کار دل کے روبرو پیش کیا اس نے تیرے عشق کے سوا سب کو فانی جانا)

لطفِ دائم:

کمر کوہ کم است از کمرِ مُور ایں جا
نا امید از درِ رحمت مشو ای بادہ پرست

(اس جگہ پہاڑ کی کمر چیونٹی کی کمر سے کم ہے۔ اے بادہ پرست! اس کے کرم کے دروازے سے مایوس نہ ہو)

۱۲۔ انتخابِ غزلیات حافظ مع فرہنگ:

غزلیاتِ حافظ کا یہ انتخاب ڈاکٹر مغیث الدین فریدی کا ترتیب کردہ ہے۔ جو فرہنگ کے ساتھ دیا گیا ہے۔ اور مکتبہ شاہراہ، اردو بازار دہلی سے ستمبر ۱۹۷۵ء کو طبع ہو کر منظرِ عام پر آیا۔ یہ انتخاب نسخۂ قزوینی پر مشتمل ہے۔ اس میں حافظ کی تقریباً ۴۰ منتخب غزلیں فرہنگ کے ساتھ پیش کی گئیں ہیں۔ ہر غزل کی بحر، اس کے ارکان اور اس میں استعمال ہونے والے الفاظ کے معانی اور تشریحاتِ دی گئی ہیں۔ جہاں جہاں مخصوص اصطلاحات موجود ہیں یا محتاجِ شرح محسوس ہوا ہے وہاں باقی تفصیلی شرح دی گئی ہے۔ اس سے حافظ کی غزلوں کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔

پیش لفظ میں مرتب نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ

"دیوانِ حافظ سے ایسی چالیس غزلوں کا انتخاب کیاگیا ہے جو حافظ کے رنگِ سخن اور طرزِ فکر کے تقریباً تمام پہلوؤں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان اشعار کی فرہنگ ، بحر اور وزن کے ساتھ ساتھ ان صنعتوں کی بھی نشان دہی کی گئی ہے جو حافظ کے کلام کا زیور بھی ہیں اور جذبات کی ترسیل اور کیفیات کے ابلاغ کا موثر وسیلہ بھی۔"

ساتھ ہی ساتھ ڈاکٹر رضا زادہ شفق کی کتاب "تاریخ ادبیاتِ ایران" سے ماخوذ حافظ کے حالاتِ زندگی بھی اس میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ انگریزی میں اس قسم کا ایک انتخاب بمبئی میں Pestanji Cooverji نے بھی ترتیب دیا تھا۔ جس کی تفصیل آگے چل کر دی جائے گی۔

۱۳۔ سمن زار:

پروفیسر ضیاء احمد بدیوانی نے مولانا آزاد کی ایما پر اور ساہتیہ اکادمی کی فرمائش پر شعرائے فارسی کا ایک نمائندہ انتخاب ترتیب دیا۔ جو مارچ ۱۹۸۶ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آیا۔ بعد میں ساہتیہ اکادمی ہی کے مشورے پر ان منتخب غزلوں کے اشعار کا اردو ترجمہ بھی ساتھ ہی میں دیا گیا۔ مرتب نے غزلوں کے انتخاب میں اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ فارسی زبان کے تمام اساتذہ ایران و ہند کے بلند اشعار اس مجموعے میں شامل ہوں چنانچہ یہ انتخاب رودکی سے لے کر غالب تک کے کلام پر محتوی ہے یعنی بقول مرتب

"شعرائے فارسی کے تقریباً ہزار سالہ رشحاتِ قلم کا نچوڑ ہیں ۔ اور اصنافِ شعر میں قصیدہ غزل مثنوی قطعہ رباعی اور موضوعاتِ سخن میں مدح ،عشق، رزم، بزم، تصوّف، اخلاق، سب

کچھ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔

ترجمے کے سلسلے میں مترجم نے خود اس بات کا اقرار کیا ہے کہ "میں نے حتی الامکان سعی کی ہے کہ شاعر کے مفہوم تک پہنچ سکوں اور اس کے ساتھ ترجمہ نہ بالکل لفظی ہو نہ سرتا سر آزاد بلکہ بین بین رہے۔"

اس انتخاب میں حافظ کی آٹھ غزلوں کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ جو بڑا جامع، مختصر، صاف اور فصیح ہے منتخب غزلوں کے مطلعے یہ ہیں۔

۱۔ ساقی بنور بادہ برافروز جامِ ما
۲۔ اگر آں تُرک شیرازی بدست آرد دلِ مارا
۳۔ ساقیا برخیز و دردہ جام را
۴۔ خلوت گزیدہ را بتماشا چہ حاجتست
۵۔ جز آستانِ توام در جہاں پناہی نیست
۶۔ دوش دیدم کہ ملائک درِ میخانہ زدند
۷۔ رسید مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند
۸۔ شاہد آں نیست کہ موئی ومیانی دارد

ترجمے کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

مادر پیالہ عکسِ رخ یار دیدہ ایم
ای بی خبر ز لذتِ شرب مدام ما

(اے ہماری مے کشی کی لذت سے بے خبر! تجھے معلوم نہیں کہ ہم نے شراب کے پیالے میں دوست کے چہرے کا عکس دیکھا ہے۔)

من ازاں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

(یوسف کے روز افزوں حسن سے میں سمجھ گیا تھا کہ عشق کبھی نہ کبھی زلیخا کو پردۂ عصمت سے ضرور باہر نکال لائے گا۔)

مابعد خرمنِ پندار زرہ چوں نبریم
چوں رہِ آدمِ خاکی بہ یکی دانہ زدند

(جب حضرت آدم کی راہ ایک دانے کی وجہ سے کھوٹی ہوئی تو ہم غرور کے سو خرمنوں کے ہوتے ہوئے کیوں نہ راہ سے بھٹک جائیں۔

۱۴۔ بادۂ حافظ در نقاب قدح تمنا:

یہ غیر مطبوعہ ترجمہ تمنا بجنوری کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ اور منظوم ہے۔ اس غیر مطبوعہ ترجمے کا انکشاف پہلی مرتبہ ابن کنول نے ('کتاب نما' مارچ ۱۹۸۳ء میں) شائع شدہ اپنے ایک مضمون "دیوانِ حافظ کا منظوم اردو ترجمہ" (صفحہ ٦٦) کے ذریعے کیا۔ تمنا بجنوری ایک کہنہ

مشق شاعر تھے۔ جنھیں شاعری کے ساتھ ساتھ، فارسی پر بھی عبور حاصل تھا۔ طبیعت کے لا ابالی پن اور قلندرانہ مزاج کے باعث اپنی تمام صلاحیتوں کے باوجود انھوں نے اپنی تمام عمر گم نامی میں بسر کی۔ حافظ کا یہ منظوم ترجمہ انھوں نے جون ۶۱ء میں شروع کیا اور دسمبر ۶۲ میں مکمل کیا۔

اردو میں حافظیات:

دیوانِ حافظ کے ترجموں اور شرحوں کے علاوہ بھی اردو میں حافظ پر کافی کام ہوا ہے۔ کئی مضامین اور مقالے لکھے گئے۔ یا حافظ کی حیات، فن اور کارناموں سے متعلق متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ جن میں چند قابلِ ذکر کتابوں کی تفصیل پیش کرنا ناگزیر ہوگا۔ مثلاً

۱۔ تذکرۂ پنڈت خوش گو:

حافظ سے متعلق یہ ایک مختصر سا تذکرہ ہے جو مولانا اسلم جے راج پوری کو دہلی کے نواب احمد سعید خان کے دیے گئے مدرستہ العلوم علی گڑھ کے کتابی ذخیرے سے حاصل ہوا تھا۔ اس پر ۱۸۶۳ء کی ایک یادداشت لکھی ہوئی ہے کہ ''گنجے نور علی تمباکو فروش سے ۱۵ روپے میں خرید کیا گیا''۔

مولانا اسلم نے تذکرے کے مطالعے کے بعد اندازہ لگایا ہے کہ یہ پنڈت جس کا تخلص عیشی ہے پٹنہ کا رہنے والا تھا۔ اور اپنے آپ کو خواجہ حافظ کا روحانی شاگرد سمجھتا تھا۔ اس کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ اس نے کسی شاعر کا حال چار سطروں سے زیادہ میں نہیں لکھا ہے لیکن خواجہ کے حالات ایک جزو پر بھی تمام نہیں ہوئے۔ غالباً وہ حافظ کا بے حد عقیدت مند تھا بلکہ یہ عقیدت مندی اسے اپنے آباء واجداد سے ورثے میں ملی تھی۔ کیونکہ اس کی تحریر سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے دادا جہاں زیب بانو بیگم بنتِ شاہ زادہ داراشکوہ کی سرکار میں ملازم تھے۔ داراشکوہ نہ صرف یہ کہ صوفیوں کا دلدادہ تھا بلکہ جیسا شاہانِ مغلیہ کے دیوانِ حافظ کے نسخے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حافظ کا چاہنے والا بھی تھا۔ ظاہر ہے اس کے اپنے دربار اور محفل میں حافظ کا چرچا رہتا ہوگا۔ پنڈت کے دادا بھی اسی لیے ہر وقت دیوانِ حافظ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اس کے والد جو اجمیر میں شاہی توپ خانے کے افسر تھے ہر شب جمعہ کو خواجہ کی نذر دلاتے تھے اور مسکینوں اور غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے۔

مولانا اسلم نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ''حیاتِ حافظ کے دورانِ تحریر انھوں نے پنڈت خوش گو کے اس تذکرے سے استفادہ کیا ہے۔ اس تذکرے کے بارے میں مزید معلومات ہنوز مفقود ہیں۔ البتہ ہاشم رضی نے ایک جگہ حافظ کے حال میں خوش گو کے تذکرے

'سفینۂ خوش گو' (۱۱۳۷ھ۔۱۱۷۷ھ) کا حوالہ دیا ہے۔(۳۱)

۲۔ حیاتِ حافظ:

مولانا اسلم جے راج پوری کی یہ کتاب ایک تحقیقی اہمیت کی حامل ہے اور غالباً اردو میں اس موضوع کی یہ اولین کوشش ہے۔ اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کے دیباچے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ پہلی بار اپریل ۱۹۰۹ء میں شائع ہوئی۔ اس کا چوتھا ایڈیشن مکتبہ جامعہ نے ۱۹۴۱ء میں شائع کیا یعنی صرف بتیس سال کے عرصے میں اس کے چار ایڈیشن شائع ہوئے۔ اس سے اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حافظ کی زندگی اور ان کی شاعری سے متعلق یہ ایک مختصر مگر جامع اور معلوماتی کتاب ہے۔ جس کے ذیلی عنوانات یہ ہیں۔ دیباچہ، تمہید، نام ونسب اور تعلیم، شاعری کی ابتداء، امراء و سلاطین کے دربار خواجہ کی شہرت، خواجہ کا تقدس، ذاتی حالات، تصنیفات، کلام کی اشاعت، خواجہ کے کلام پر ایک نظر، اخلاق، کلام کا نمونہ، خواجہ کے کلام کی مقبولیت، خواجہ کے کلام کی نسبت رائیں، خواجہ کے کلام کا اثر، فالیں..........وغیرہ وغیرہ۔ یہ کتاب افراط وتفریط سے پاک ہے۔ تحریر میں توازن ہے، سنبھلی ہوئی کیفیت ہے، سلجھا ہوا انداز ہے۔ اور غیر ضروری جانب داری، وکالت یا اختلاف سے پرہیز کیا گیا ہے۔ مطالعۂ حافظ کے سلسلے میں اس کتاب کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ مطالعۂ حافظ:

محمد احتشام الدین حقی دہلوی کی یہ کتاب ۱۳۵۸ھ میں بمبئی جوب برقی پریس سے طبع ہوئی۔ اس کتاب کی طرف مولانا حقی نے دیوانِ حافظ کی شرح (۱۳۵۷ھ) کے دیباچے میں اس طرح اشارہ کیا ہے۔

"یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ حافظ کے کلام کی نسبت مولانا حالی اور اقبال نے قدرے یا وہ گوئی سے کام لیا ہے۔ ان کی کوتاہ بینی پر افسوس ہے۔ اس کا مفصّل جواب اس مختصر دیباچے میں نہیں دیا جا سکتا۔ حافظ کی لائف میں دیا گیا ہے جو اس ترجمۂ دیوان کا ضمیمہ ہے۔ مگر ضخامت کے خوف سے علیحدہ جِلد میں شائع ہوسکے گا۔ سرِ دست تو دیوان کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔" (ترجمان الغیب)

اس اقتباس سے ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے سے مولانا حقی کی کیا غرض تھی۔ ایک تو اردو داں طبقہ کو حافظ اور کلامِ حافظ سے روشناس کرانا اور دوسرے معترضینِ حافظ کو منہ توڑ جواب دینا۔ کتاب کا عنوان ہی اس کی نیت کا غماز ہے۔ مطالعۂ حافظ ___ اور اس سے کیا مستنبط ہوتا ہے؟ اسی لیے متنِ کتاب میں حافظ کی زندگی کے مختلف حالات بیان کرتے ہوئے مولانا نے معترضین کے جوابات دیے ہیں۔ اور حافظ سے متعلق بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر دو حضرات کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ایک غالب اور دوسرے ان کے شاگرد یعنی یادگارِ غالب کے مصنف مولانا الطاف حسین حالی۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ ہے حیاتِ سعدی اور مقدمہ شعر وشاعری میں کیا ہوا حالی کا حافظ پر اعتراض۔ شاید اسی لیے وہ حافظ کے زبردست طرف دار اور غالب کے زبردست مخالف ہیں۔ اس کتاب میں بھی حافظ کے مقابلے میں غالب کو رد کرنے کی شدید جذباتی کوشش ملتی ہے۔ اسی طرح حالی کے اعتراضات کا جواب بھی حسنِ عقیدت میں ڈوب کر انتہائی جذباتی انداز میں دیا گیا ہے۔

کہیں کہیں تو زبان بھی حد سے متجاوز کر گئی ہے۔ حافظ کے عہد کے صلحاء، علماء اور زہاد کو بھی بری طرح لتاڑا گیا ہے۔ غرضیکہ مولانا حقی حافظ کے زبردست طرف دار ہیں اور اسی طرف داری میں بہہ کر غالب کو ''پھکڑ دہن'' تک کہہ بیٹھے ہیں۔ یہ سزا ان کے شاگرد کی حافظ پر تنقید کی پاداش میں انھیں دی گئی ہے۔ حالی کو تو وہ علمائے ظاہر میں شمار کرتے ہیں۔ اور ''حالی موالی'' تک کہہ گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی نظر میں (بجز سودا، داغ اور نظیر کے جنھوں نے حافظ سے استفادہ کیا) میر سے لے کر غالب وحالی تک اردو شعراء کا تمام جرگہ

" بسوریوں کی ایك جماعت هے جو اپنی قبل از مرگ وفات کے خود ساخته مرثیے سنا سناکر طبیعتوں کو خواه مخواه غم گین اور بچپن هی سے اندوه گین ترین بناتے رهتے هیں۔ جس کے سبب تمام قوم پر مردنی چھاگئی هے اور دل افسرده هوکر ره گئے هیں، خوش باشی، زنده دلی اور نشاط کے ترانے همارے شعراء کے کلام میں بمنزله نایاب هیں۔ اس کے برعکس وه حافظ کی خوش عیشی اور رندی و سرمستی نیز حسن پرستی کو سراهتے هیں۔ ان کے خیال میں " کلامِ حافظ ایك سمویا هوا کلام هے جس میں آه اور واه دونوں چیزیں بحدِّ اعتدال هیں۔ "(۳۲)

۴۔ ذکر حافظؔ:

یہ کتاب انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ کی جانب سے ستمبر ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی۔ 'ادبِ لطیف' لاہور میں شائع ہونے والے ڈاکٹر ظ۔ انصاری کے ایک مقالے 'غزل باقی رہے'، جس میں انھوں نے حافظ پر سخت اعتراضات کیے ہیں، کے جواب میں سجاد ظہیر نے یہ کتاب تحریر کی ہے۔ اور ڈاکٹر ظ۔ انصاری کے تمام اعتراضات کے سخت اور مدلل جوابات دیے ہیں۔ مگر مولانا حقی کی طرح کہیں بھی وہ جذباتیت کا شکار نہیں ہوئے۔ انھیں زبان و بیان اور ذہن و دل دونوں پر قابو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تحریر میں توازن اور سنجیدگی ہے۔ حافظ کی شاعری کا ان کے عہد کے تاریخی و سماجی پس منظر میں ترقی پسندانہ نقطۂ نظر سے بہت خوب صورت جائزہ لیا گیا ہے۔ ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

"بادشاہت ، عمّالِ سلطنت اور امراء کی جانب حافظؔ کا رویہ وہی تھا جو جاگیری عہد کے سب سے زیادہ روشن خیال انسان کی فلاح اور آزادی چاہنے والے اور اپنے وطن و قوم سے محبت کرنے والے دانش ور کا عام طور سے تھا۔ ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ کسی ایسے سیاسی یا معاشی نظام کا تصور کرسکیں جس میں بادشاہ یا امراء نہ ہوں گے لیکن اس دائرے میں رہتے ہوئے وہ ایک ایسے نظام کے خواہش مند تھے جس میں بادشاہ داد و عدل کا منبع ہو۔ تاجروں ، ہنر مندوں اور دوسرے محنت کرنے والے طبقوں کو شخصی آزادی ہو۔ حکمران ان کی فلاح و بہبودی کی پیہم تدابیر اختیار کریں اور ان کو اندرونی دراز دستیوں اور بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رکھیں۔" (صفحہ ۶۵)

مواد اور اسلوب کے اعتبار سے یہ کتاب بڑی وقیع اور قابلِ مطالعہ ہے کُل متن میں پندرہ نکات پر مدلل بحث کرنے کے بعد سجاد ظہیر کی انتخاب کردہ حافظ کی غزلیں اور اشعار بھی اس کتاب میں شامل ہیں جو گویا مصنف کی دلیلوں کو وزن و وقار عطا کرتی ہیں۔

۵۔ حافظؔ اور غالبؔ:

یہ کتاب لاہور سے شائع ہوئی ہے اور چودھری نبی احمد باجوہ، جو حافظ کے زبردست شیدائیوں میں تھے، اس کے مرتب یا مصنف ہیں۔ کتاب کے آغاز میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

کا دیباچہ اس کتاب کی حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے۔

"یہ کتاب دراصل انتخاب کی حیثیت رکھتی ھے چودھری نبی احمد باجوہ نے حافظؔ کا اور غالب کے ایسے اشعار و غزلیات کا انتخاب کیا ھے ،جن کے موازنے میں کھیں ھم وزن اور ھم قافیہ غزلوں کے حوالے سے وہ قارئین کو اپنے اس ذوق میں شریک کرتے ھیں کہ ان دونوں نے اظھارو بیان کے لئے کون سا الگ الگ رنگ دکھایا اور کون سا بلیغ اور نادر پیرایہ اختیار کیا اور کھیں کھیں وہ معنی وخیال کی جمالیاتی تاثیر کے پیش نظر دوسروں کو شریکِ سخن کرنا چاھتے ھیں۔اس میں ھم طرحی غزلیں بھی ھیں اور تنوع مضامین پر مشتمل دونوں شعراکے متفرق اشعار بھی مع عنوان درج ھیں۔"

اس کے بعد خود باجوہ کا تحریر کردہ پیش لفظ انتخاب کی نوعیت کو سمجھنے میں مزید مدد دیتا ہے۔لکھتے ہیں۔

"انتخاب ھذاکے پھلے ایک صد صفحات پر حافظؔ وغالب کے متفرق اشعار ھیں۔اور دوسرے حصّے کے دو صد صفحات میں ھر دو بزرگ شاعروں کی ھم قافیہ وھم ردیف غزلیں درج ھیں۔جن کی تعداد دوسو کے قریب ھوگی اور جن میں کم و بیش دو ھزار اشعار ھیں معارفِ حافظؔ اور افکارِ غالب درخشاں ھیں۔

متفرق اشعار پر موضوعاتِ مھمہ اور مضامین عالیہ کے لحاظ سے عنوانات قائم کئے گئے ھیں تاکہ اشعار کی دوسری خوبیوں کے ساتھ ساتھ اُن کے معانی ومقاصدخاص طور پر نگاہ میں رھیں۔مثلاً۔خودداری وخود اعتمادی ،زمانہ ستیزی و انقلاب آفرینی ،نئے آسمان وزمین پیدا کرنے کے ولولے،عملی جدوجھد اور عزم و ثباتِ علم و عرفان ،محبت و عشقِ الٰھی،اخوتِ انسانی کے پاکیزہ جذبات وغیرہ۔"

اپنے پیش لفظ میں مرتب نے حافظ کے افکار و اشعار پر بحث کی ہے اور اقبال کے ہاں ان کے اشعار کی تضمیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔نیز فکرِ غالب سے اس کا رشتہ جوڑ کر غالب کی

شاعری پر بھی بات کی ہے اس طرح دیکھا جائے تو مولانا حقی کے برخلاف اس کتاب کے مرتب نے انصاف پسندی سے کام لیتے ہوئے اُن دونوں شاعروں کے شاعرانہ مرتبے کا اعتراف کیا ہے اور احساس دلایا ہے کہ حافظ اور غالب دونوں ہی اپنے اپنے عہد کے نابغۂ عظیم تھے۔ تقابلی مطالعے کے اعتبار سے یہ کتاب دلچسپ ہے۔

۶۔ حافظ اور اقبال:

مشہور محقق ونقاد ڈاکٹر یوسف حسین خان کی تحریر کردہ یہ ضخیم کتاب مئی ۱۹۷۶ء میں غالب اکیڈمی دہلی سے شائع ہوئی اس کتاب کا پیش لفظ مشہور فارسی عالم اور ڈائریکٹر غالب انسٹی ٹیوٹ ،دہلی پروفیسر نذیر احمد نے لکھا ہے۔ جس میں کتاب کی غرض وغایت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ لکھتے ہیں۔

"علامه اقبال نے حافظ کے کلام کا عمیق مطالعه کیا تھا مگر حافظ کی رندی وسرمستی اقبال کی فعال طبیعت کے لئے زیادہ کشش کا سامان نہیں رکھتی تھی۔اقبال کے نزدیك حافظ کا نظریۂ عشق اور دل برانه پیرایۂ بیان زندگی کی جدو جهد کے معانی اور اجتماعی مقصدیت کے مخالف تھا۔ لیکن یه بھی نا ممکن تھا که حافظ جیسا عظیم شاعر اقبال کو متاثر کئے بغیر رہتا ۔چنانچه وه شعوری اور غیر شعوری طور پر حافظ کی اثر پذیری سے محفوظ نه ره سکے ۔اقبال نے حافظ پر کڑی تنقید کی ھے اس کی وجه سے لوگوں پر یه راز منکشف نه ھوا که دونوں فنکاروں میں بڑی مماثلت موجود ھے ۔"

اس اقتباس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مذکورہ کتاب حافظ اور اقبال دونوں کے تقابلی مطالعہ نیز اقبال پر حافظ کی اثر پذیری سے متعلق ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی ایک اور اہم موضوع اس کتاب کا سبب تخلیق ہے یعنی وہی حافظ پر اقبال کے کیے گئے اعتراضات جس کا جواب اس کتاب میں تفصیل سے دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب بھی جوابی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن یہ مولانا حقی اور سجاد ظہیر دونوں کی کتابوں سے مختلف نوعیت کی حاصل ہے۔ کیوں کہ اس میں حیاتِ حافظ اور کلامِ حافظ پر مفصل بحث کے ساتھ ساتھ، اقبال کے اعتراضات کے نہ صرف جوابات دیے گئے ہیں بلکہ یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ جس طرح غالب پر اعتراض کرنے والے یاس یگانہ خود بھی شعوری وغیر شعوری طور پر، غالب سے متاثر تھے اسی طرح حافظ پر اعتراض کرنے والے اقبال بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر

حافظ کے دام میں گرفتار تھے۔اور اس کا ثبوت ان کے فارسی اور اُردو دونوں کلام سے ملتا ہے جس کی مثالیں اس کتاب میں دی گئی ہیں۔یہی نہیں بلکہ فاضل محقق و مصنف نے اقبال کی "حافظ مخالفی" کا نفسیاتی تجزیہ بھی کیا ہے جو بڑا خوب صورت اور چونکا دینے والا ہے ڈاکٹر یوسف حسین فرماتے ہیں۔

"حافظ کے متعلق اقبال کی تنقید کی تہہ میں جو محرّک کام کررہا تھا اُسے سمجھنا ضروری ہے۔دراصل اقبال کو خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حافظ کے دل برانہ پیرایۂ بیان کے سامنے اس کی افادیت اور مقصد پسندی کی شاعری روکھی پھیکی سمجھی جائے اس لئے اس نے ایک طرف تو آب ورنگِ شاعری کو غیر ضروری قرار دیا اور دوسری جانب پوری کوشش کی کہ اشعار میں توانائی کے ساتھ دل کشی بھی پیدا ہو اس بات کے لئے اس نے بلا تکلف حافظ کے پیرایۂ بیان کا تتبع کیا۔" (صفحہ ۱۸)

کتاب شروع سے آخر تک اقبال اور حافظ کے تقابلی مطالعہ و موازنہ کو پیش کرتی ہے اور کلامِ حافظ کی گونا گوں خصوصیات کا بڑے فن کارانہ اور ناقدانہ انداز میں جائزہ لیا گیا ہے۔کہیں بھی کسی فریق کے ساتھ غیر منصفانہ یا جانب دارانہ رویہ اختیار نہیں کیا گیا۔حافظ کے مطالعے کے لئے اور کلام حافظ کی تفہیم کے نقطۂ نظر سے یہ کتاب ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

۷۔حافظ کی شاعری :

انجمن ترقی ہند، دہلی کی جانب سے یہ کتاب ۱۹۷۷ء میں شائع کی گئی اس کتاب کی حیثیت بھی تحقیقی قسم کی ہے۔کیوں کہ اس کے مصنف کے۔این پنڈت نے جو فارسی کے ایک اچھے اسکالر ہیں، اس کتاب کو ایران میں تہران کے قیام کے دوران (۱۹۶۰-۶۱ء) تحریر کیا ہے۔اور حافظ کے سوانح کے متعلق جتنے اوّلین مواخذ اور ایرانیوں کی تحریریں مل سکتی تھیں، اُن سب سے انھوں نے استفادہ کیا۔ایرانی عالموں سے صلاح و مشورہ لیا ہے تحقیق و تنقید افہام و تفہیم کی کئی منزلوں سے گزر کر یہ تحقیقی کارنامہ منظرِ عام پر آیا ہے۔اور اس اعتبار سے یہ اردو میں حافظیات میں ایک اہم اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

ڈاکٹر خلیق انجم اس کتاب کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

"اُردو میں حافظ کی شاعری پر تنقیدی خیالات کا اظہار تو بہت کیا گیا ہے لیکن اس عظیم فن کار کے سوانح بالکل نظر انداز کر دئے

گئے علامہ شبلی نے شعرالعجم کے دوسرے حصے میں حافظ کے جو حالات زندگی لکھے تھے اُن میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکا محققین اور ناقدین گھما پھراکر وہی باتیں کہتے رہے جو علامہ شبلی نے کہی تھیں اس لئے غلط نہ ہوگا اگر میں یہ کہوں کہ حافظ کے سوانح پر اُردو میں کے۔این پنڈت کی یہ پہلی کتاب ہے۔" (حرفِ آغاز کتاب۔ھذا)

مصنف کے 'پیش گفتار' کے بعد اصل متن کو چار ابواب میں کچھ اس طرح تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا باب ___ شیراز: اس باب میں شیراز کی جغرافیائی اہمیت اور خصوصیت وہاں کے تاریخی مقامات مثلاً مسجد جامع عتیق، تنگ اللہ اکبر، مصلیٰ، رکنا باد حافظیہ وغیرہ کی تفصیل دی گئی ہے۔ جس کے پڑھنے سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ حافظ کو شیراز اتنا عزیز کیوں تھا اور کیوں ان کی شاعری شیراز کے ذکر سے بھری پڑی ہے۔

دوسرا باب ___ حافظ کے حالات زندگی کے ماخذ: تحقیقی اعتبار سے یہ باب سب سے زیادہ اہم ہے۔ کیوں کہ اس میں پہلی مرتبہ ان تمام ماخذوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جن سے حافظ کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں فارسی شاعروں، ادیبوں اور مورخوں کی وہ تمام تحریریں شامل ہیں جن میں کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی حیثیت سے حافظ کا تذکرہ موجود ہے۔ پھر وہ تذکرہ نویس جنھوں نے حافظ پر لکھا اور وہ محققین و ناقدین جنھوں نے حافظ کے احوال اور اس کی شاعری پر روشنی ڈالی، ان سب کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔ ان میں شاعروں کے دواوین، اہم اور مستند تذکرے، معاصرین کی تحقیق، دیوانِ حافظ کے قدیم نسخہ جات، دیوانِ حافظ کی شرحیں وغیرہ شامل ہیں۔ اس باب کے مطالعے سے حافظ کے مواخذ پر گہری روشنی پڑتی ہے۔ البتہ ایک بات کا افسوس ہوتا ہے کہ یہ تمام مواد کے۔ این پنڈت نے جہاں سے لیا ہے، اس کا حوالہ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر نہیں دیا یعنی دیوانِ حافظ مرتبہ ہاشم رضی۔

تیسرا باب ___ حافظ کی زندگی کے حالات: اس میں مختلف ماخذوں کی روشنی میں حافظ کے خاندان، آباء واجداد، تحصیلِ علم، حافظ کے استاد، سیر و سیاحت اور سفر، شیخ عماد اور اس کی بلی کا واقعہ، حاجی قوام الدین، مولانا شیخ زین الدین ابو بکر تایبادی اور شاہ شجاع کا واقعہ، امیر تیمور، حافظ کے خویشاوند وغیرہ کے متعلق تفصیل پیش کی گئی ہے۔

چوتھا باب ___ عصرِ حافظ: یہ باب حافظ کے عہد کے تاریخی، سیاسی اور سماجی پس منظر کو پیش کرتا ہے۔ اور اس اعتبار سے بے حد اہم ہے کہ اس سے حافظ کے عہد کے

مختلف حالات معلوم ہوتے ہیں۔ ایران (خصوصاً فارس اور شیراز) کے سیاسی بحران میں حافظ کا حاکمانِ وقت کے ساتھ تعلق اور اس کے اثرات۔ حافظ کی شاعری جن سیاسی واقعات کی آئینہ دار ہے ان کا ذکر، حافظ کے ممدوحین وغیرہ ان سب کی تفصیل بڑی تحقیق اور کاوش سے جمع کی گئی ہے۔ اور منظم طریقے پر پیش کی گئی ہے۔ آخر میں کتب و حوالہ جات کی فہرست ہے۔ اور ایران کے تمام قدیم و جدید فارسی مواخذ کا ذکر تو موجود ہے۔ لیکن ہندوستان کی کتابوں، دواوین اور شرحوں کا ذکر نہیں ملتا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب تہران یونیورسٹی میں کسبِ علم کے دوران لکھی گئی اور وہاں جو نادر و نایاب قلمی نسخے اور کتابیں دیکھنے کا مصنف کو موقع ملا تو وہ اسی میں کھو گیا اور ہندوستان سے دور رہنے کی وجہ سے ہندوستانی کتابوں کا تذکرہ اس میں شامل نہ ہو سکا۔

بہر حال یہ کتاب حافظیات میں قابلِ قدر اضافہ ہی نہیں، اردو میں حافظ پر کام کرنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

اردو کی وہ کتابیں جن میں حافظ کا ذکر ضمناً ملتا ہے:

حافظیات پر باقائدہ اور باضابطہ کتابوں کے علاوہ اردو میں کچھ ایسی کتابیں بھی ہیں جن میں حافظ کا ذکر ضمناً کیا گیا ہے ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مقدمہ شعرو شاعری:

اردو ادب کی تاریخ میں مولانا الطاف حسین حالی کی اس کتاب سے باقائدہ تنقید کا آغاز ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اور اہم ہے اس میں حالی نے شعر کی مختلف خصوصیات سے بحث کی ہے اور اپنا نظریۂ شعر پیش کیا ہے۔ حالی کا یہ خیال کہ ''شعر کا جادو الفاظ کی ترتیب میں ہے'' کے ضمن میں وہ خواجہ حافظ کے ایک شعر۔

صبا بلطف بگو آن غزالِ رعنارا
کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادہ ای مارا

کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس شعر کا خلاصۂ مطلب اس سے زیادہ نہیں ہے کہ ہم صرف معشوق کی بدولت پہاڑوں اور جنگلوں میں مارے مارے پھرتے ہیں.ظاہر ہے کہ اس میں امیجینیشن کا عمل خیالات میں اگر ہو بھی تو نہایت خفیف اور مختصر ہوگا.مگر الفاظ میں اس نے وہ کرشمہ دکھایا ہے جس نے شعر کو بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر

پهنچا دیا هے ۔اس قسم کے خیالات کی نسبت کها گیا هے ۔"عبارتے که به معنی برابری دارد"(صفحه ۱۰) اس کے بعد تشریح کے ساتھ شعر کی خوبی واضح کی هے۔"

۲۔حیات سعدی

حالی صرف نقاد ہی نہیں بلکہ سوانح نگار بھی تھے۔حیات سعدی جو حافظ کے پیش رو سعدی کی شاعری اور حیات کے متعلق لکھی گئی ہے اس میں ایک جگہ وہ فارسی غزل میں سعدی کے اصل جانشین حافظ کی غزل گوئی کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں جس کا ذکر اس سے پہلے حافظ پر اعتراضات کے ضمن میں آچکا ہے۔اس میں انہوں نے حافظ پر بہت سخت الزامات عائد کئے ہیں مثلاً یہ کہ حافظ کی غزلوں میں جس عیش کوشی اور خوش باشی کی تعلیم دی جاتی ہے وہ بے فکرے نوجوانوں کو ہمیشہ بالطبع مرغوب ہے،اسی لئے حافظ کی مقبولیت ہر دور میں رہی ہے۔یہاں غیر ضروری طوالت کے پیش نظر نیز تکرار سے گریز کی خاطر وہ اقتباس دوبارہ نہیں دیا جارہا ہے۔بہر حال حافظ سے متعلق حالی کے یہ خیالات حیات سعدی کے صفحہ ۱۷۳تا۱۷۵پر (مطبوعہ لاہور ۱۹۳۸ء) دیکھے جاسکتے ہیں۔

۳۔شعر العجم:

فارسی شاعری سے متعلق علامہ شبلی نعمانی کی یہ مشہور ضخیم و وقیع کتاب جہاں فارسی کے بہت سے شعراء کلام پر روشنی ڈالتی ہے وہیں انہوں نے خواجہ حافظ کا تذکرہ بھی کیا ہے۔یہ کتاب کئی جلدوں میں ہے۔لیکن حافظ کا تذکرہ جلد دوم میں ملتا ہے۔مذکورہ جلد میں حافظ پر ایک تفصیلی مضمون ہے۔جس میں ان کے حالاتِ زندگی اور خصوصیات کلام پر بحث کی گئی ہے۔نیز اشعار کی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔شبلی کی تنقید دو ٹوک ضرور ہے۔مگر توازن بھی ہے ایک جگہ خواجہ صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"خواجه صاحب اپنے اساتذه یا حریفوں سے طرحی غزلوں میں چنداں بلند مرتبه نهیں هیں۔ان کی شاعری کے مهمات مضامین بهی ان کا ذاتی سرمایه نهیں ۔بلکه خیام کے ابر قلم کے رشحات هیں۔بایں همه ان کی غزلوں نے دنیا میں جو غلغله برپا کر دیا ،اس کے آگے سعدی ،خسرو، خواجه، سلمان کی آوازیں بالکل پست هوگئیں ۔"(صفحہ۲۱۹)

اسی طرح ان کے کلام میں خوش باشی اور وارداتِ عشق سے فرماتے ہیں۔

"عشق و عاشقی سے ان کو وھیں تك تعلق ھے،جھاں تك لطف طبع اور شگفتگی خاطر کے کام آئے وہ نا امیدی ،حسرت ،یاس ،وغیرہ پرجو کچھ لکھتے ھیں تو محض تقلید ھوتی ھے .وہ غمگین منہ بنانا بھی چاھتے ھیں تو چھرے سے شگفتگی نھیں جاتی۔اس بنا پر وہ شوق ،ناز ونیاز ،بوس وکنار،بزم آرائی ومجلس افروزی کے جذبات اچھی طرح ادا کر سکتے ھیں .ان کا عشق بھی لطف نظر ھے اچھی صورت سامنے آئی دیکھ لی۔دل تازہ ھوگیا پاس بیٹھ گئے ھم زبانی کا لطف اٹھایا .زیادہ پھیلے تو سینے سے لگا لیا .گلے میں باھیں ڈال دیں .اس حالت میں بھی کوئی برا خیال نھیں پاك بازی اور پاك نظری کی روك قائم ھے۔"(صفحہ ۲۳۵)

غرض حافظ کی شاعری کا یہ ناقدانہ جائزہ قابلِ غور ہے۔

۴۔نیرنگ خیال:

حالی اور شبلی کے ہم عصر محمد حسین آزاد نے جو اپنے طرز کے خود ہی موجد اور خود ہی خاتم تھے ،انگریزی انشائیوں کے طرز پر اردو میں انشائیے لکھے اور کتاب کی شکل میں انہیں شائع کیا۔اس کتاب کا نام ہے"نیرنگِ خیال"۔اس کے ایک انشائیے"شہرتِ عام اور بقائے دوام کا دربار"میں انہوں نے حافظ کا داخلہ جس شان سے کروایا ہے وہ حافظ کے ادبی رتبہ کا بہترین اظہار ہے چونکہ اس کا ذکر کتاب کے ابتدائی صفحات میں آ گیا ہے۔لہٰذا یہاں یہ اقتباس نہیں دیا جارہا ہے۔

۵۔کاشف الحقائق:

کاشف الحقائق وہ کتاب ہے جس میں سیّد امداد امام اثر نے اپنے خیالات کا بے دریغ اظہار کیا ہے۔وہ ایک زبردست عالم تھے۔مختلف زبانوں پر انہیں عبور حاصل تھا۔دنیا کا تجربہ رکھتے تھے۔اس لئے فارسی ادب پر ان کی گہری نظر تھی اور حافظ کے زبردست معتقدین میں سے تھے حالانکہ اس کتاب کا اصل نسخہ اب نایاب ہے لیکن ترقی اردو بیورو،نئی دہلی کی جانب سے ۱۹۸۲ء ڈاکٹر وہاب اشرفی نے اسے از سرِ نو ترتیب دیا ہے۔

اس کتاب میں خواجہ حافظ سے متعلق ایک تفصیلی تذکرہ ملتا ہے۔جس میں امداد امام

نے خواجہ کا موازنہ فارسی میں سعدی سے اس طرح کیا ہے جیسے اردو میں میر اور سودا کا موازنہ۔ وہ حافظ کو فارسی غزل گوئی میں سعدی کے مقابلے پر میر کا درجہ دیتے ہیں، لکھتے ہیں۔

"خواجہ وہ شاعر ہیں کہ ہر چند اصناف شاعری سے صرف ایک صنف شاعری یعنی غزل گوئی کے برتنے والے ہیں مگر اس ایک صنف میں انہوں نے دوعالم کی سیر دکھائی ہے۔ لاریب خواجہ نہ ہوتے تو فارسی کی شاعری کو اس قدر بلند پائیگی نصیب نہ ہوتی"۔ (صفحہ ۸۴۔۲۸۳)

خواجہ سے ان کی عقیدت مولانا حقی کی طرح اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ وہ اردو شاعروں کے کلام کو ان کے شاعری کا سولہواں حصہ بھی قرار دینے کو تیار نہیں۔ خصوصاً غالب کو مولانا حقی کی طرح حافظ سے کم تر جانتے ہیں۔ حافظ کی شاعری کے تو وہ اتنے عاشق ہیں کہ ان کا حیال ہے۔ ''کلام کا ہے کو ہے ملائک کی تسبیح و تہلیل ہے''۔ (صفحہ ۲۸۰)

غبارِ خاطر:

یہ مولانا آزاد کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو انہوں نے قلعہ احمد نگر جیل میں اسیری کے دوران اپنے دوست مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی کے نام لکھے۔ حالانکہ باہر کی دنیا سے ان کا رابطہ قطعاً منقطع ہو چکا تھا۔ لیکن مولانا کی خطیبانہ تخلیقی صلاحیت ان کو کچھ کہنے اور لکھنے کے لئے بے چین کر دیتی تھی۔ لہٰذا مولانا نے اس اضطراب کا بہتر علاج یہ نکالا کہ روزانہ ایک خط مولانا شیروانی کے نام لکھ کر اسے اپنی اٹیچی میں رکھ دیتے تھے۔ جب رہائی پر یہ تمام خطوط مکتوب الیہ تک پہنچانا چاہے تو ان کے سیکریٹری کی ایماء پر اس نے کتابی شکل دے دی۔ چونکہ ان خطوط میں مولانا نے دل کا غبار نکالا تھا لہٰذا اس کا نام انھوں نے 'غبارِ خاطر' رکھا۔

ان خطوط سے جہاں مولانا کے حالات زندگی، ان کے مشاغل ان کی دلچسپیاں ان کے ذوق شوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہیں مولانا کے علمی تبحر اور ادبی مذاق کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اور اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا عربی اور فارسی کے ایک اچھے عالم تھے۔ خصوصاً فارسی شعر و ادب پر ان کی بڑی گہری نظر تھی۔ اور فارسی شعراء کے سینکڑوں اشعار انھیں از بر تھے جو باتوں باتوں میں برقت و برمحل اور برجستہ استعمال کرتے۔

عربی فارسی شعراء کے جتنے اشعار 'غبارِ خاطر' میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں ان میں سب سے زیادہ اشعار حافظ کے ہیں۔ جنھیں وہ قدم قدم پر استعمال کرتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ غالباً یہ

بھی ہے کہ مولانا اور حافظ دونوں کے مزاج میں بہت کچھ مماثلت تھی۔ مولانا مذہب کی ظاہر پرستی کے خلاف تھے۔ حافظ بھی اسے ناپسند کرتے تھے بلکہ اس کے زبردست نقاد تھے۔ رندانہ سرمستی جو حافظ کے مزاج کی پہچان ہے، مولانا کی فطرت میں بھی ایک قلندرانہ شان کے ساتھ موجود ہے۔

صبح خیزی اور وردِ قرآن حافظ کے مشاغل تھے تو مولانا کے روزمرہ میں بھی شامل تھے۔ فطرت سے دلچسپی، بہار اور پھولوں سے محبت، موسیقی سے شغف حافظ اور مولانا دونوں ہی کے یہاں نظر آتا ہے۔ غرضیکہ ایسے کئی پہلو ہیں جو دونوں کے ہاں مماثلت رکھتے ہیں۔ اسی لیے 'غبارِ خاطر' میں حافظ کے متعدد اشعار مولانا نے حوالے کے طور پر پیش کیے ہیں۔ کبھی اپنی بات کو واضح کرنے کے لیے کبھی مزید تقویت دینے کے لیے۔

حافظ کو مولانا کبھی 'خواجہ شیراز' کہہ کر مخاطب کرتے ہیں اور کبھی "عارف شیراز' غبارِ خاطر، کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا ہر دوسرے صفحے پر مولانا نے حافظ کے کسی نہ کسی شعر یا مصرع کا حوالہ دیا ہے۔ بحث چاہے کسی موضوع پر بھی ہو، زندگی کی بے ثباتی، فلسفہ، شعر و ادب، سفر حضر، قید و بند، مولانا جھٹ حافظ کا کوئی شعر مثال کے طور پر پیش کر دیتے ہیں۔ غبارِ خاطر کا پہلا ہی خط جو رہائی کے بعد نواب صدر یار جنگ کے نام لکھا گیا۔ حافظ کے اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشینِ دل
می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

جواب میں مولانا کے مزاج کے مطابق حبیب الرحمٰن بھی حافظ ہی کو حوالہ بناتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

"جس دن بدرِ کامل گھن سے نکلا تھا دل نے محسوس کیا تھا کہ نورِ عظمت جہاں تاب ہوگا، ہوا اور کس شان سے ہوا۔ ۲۷/ جون کو پہاڑ کی چوٹیوں کا ایک ہنگامہ ایک گروپ کی شکل میں سامنے آیا۔ اس میں ایک پیکر محبوب بھی تھی قینچی لی مجمع اغیار سے جدا کیا۔ دیکھا، شیراز کی طرف سے صدا آئی۔

روشن از پر تو رویت نظرے نیست کہ نیست
منت خاکِ درت بر بصرے نیست کہ نیست

اس غزل کا ایک اور شعر شاید بے موقع ہو۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست

خیر یہ تو ترانہ شیراز تھا۔ کان لگاتا ہوں تو شملہ کی چوٹیوں سے دوسرا ترانۂ محبت سامعہ نواز ہورہا ہے۔

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشینِ دل
می بینمت عیاں و دعا می فرستمت"

غبارِ خاطر سے حافظ شناسی کی چند مثالیں اور ملاحظہ ہوں۔

ا۔ ساڑھے سات بج چکے تھے کہ ٹرین نے کوچ کی سیٹی بجائی۔ حافظ کی مشہور غزل کا یہ شعر کم از کم سینکڑوں مرتبہ تو پڑھا اور سنا ہوگا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کا اصلی لطف اسی وقت آیا۔

کس ندانست کہ منزل گہہ مقصود کجاست
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

آگے چل کر پھر حافظ کو یاد کرتے ہیں۔

"صدائے جرس نے پھر کوچ کا اعلان کر دیا"

جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محملہا

۲۔ زندگی کے ہر سات دن میں ایک قید خانے کے اندر گزرا۔ تورات کے احکام عشرہ میں ایک حکم سبت کے لیے بھی تھا۔ یعنی ہفتہ کا ساتواں دن تعطیل کا مقدس دن سمجھا جائے۔ مسیحیت اور اسلام نے بھی یہ تعطیل قائم رکھی۔ سو ہمارے حصے میں بھی سبت کا دن آیا۔ مگر تعطیلیں اس طرح بسر ہوئیں گویا خواجہ شیراز کے دستور العمل پر کاربند رہے۔

نہ گوئیمت کہ ہمہ سال مے پرستی کن
سہ ماہ مے خور و نہ ماہ پارسا می باش

۳۔ وہی صبح چار بجے کا جاں فزا وقت ہے۔ صراحی لبریز اور جام آمادہ۔ ایک دور ختم کر چکا ہوں دسرے کے لیے ہاتھ بڑھا رہا ہوں۔

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است
صراحی مے ناب و سفینۂ غزل است
جریدہ رو کہ گزر گاہِ عافیت تنگ است
پیالہ گیر کہ عمر عزیز بے بدل است

طبیعت وقت کی کشاکش سے یک قلم فارغ اور دل فکر این و آں سے بکلی آسودہ ہے۔ اپنی حالت دیکھتا ہوں تو وہ عالم دکھائی دیتا ہے جس کی خبر خواجہ شیراز نے چھ سو سال پہلے دے دی تھی۔ زندگی کے چالیس سال کی طرح طرح کی کاوشوں میں بسر کیے مگر اب دیکھا تو معلوم ہوا کہ صبح کا جاں فزا وقت ہو اور چین کی بہترین چائے کے پے در پے فنجان۔

چل سال رنج و غصہ کشیدیم و عاقبت
تدبیر ما بہ دستِ شرابِ دو سالہ بود

۴۔ دہلی میں مفتی صدر الدین مرحوم سے صبح کی سنت و فرض کے درمیان سبق لیا کرتا تھا۔ اور اس امتیاز پر نازاں رہتا تھا کیونکہ وہ چاہتے تھے مجھے خصوصیت کے ساتھ اوروں سے علیحدہ سبق دیں۔ وہ بھی شاہ عبدالعزیز سے علی الصباح سبق لیا کرتے تھے اور پچھلے پہر سے اٹھ کر اس کی تیاری میں لگ جاتے تھے۔ پھر خواجہ شیراز کا یہ مقطع ذوق لے لے کر پڑھتے۔

مرو بخواب کہ حافظ بہ بارگاہ قبول
زوردِ نیم شب و درسِ صبح گاہ رسید

۵۔ اب چائے کے تیسرے فنجان کے لیے ہمیشہ اس دور صبوحی کا آخری جام ہوتا۔ ہاتھ بڑھاتا ہوں اور یہ افسانہ سرائی ختم کرتا ہوں۔ یادش بخیر خواجہ شیراز کے پیر مے فروش کی موعظت بھی وقت پر کام دے گئی ہے۔

دی پیرِ مے فروش کہ ذکرش بخیر باد
گفتا "شراب نوش و غمِ دل ببر زیاد"
گفتم "بیادِمی دہدم بادہ نام و ننگ"
گفتا "قبول کن سخن و ہر چہ بادا باد"

بے خار گل نہ باشد و بے نیش نوش ہم
تدبیر چیست ؟ وضع جہاں ایں چنیں فتاد

پرُکن ز بادہ جام دمادم بگوش ہوش
بشنو ازو حکایت جمشید و کیقباد

۶۔ کسی بادہ گسار نے شاپین اور بورڈو کے صد سالہ تہ خانوں کے عرق کہن سال میں بھی وہ کیف و سرور کہاں پایا ہوگا جو چائے کے اس دور صبح گاہی کا ہر گھونٹ میرے لیے مہیا کرتا ہے۔

ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم
اے بی خبر ز لذّت شرب مدام ما

۷۔اڑنے کے سروسامان میں سے کون سی چیز تھی جو اس نو گرفتارِ قفس حیات کے حصے میں نہیں آئی تھی۔فطرت نے سارا سروسامان مہیا کر کے اسے بھیجا تھا اور ماں کے اشارے دم بدم گرم پروازی کے لیے ابھار رہے تھے لیکن جب تک اس کے اندر خود شناسی پیدا نہیں ہوئی اور اس حقیقت کا عرفان نہیں ہوا کہ طائر بلند پرواز ہے۔خواجہ شیراز نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا۔

چہ گویمت کہ بہ مے خانہ دوش مستِ خراب
سروش عالم غیبم چہ مژدہا دادست
کہ اے بلند نظر ، شاہ بازِ سدرہ نشیں
نشیمن تو نہ ایں کنج محنت آباد ست
ترا ز کنگرۂ عرش می زنند صفیر
ندانمت کہ دریں دامگہ چہ افتادست

۸۔جس زمانے میں موسیقی کا اشتغال جاری تھا۔طبیعت کی خود رفتگی اور محویت بعض ناقابلِ فراموش احوال پیش آئے جو اگرچہ خود گزر گئے لیکن ہمیشہ کے لیے دامنِ زندگی پر اپنا رنگ چھوڑ گئے۔کیا کہوں اور کس طرح کہوں کہ فریب تخیل کے کیسے کیسے جلوے انھیں آنکھوں کے آگے گزر چلے ہیں۔

گدائے میکدہ ام ، لیک وقتِ مستی بیں
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

یہ اور اس قسم کی بے شمار مثالیں 'غبارِ خاطر' میں موجود ہیں جن میں مولانا نے حافظ کے شعروں کو اپنی بات کی تفہیم و تاثر کا سہارا بنایا ہے۔اس موضوع پر ناچیز کا ایک طویل مضمون موجود ہے۔

۷۔اصغر:

اردو کے مشہور غزل گو شاعر اصغر گونڈوی جن کے ہاں تصوف کا عنصر غالب نظر آتا ہے، کی شاعری پر لکھی ہوئی یہ کتاب مشہور ناقد عبدالشکور کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے جو اسرار کریمی پریس سے ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب میں جہاں اصغر کے حالات زندگی کا ذکر کیا گیا ہے وہیں

تصوف کے سلسلے میں بھی ایک اچھی خاصی بحث کی گئی ہے۔ تا کہ اصغر کے کلام میں صوفیانہ عناصر کی نشان دہی کی جا سکے۔ اسی ضمن میں حافظ کے افکار پر بھی ایک تفصیلی بحث ملتی ہے۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ جیسے عبدالشکور نے یہ خیالات حالی اور اقبال سے مستعار لیے ہیں۔ کیونکہ ان کے الفاظ میں حالی کے 'مقدمہ شعر و شاعری' اور 'حیاتِ سعدی' کی گونج سنائی دیتی ہے۔ نیز حافظ کے ضمن میں اقبال کے نظریات سے کافی قریب نظر آتے ہیں۔ اسی لیے انھوں نے بھی حافظ پر وہی اعتراضات اٹھائے ہیں جو مذکورہ ہر دو حضرات کے ہاں ملتے ہیں۔ ایک طویل اقتباس ملاحظہ ہو۔

"جہاں تک اردو شاعری کا تعلق ہے ان روایات کا سر چشمہ عموماً حافظؔ شیرازی کے کلام کو بتایا جاتا ہے۔ یہ غلط تو نہیں لیکن یک رخہ ضرور ہے۔ دیوانِ حافظؔ ہندوستان میں مدتوں معرفت اور فقیر خیال اصحاب سخن کا تختۂ مشق اور مرفہ حال اور ارباب ذوق کا آلۂ تفریح رہا ہے۔ یہی وہ گنجینہ ہے جو اللہ والوں کے لیے فال و حال و قال کا مخزن اور آرام گاہ اور بزرگانِ طریقت کے کن رسیا زائرین کے تفننِ طبع کا ایک لطیف اور رنگین ذریعہ بنا رہا۔" (صفحہ ۵۴)

اس کے بعد دیوانِ حافظ کے ہر دل عزیزی کے مختلف اسباب پر روشنی ڈالتے ہیں۔

۱۔ کچھ آسودہ شکم رنگین مزاج تو حافظ کے کلام کی رنگینی اور اس کے ترنم سے اپنی اس تشنگی کو بجھاتے تھے جس کو اور دوسرے ذرائع آسودگی کو ناموس خاندان کا پاس اور شرافت نسب کی لاج ممنوع قرار دیتی تھی۔

۲۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کو حظِ نفس کے علاوہ حافظ کے یہاں ایک فلسفہ اگر نہیں تو ایک ایسا نظریہ ضرور ملتا تھا جو کم از کم کچھ عرصے کے لیے تو زندگی کی بدمزگیوں اور حقیقت کی تلخیوں کو ابھار دیتا تھا۔

۳۔ اس ہر دل عزیزی کا سب سے بڑا سبب خود اس زمانے کی افتادِ طبیعت اور مزاج میں آپ کو ملے گا۔ گذشتہ تین سو سال کی بدمزگی آلام کا تقاضہ تھا کہ کوئی ایسا ذہنی مشغلہ تلاش کیا جائے جو ایک لمحہ ہی کے لیے غم دنیا کو بھلا دے۔ (صفحہ ۵۵)

آگے چل کر حافظ کے کلام کا یوں منفی تجزیہ کرتے ہیں۔

"حافظ کے کلام میں سرمستی ہے، رنگینی ہے، ترنم ہے، لیکن

اس کے ساتھ ساتھ ایک اعضاء شکن خمار ، ایک همت سوز دعوتِ ناؤ نوش اور ایک مایوس عملِ حکمت بھی ھے۔ ان کی سرمستی کبھی کبھی سرِ منزل تقویٰ نھیں بنتی۔ ان کی رنگینی حقیقت سے اکثر شرمندہ رھتی ھے۔ ان کا ترنم خودفراموشی اور گریز نفس کی حیلہ سازیوں کی کے مضراب ھی سے وجود میں آتاھے۔"

حافظ کی شاعری پر یہ اعتراضات کوئی نئے نہیں اور یہاں ان کے جوابات دینے کا موقع بھی نہیں اس لیے اس موضوع پر اگلے صفحات میں بحث ہو چکی ہے۔اور ہمارے بہت سے ناقدین نے بڑے مدلل انداز میں ان کے جوابات دیے ہیں فارسی نقادوں نے بھی اور اردو نقادوں نے بھی ان اعتراضات کے جواب میں ہمارے بعض نقادوں نے تو محض مضامین ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پوری پوری کتابیں تصنیف کی ہیں۔ بہر حال اس قسم کے حوالوں سے ایک بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ اردو نقادوں نے چاہے موافقت میں ہو چاہے مخالفت میں لیکن حافظ کا ذکر کہیں نہ کہیں کیا ضرور ہے۔اور وہ اردو شاعری کے صوفیانہ افکار کی بنیاد کلام حافظ ہی کو تسلیم کرتے ہیں۔

۸۔عرفانِ غالب:

مشہور اردو نقاد پروفیسر آل اور احمد سرور کی تحریر کردہ یہ کتاب یقیناً مرزا اسد اللہ خان غالب کے فکروفن کا احاطہ کرتی ہے۔علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبہ اردو کی اشاعت ہی کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جو ۱۹۷۳ء میں شائع ہوتی ہے۔

اس کتاب میں جہاں آلِ احمد سرور نے غالب کی فارسی شاعری پر بحث کی وہیں غالب کی غزل گوئی میں حافظ کی غزل گوئی کے اثرات تلاش کیے ہیں اوراس پر بحث کی ہے۔اس ضمن میں حافظ کے متعلق گوئٹے کے خیالات کا بھی ذکر آیا ہے اور حافظ کے سلسلے میں گوئٹے کے الفاظ کا اردو ترجمہ یوں ہے۔

" اے پیر دانا حافظ! لوگوں نے تمھیں لسان الغیب سمجھا لیکن ان نادانوں نے اس لفظ کے مفھوم کو نھیں سمجھا۔ تم ان کے لیے صوفی ھو کیونکہ تمھاری شاعری سے ان کے ذھنوں میں احمقانہ خیالات پیدا ھوئے اور اسی لیے انھوں نے تمھارے جام میں ناپاک شراب بھر دی۔ بے شک تم صوفی ھو۔ اس لیے کہ لوگوں

نے تمھیں سمجھا نہیں۔تم رحمت یافتہ ہو زہد کے بغیر اور اس بات کو تمھارے نادان مداح نہیں سمجھتے۔" (صفحہ۲۳)

۹۔ غالبؔ ـــ تقلید اور اجتہاد:

غالب کے فکروفن سے متعلق یہ کتاب پروفیسر خورشید الاسلام کی تحریر کردہ ہے جو نیشنل بک ہاؤس علی گڑھ سے شائع ہوئی ہے۔اس کتاب میں بھی غالب کی فارسی شاعری پر بحث کی گئی ہے۔اور اسی ضمن میں حافظ کا بھی ذکر آیا ہے اور غنی کاشمیری اور ناصر علی ہندی وغیرہ کا حافظ سے تقابل کیا گیا ہے۔لکھتے ہیں۔

" ان شعراء کے یہاں حسن و عشق اور حیات و کائنات کی وہ آگھی نایاب ھے جو ناقص مادی حقیقت کو ھر روپ میں دیکھ کراسے ایك نئی اور شور انگیز وحدت میں ڈھال دیتی ھے۔ اور وہ غم مفقود ھے جو زندگی کی ظلمتوں میں آبِ حیات کا سرچشمہ بن جاتا ھے اور جس کے والھانہ اظھار نے حافظؔ کو لازوال بنادیا ھے۔"(صفحہ۲۰۸)

۱۰۔ غالبؔ ـــ کچھ مضامین:

ڈاکٹر خلیق انجم کی مرتبہ یہ کتاب انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی سے ۱۹۹۱ء میں شائع ہوئی ہے۔جن میں مختلف مشاہیر اہلِ قلم کے مضامین غالب سے متعلق شامل ہیں۔انھیں میں ایک مضمون پروفیسر نذیر احمد کا ہے جس کا عنوان ہے"غالب کے فارسی قصائد کا مطالعہ لسانی نقطۂ نظر سے۔"
اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ غالب کا ایک قصیدہ حافظ کی ایک غزل کی پیروی میں نظم ہوا ہے اور اس میں حافظ کے ایک مصرعے کی تضمین ہے۔

ہمہ زینجاست کہ دانا دلِ شیراز سرود
بندۂ طلعت آں باش کہ آنی دارد

اس کے بعد فارسی شاعری میں غالب کا مرتبہ متعین کرنے کی غرض سے حافظ کی غزل اور غالب کے قصیدے کے چند اشعار بالمقابل درج کیے گئے ہیں۔(صفحہ۴۰۶)

۱۱۔ محاسن الفاظ غالبؔ:

پروفیسر نذیر احمد کی یہ کتاب بھی یقیناً غالب کے فکروفن سے متعلق ہے اور اس میں غالب کی لفظیات سے بحث کی گئی ہے۔لیکن فارسی غزل گوئی کے تعلق سے غالب کی فارسی غزل

گوئی کے پس منظر کے طور پر حافظؔ کی غزل گوئی میں صنائع و بدائع کے استعمال پر اپنے خیالات کا اظہار صفحہ ۱۴۱ پر یوں فرمایا ہے۔

"خواجہ حافظؔ نے اپنے بعض ہم عصر شاعروں پر طعن کی ہے کہ وہ صنعت گر ہیں اور شعر رواں نہیں رکھتے۔ مگر خود حافظؔ کے کلام میں ایہام، مراعات النظیر، تجنیس اور صنعتِ طباق یا تضاد وغیرہ کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔"

۱۔ ایہام:

شراب خوردہ و خوی کردہ می روی بچمن
فروغ روی تو آتش در ارغواں انداخت

۲۔ مراعات النظیر:

خرقۂ زہد مرا آب خرابات ببرد
خانۂ عقل مرا آتش میخانہ سوخت

۳۔ تجنیس تام:

دلم ز پردہ بروں شد کجائی ای مطرب
بنال ہاں کہ ازیں پردہ کارما بودہ است

اور ایسی ہی کئی مثالیں حافظ کے شعروں کی دی ہیں۔

۱۲۔ کلیات محمد قلی قطب شاہ:

ڈاکٹر سیّدہ جعفر کی تحریر کردہ کتاب، ترقی اردو کی جانب سے ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں والیِ دکن سلطان محمد قطب شاہ کے حیات اور فن پر بحث کی گئی ہے۔ نیز اس کے کلیات کی تدوین کی گئی ہے۔ محمد قلی کی فارسی اور اردو شاعری پر بحث کی ہے اور اس حقیقت کی نشان دہی کی ہے کہ فارسی شاعری میں محمد قلی حافظ سے زیادہ متاثر نظر آتا ہے اور یہی نہیں بلکہ بقول ڈاکٹر زور۔

"محمد قلی کے کلام میں تصوف کی چاشنی پیدا ہونے کے سبب خواجہ شیرازی کا مطالعہ اس کی شاعری کی تقلید اور اردو ترجمے کی کوشش ہے۔" (دیباچہ کلیات محمد قلی قطب شاہ، صفحہ:۴۶)

محمد قلی نے حافظ کی جن غزلوں کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے وہ سب کے سب عشق

مجازی کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ اس کے بعد حافظؔ کی ان چار غزلوں کا قطب شاہ کا کیا ہو اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

۱۳۔ مقاماتِ اقبالؔ:

مشہور ناقد اور ماہرِ اقبالیات ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے اپنی مذکورہ کتاب میں جہاں اقبالِ کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے وہیں انھوں نے ایک خاص طور پر "اقبال اور حافظ کے ذہنی فاصلے" کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔ جس میں اقبالِ کے حافظ کی شاعری پر کیے گئے اعتراضات کی روشنی میں کلامِ حافظ کا جائزہ لیا گیا ہے اور اقبالؔ کے افکار اور حافظ کے افکار کا ایک تقابلی مطالعہ پیش کر کے ان تمام غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو اردو داں طبقہ میں اقبال کے اعتراض کے بعد حافظؔ کی شاعری کی ضمن میں پیدا ہوئی تھیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"اقبال و حافظؔ کو سراپا نقیض یا ضد قرار دینے کا فیصلہ قابلِ غور ہے۔ کیونکہ حافظؔ کی مجموعی فکریات کامطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اقبال کا فکرحبس سرِ منزل ، کی رہنمائی کرتا ہے حافظؔ کا فکر اسی کی ایک "پس منزل " ہے۔ ان دونوں میں باہمی وہ نسبت نہیں جو مشرق سے مغرب کی طرف جانے والی سڑک کی مخالف سمتوں میں ہوا کرتی ہے بلکہ وہ ہے جو ایک ہی سمت کی اگلی پچھلی منزلوں میں ہوتی ہے۔" (صفحہ۔۷۲، مطبوعہ نقوش پریس، لاہور۔ جولائی ۱۹۵۹ء)

آگے چل کر حافظؔ کی شاعری کا تجزیہ یوں کرتے ہیں۔

" اقبال اگر زندگی میں پیکار کی ضرورت پر زور دیتے ہیں تو حافظؔ پیکار کے لیے اس پر سکون قوت کو ضروری سمجھتے ہیں۔ جس کے بغیر انسان پیکار کے لیے آمادہ ہو ہی نہیں سکتا۔ حافظؔ کے خیالات زندگی سے لگاؤ کی اولین منزل کے ترجمان ہیں ۔ ان کا رخ موت سے حیات کی طرف ہے۔ اسی سے حیات کی گونا گوں سرگرمیوں کے راستے آگے نکلتے ہیں۔ ایسے شعبہ ہائے حیات بھی جن کا شعور زندگی اور اس کی پیکار کے لیے مفید ہے۔

حافظؔ کی شاعری میں انسان کی جذباتی اور فرد کی نفسیاتی زندگی کے یہ عناصر خاصے چبھتے ہوئے انداز میں پیش

ہوئے ہیں۔ ان کو پڑھنے کے بعد انسان زندگی اور نظام کائنات پر غور کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے ۔ حافظ کی آواز ، انسانی زندگی اور نظام بنیادی سچائیوں کی ترجمانی کرتی ہے ۔ جو اپنی جگہ ناگزیر ، اٹل اور حد درجہ قابلِ توجہ ہیں۔ یہ سچائیاں ہیں جن کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔"

ڈاکٹر سیّد عبداللہ متوازن تنقید لکھنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ حافظ اور اقبال کے سلسلے میں بھی انھوں نے انصاف سے کام لیا ہے۔ اور ہر دور میں سے کسی کی بھی نہ بے جا طرف داری کی ہے اور نہ بے جا تنقید یا تنقیص سے کام لیا ہے۔ خصوصاً حافظ کے سلسلے میں ان کی تحریر میں بڑا توازن ملتا ہے۔ اسی مضمون میں حافظ پر لگائے گئے عیش کوشی کے الزام کے جواب میں لکھتے ہیں۔

"خوش دلی اور خوش باشی کی عام تلقین کے باوجود ان کو عیاش اور عیش پرست نہیں کہا جاسکتا۔ وہ ایسے بے ضمیر رند لا بالی بھی نہ تھے کہ انہوں نے زندگی کی تلخ موسیقی کو کبھی سنا ہی نہ ہو۔ زندگی کی گہری سچائیوں پر اور کائنات کی تلخ حقیقتوں پر کبھی غور کیا ہی نہ ہو۔ حافظ کے مزاج اور کردار کا صحیح تجزیہ معلوم نہیں ہوتا۔ ان کے شخصی حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک محسوس کرنے والے اور سوچنے والے آدمی تھے۔ ان کی اخلاقی حس کمزور نہ تھی ، انہوں نے تو شاعری کی ابتدا ہی جذباتی خلوص سے کی۔ بابا کوھی کے مزار پران کی آہ و فغاں کسی بے شعور آدمی کی شعبدہ گری نہ تھی۔ اس میں تو ان کا گہرا احساس کارفرما تھا۔" (صفحہ ۷۵)

ڈاکٹر سیّد عبداللہ حافظ کی سلائے عیش کو صلائے امید قرار دیتے ہیں وہ اس میں غم کی ایک ہلکی سی آمیزش بھی پاتے ہیں اور یہ غم انسان کی مجبوریوں کا ہے۔ جو اسے کائنات کے اس تغیر پذیر نظام میں طوفان کے تنکے کی طرح تھپیڑے کھلاتا ہے وہ فرماتے ہیں۔

" حافظ طبعاً ایک مغموم شخص تھے اور ان کا نغمۂ عیش ، نوحۂ الم ہی کی ایک بدلی ہوئی صورت ہے۔ یہ نوحۂ غم شخصی محرومیوں اور ناکامیوں کا نتیجہ بھی ہے ۔ مگر یہ خاص طور سے

ان عام نوعی محرومیوں کا نتیجه هے جو انسان کے مقدر میں هیں۔ یه وہ محرومیاں هیں جن سے هر انسان کو کسی نه کسی طرح سابقه پڑتا هے۔ مثلاً موت کا وجود، زندگی کا عارضی هونا، زندگی کی دهوپ چهائوں اور بهار و خزاں، مصائب اور حوادث کے نسیب و فراز .... حافظؒ نے زندگی کے ان تضادات اور بنی نوع انسان کی ان بے چارگیوں کو شدّت سے محسوس کیا هے۔ وہ زندگی میں مرحله به مرحله اور منزل به منزل اپنے اور اپنی نوع کے غموں اور مقهوریوں پر غور کرکے اس نتیجے پر پهنچے هیں که یه تمام سنسار ایك یخ بسته پابند نظام هے۔ حافظؒ کی شاعری اسی نظام تقدیر کے خلاف ایك احتجاج هے۔" (صفحہ۷۸)

اسی کتاب میں ایک اور مضمون ہے۔" اقبال شعرائے فارسی کی صف میں" جس میں اقبال کے فارسی کلام کا مقابلہ جہاں رومی، بیدل، عرفی اور فیضی کے ساتھ کیا ہے وہیں حافظ کا بھی ذکر ہے کلام اقبال پر اسلوب حافظ کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے وہ رقم طراز ہیں۔

"اقبال کا سر سری مطالعه بهی اس بات کا ثبوت بهم پهنچادیتا هے که افکاروخیالات میں نه سهی کم از کم اسالیب کے معاملے میں حافظؒ سچ مچ اقبال کے ادبی پیر و مرشد هیں کیونکه ان کے پیرایه هائے بیان اقبال کے کلام میں کچھ اس کثرت سے بکهرے پڑے هیں که اقبال و حافظؒ کی غائبانه کش مکش بظاهر ایك خواب اور افسانه بن کرره جاتی هے۔" (صفحہ۱۲۱)

۱۴۔ سب رس:

ملا وجہی کی یہ کتاب جو ابن سیبک فتاحی کے قصہ حسن و دل پر مبنی ہے دکن میں اردو نثر کی پہلی اہم کتاب ہے اور تمثیلی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں ملا وجہی نے اپنے تجربات کا اظہار قدم قدم پر مختلف دانش وروں کے اقوال کے حوالے سے کیا ہے۔ اس میں حافظ کے بھی کئی اشعار کا حوالہ ملتا ہے۔

۱۵۔ اوصاف اقبالؒ: (مطبوعہ اپریل ۱۹۸۱ء۔ دہلی)

اس کتاب کو بہار الہ آبادی نے مرتب کیا ہے۔ جس میں اقبال کے فکروفن سے متعلق

مقالات شامل ہیں۔انھیں میں ایک مقالہ بعنوان ''حافظ اور قبال ___ کرم حیدر کا لکھا ہوا ہے۔اس مضمون میں فارسی کے ان دونوں بڑے شاعروں، حافظ اور اقبال کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے اور مماثلت اور اختلافات کے مختلف نکات پر بحث کی گئی ہے۔ مثلاً

۱۔اپنی زندگی میں حافظ کو 'لسانِ غیب' اور 'ترجمانِ اسرار' کے خطابات دیے گئے۔اسی طرح قوم نے اقبال کو 'حکیم الامت' اور 'ترجمانِ حقیقت' کہا۔اور حق یہ ہے کہ یہ دونوں شاعران خطابات کے ہر طرح سے مستحق بھی تھے۔دونوں خودنگر اور خودشناس تھے۔اس لیے اپنے اپنے مرتبہ ومقام سے بھی بخوبی آگاہ۔حافظ نے کہا تھا۔

ہرگز نمیرد آن کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

تو اقبال کا بھی یہی تاثر تھا۔

پس از من شعرِ من خوانند و دریا بند و می گویند
جہانے را دگرگوں کردیک مردِ خود آگاہے

۲۔دونوں کے اندازِ بیان، اسلوب، لہجے اور آہنگ میں بھی نہایت قریبی مماثلت ہے۔حافظ دبستانِ عراقی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اشعار میں ترصیع وتجنیع بدرجۂ کمال ہے۔کلام میں معنوی خوبیاں بھی بے انتہا ہیں۔اور صنائع وبدائع، تشبیہ واستعارہ، ایہام ومحاکات، بلاغت اور صوتی تاثرات کا التزام بھی ہے۔ اقبال دبستانِ ہندی ایرانی کے پیرو ہیں......تشبیہ و استعارہ، محاکات، تخیلی صورت گری، لفظ وصوت کی ہم آہنگی، تراکیب کی ندرت، الفاظ کی شوکت، ترنم اور نغمگی اور بیان کی جامعیت یہ تمام خوبیاں جتنی عمدگی کے ساتھ ان کے کلام میں ملتی ہیں، بہت کم شعرا کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔

اس کے علاوہ فکری اعتبار سے ان دونوں کے اختلافات پر بحث کی گئی ہے۔

۱۔حافظ سے متعلق چند اردو مقالات

۱۔**ادب لطیف لاہور**: اس رسالے میں ڈاکٹر ظ۔انصاری کا ایک مقالہ غالباً ۱۹۵۶ء کے آس پاس شائع ہوا تھا۔جس میں انھوں نے حافظ پر سخت اعتراضات اٹھائے ہیں

اور اسی مقالے کے جواب میں سجاد ظہیر نے ذکر حافظ لکھی۔ ڈاکٹر ظ۔ انصاری کے اٹھائے گئے چند اعتراضات یہ ہیں۔

حافظ نے فرار میں نجات چاہی اور اپنے گرد انہوں نے عیش کوشی اور سکون پسندی کا حصار کھینچ لیا۔

۲۔ حافظ کی غزلوں میں وہ لذت پر مبنی، بے ثباتی عالم، داخلیت، فرار اور زندگی کی تاریکیوں کو جام عیش میں ڈبو دینے کا جذبہ رچا ہوا ہے۔ جو خود حافظ کی زندگی میں رس بس گیا تھا اور جو اس وقت ملک کے کسی شاعر کے یہاں اتنا حسین اور دل کش بن کر نہیں آیا تھا۔''

۲۔فکر ونظر ، حالی نمبر ۔اکتوبر ۱۹۹۱ء: علی گڑھ یونیورسٹی سے نکلنے والے اس جریدے میں پروفیسر وارث کرمانی کا ایک مقالہ شامل ہے جس کا عنوان ہے'' حالی اور شیخ سعدی'' اس مقالے میں ضمناً وہ سعدی کا مقابلہ حافظ سے کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"سعدی کی یہ خوش قسمتی تھی کہ انہیں زمانۂ تنقید کے شروع ہی میں حالی جیسا بڑا نقاد میسّر آگیا۔ورنہ ہو سکتا تھا کہ ان کی تفسیر میں زمانے کے ہاتھوں بڑی ستم ظریفیاں ہوجاتیں جیسا کہ نقدِ حافظؒ میں ہوا ۔بہت سے فاصلوں نے حافظؒ کو ولی اللہ کا درجہ دے دیا اور ان کے دیوان سے بہت سی کرامات منسوب کر دیں۔دوسری طرف اقبال جیسے دانشور نے ان کی شاعری کو زہر اجل کر دیا۔" (صفحہ ۱۴۱)

۳۔علم وفن ۔غالب نمبر، ۱۹۶۹ء: غالب کے فکر و فن پر نکالے گئے اس خاص نمبر میں سید عبدالقادر ہاشمی کا ایک مقالہ ''غالب کا فارسی کلام'' شائع ہوا ہے۔

اس مقالے میں فاضل مقالہ نگار نے غالب کے فارسی کلام پر بحث کرتے ہوئے عرفی ،نظیری، نظامی، خیام اور دیگر فارسی شعراء کے ساتھ غالب کا موازنہ قصیدہ، غزل، رباعی اور مثنوی وغیرہ جیسی اصنافِ سخن کے پیش نظر کرتے ہوئے حافظ کے متعلق ضمناً یہ خیال ظاہر کیا ہے۔

"فارسی میں غزل کے استاد حضرت سعدی ہیں لیکن حافظؒ نے غزل کو تصوف کی چاشنی دے کر وہ جواہر کاری اور وسعت مشربی بخشی ہے کہ اسلاف اور اعقاب سب میں ممتاز ہیں یہی حال غالب کا ہے۔" (صفحہ ۱۷۹)

٤۔شاعر۔غالب نمبر ۱۹۶۹ء: غالب صد سالہ برسی کے موقع پر شائع شدہ اس خاص نمبر میں جہاں غالب کی شاعری سے متعلق دیگر مضامین شامل ہیں، انہیں میں ایک مقالہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا بھی ہے جس کا عنوان ہے "غالب اور حافظ ایک تقابلی مطالعہ"۔

مقالے کے عنوان ہی سے ظاہر ہے کہ اس میں غالب اور حافظ کی غزل گوئی کا تقابل اور موازنہ پیش کیا گیا ہے۔اس ضمن میں مولانا رقم طراز ہیں کہ۔

"حافظ بلا شبہ اقلیم تغزل کے شہنشاہ اور اس قلم رو کے واحد اور یکتا فرماں روا ھیں۔ان کی سب سی بڑی خصوصیت ان کا انداز بیان۔سوزو گداز اور حسن وعشق کی نفسیات شناسی اور ان نفسیات و واردات کے بیان کا سلیقہ ھے۔یہ وہ خصوصیت ھے جس میں فارسی زبان کا کوئی غزل گو شاعر ان کی ھم سری اور برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

چنانچہ غالب نے بھی عرفی ،نظیری،طالب،ظھوری اور ظھیر وغیرہ کا نام لیا اور ان سے مھارتِ فن کا پورا زورِ قصیدہ گوئی مثنوی اور نظم نگاری پر صرف کر دیا اور اس میدان میں صناعی طبیعت کی جولانی اور براقی اور زبان وبیان پر قدرت کے وہ جوھر دکھائے کہ باید وشاید اس میدان سے ھٹ کر جب کبھی وہ غزل گوئی کی طرف متوجہ ھوئے تو اپنی طبع وقت پسند کی افتاد کے مطابق شروع میں قدیم اساتذہ نغز گو کا اتباع کرتے رھے لیکن وقت جوں جوں گزرتا رھا اور فنی تجربات کا دامن وسیع ھوتا رھا اردو کی طرح فارسی میں بھی ھلکے پھلکے ،رواں دواں اور شگفتہ اشعار کھنے کی طرف مائل ھوتے رھے ۔ظاھر ھے اس راہ کا سب سے بڑا راہ نما جس کا نقش قدم غالب کے لئے آئینہ بصیرت اور سرمایہ تقلید ھو سکتا تھا وہ بلبل شیراز ولسان الغیب ھی ھوسکتا تھا۔چنانچہ غالب کی فارسی غزلوں میں ایك معتدبہ مقدار ایسے اشعار کی ھے جن کا انداز اور بھت صاف طور پر اس حقیقت کی غمارہ کر رھے ھیں کہ یہ پھول چمنستانِ حافظ سے مستعار لے کر

اپنے گل دستے میں سجائے گئے ھیں۔" (صفحہ ۳۸)

مولانا سعید احمد چونکہ خود فارسی کے ایک متجر عالم ہیں اور ایک عرصہ دراز سے "برہان" کی ادرات فرماتے رہے ہیں۔لہٰذا انھیں فارسی کا صحیح مزاج داں کہا جا سکتا ہے اور اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ امداد امام اثرؔ اور مولانا حقی جیسے حافظ پرستوں کے مقابلے میں پہلی مرتبہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے حافظ کے ساتھ ساتھ غالب سے بھی انصاف فرمایا ہے اور اس عظیم شاعر کو حافظ سے اندھی عقیدت پرستی اور جذباتیت کے زعم میں یک سر رد کرنے کی بجائے اس طرح ان کی فارسی شاعر کا تجزیہ کیا ہے۔

"اس میں کوئی شبہ نھیں کہ فارسی تغزل میں حافظؔ کا کوئی جواب اب تك پیدا نھیں ھوا لیکن مذکورہ بالا اشعار سے یہ اندازہ کرلینا مشکل نھیں ھے کہ غالب کی شاعری کے تدریجی ارتقا میں ایك منزل ایسی ضرور آگئی تھی جب کہ وہ تغزل میں حافظؔ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرنے لگے تھے اور اس بنا پر کوئی کھہ سکتا ھے کہ اگر اس میدان میں تگ و دو کی ان کو مزید فرصت و مھلت ملتی اور حافظؔ کی طرح وہ بھی غزل ھی کے ھوکر رھتے اور اپنا سارا جوھر کمال قصیدہ اور مرثیہ اور مثنوی وغیرہ پر نہ صرف کر چکے ھوتے تو آج فارسی تغزل مین ان کا مرتبہ بلبلِ شیراز سے زیادہ نھیں تو کم ھرگز نہ ھوتا۔" (صفحہ ۳۹)

۵۔باز یافت ، دسمبر ۱۹۹۳ء: ڈاکٹر محمد زماں آزردہ کی ادارت میں نکلنے والا یہ رسالہ ادبی و تحقیقی اہمیت کا حامل ہے اس کے مذکورہ شمارے میں عراق رضا زیدی ستھلی کا ایک مقالہ جو تقابلی حیثیت کا حامل ہے "غزلیاتِ حافظ و غالب کی عرضی ہم آہنگی" ہے اس میں مقالہ نگار نے دونوں شاعروں کا تقابل کرتے ہوئے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جس طرح مرزا غالب کی شاید ہی کوئی ایسی غزل ہو جس کا کوئی نہ کوئی شعر ضرب المثل نہ بن چکا ہو اسی طرح حافظ کے اشعار ایران ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر اس خطہ میں استعمال کئے جاتے ہیں جہاں فارسی سے ذرا بھی آشنائی پائی جاتی ہے۔

مقالہ نگار نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ موضوع اور موادِ کے لحاظ سے حافظ، غالب سے کافی آگے نظر آتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بتائی ہے کہ دیوانِ حافظ میں کل غزلوں کی

تعداد ۵۸۴ ہے جب کہ غالب کی غزلوں کی تعداد صرف ۲۳۵ یعنی نصف سے بھی کم ۔ بہر حال ان تمام باتوں کے باوجود عراق رضا زیدی حافظ اور غالب کے تخیل موزونیت میں بلا کی ہم آہنگی پاتے ہیں اور دونوں کی زندگی میں ایک مماثلت بھی ۔ دونوں کی زندگی کے ان مماثل پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

" حافظ و غالب دونوں کے ہم عصروں نے انہیں شروع میں بکواس کرنے والا شاعر ہی شمار کیا ہے اور تھوڑا ہی وقت گزرنے کے بعد دونوں کی اہمیت کا اعتراف ان کے ہم عصروں نے کیا۔دونوں کے زمانے میں سیاسی بحران اپنی شدت پر رہا۔ایران میں حافظؒ کے ممدوح ابواسحاق کے ساتھ بھیمانہ سلوک کیا گیا تو ہندوستان میں غالب کے ممدوح بہادر شاہ ظفر کو رنگون میں تڑپتے ہوئے سسک سسک کر مرنا پڑا۔حافظ نے جوان بیٹے کی میت کو کاندھا دیا تو غالب نے بھی فرزندجیسے ہی جوان بھانجے کی لاش اپنے کاندھے پر اٹھائی۔ تباہیوں اور بربادیوں کا طوفان تھما تو پھر امراء حافظؒ کی قدر دانی کرتے نظر آئے۔غالب کو مہاراجہ پٹیالہ اور نواب رام پور جیسے محسن مل گئے۔ایران میں حافظؒ کی صد سالہ برسی بڑے زور وشور سے منائی جاتی ہے تو ہند و پاک میں بھی غالب کی صد سالہ برسی اسی آب وتاب کے ساتھ منائی گئی۔ایران میں حافظؒ کے نام پر اکیڈمیاں بن رہیں ہیں تو برصغیر میں غالب اکیڈمی کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں۔اسی طرح ایران میں حافظ کے نام پر کالونیاں اور شاہ راہوں کے نام رکھے گئے تو بر صغیر میں بھی جگہ جگہ غالب کے نام سے محلے اور شاہ راہیں پہچانی جاتی ہیں۔دونوں کا کلام شراب و شباب سے پر ہے۔"(صفحہ ۱۶۶)

حافظ و غالب کے اتنے سارے مماثل پہلوؤں کی وضاحت کرنے کے بعد مقالہ نگار نے ان دونوں کی شاعری میں عروضی ہم آہنگی کی تلاش بھی کی ہے جو ایک دلچسپ نکتہ ہے اور ایک خوبصورت انکشاف ۔ بلکہ یہ بات غور طلب بھی ہے مقالہ نگار نے دونوں کی غزلوں کا عروضی تجزیہ کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حافظ اور غالب دونوں نے عام طور پر اپنے کل کلام میں صرف نو بحروں کا

استعمال کیا ہے اور نو بحریں بھی دونوں کے یہاں ایک سی بحریں ہیں۔یعنی رمل مجتث مضارع ،ہزاج ،رجز، خفیف ،متقارب ،منسرح ،مقتضب اس اعتبار سے یہ مقالہ بڑا دلچسپ ہے۔

٦۔ہندوستانی زبان: اکتوبر ۱۹۹۷ء: تقابلی مطالعے کے سلسلے میں ایک اور مقالے کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے اور راقم الحروف کا مقالہ ہے جو ہندوستانی پرچار سبھا کی طرف سے شائع ہونے والے تحقیقی مجلّے ''ہندوستانی زبان'' کے کبیر خصوصی نمبر ا اکتوبر ۱۹۹۷ء کے شمارے میں شامل ہے اس کا عنوان ہے'' حافظ اور کبیر۔ایک عہد دو آوازیں'' اس مقالے میں ناچیز نے حافظ اور کبیر کی شاعری کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے اور اس طرف توجہ دلائی ہے کہ حافظ اور کبیر دونوں عہد وسطیٰ میں پیدا ہونے والے دو اہم فنکار تھے۔جن کی زندگی میں کئی حیثیتوں سے مماثلت پائی جاتی ہے۔

مثلاً حافظ اور کبیر دونوں ہی کی شاعری میں روحانیت کے عناصر ملتے ہیں دونوں اپنے عہد کے بڑے اور مشہور نام ہیں مگر دونوں کے حالاتِ زندگی کے متعلق بہت کم معلومات ملتی ہے۔حافظ نے جس دور میں شاعری کی وہ ایران میں انتہائی انتشار اور افراتفری کا دور تھا۔اس وقت معاشرہ بھی عجیب طبقوں میں بٹا ہوتھا۔لوگ مذہب کی حقیقی روح اور علم سے ناواقف تھے۔کبیر کی شاعری کا زمانہ بھی ہندوستان میں سیاسی اتھل پتھل ،سماجی تغیر اور مذہبی لین دین کا زمانہ ہے۔حافظ صفائے باطن کے قائل تھے اور مذہب کی نمائش اور ظاہرداری سے بے راز تھے۔کبیر بھی عشق الٰہی میں اتنے غرق تھے کہ انہیں وید، شاستری، پران، جپ مالا، تسبیح، مسجد مندر کسی سے وابستگی منظور نہ تھی دونوں کی موت متنازعہ فیہ رہی۔

حافظ کی موت پر مسلمانوں میں اختلافات رونما ہوئے اور ان کی نمازِ جنازہ اور تدفین کے سلسلے میں کافی لے دے ہوئی۔اسی طرح کبیر کے مرنے کے بعد ان کے مریدوں میں جھگڑا ہوا۔ہندو کہتے تھے ہم لاش کو جلائیں گے مسلمان کہتے تھے کہ ہم دفن کریں گے۔آخر معجزاتی طور پر ان کی لاش پھولوں کے ڈھیر میں تبدیل ہوگئی اور فریقین میں تصفیہ ہوگیا بہر حال اس طرح حافظ اور کبیر سے متعلق کئی پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"حافظ نے مدرسہ و خانقاہ سے بے زار ہوکر مے خانے کا رخ کیا۔یعنی اپنے اوپر عشق کی بے خودی طاری کی اور ایک جذب کی کیفیت ان پر دن رات رہنے لگی۔ سیداشرف الدین جہانگیر سمنانی نے جب حافظ سے شیراز میں ملاقات کی تو ان پر جذب

کی کیفیت طاری تھی چنانچہ لطائف اشرفی، میں انھوں نے ہر جگہ حافظؔ کو "بے چارہ مجذوب شیرازی" کھہ کے پکارا ھے۔واقعی ایک فقیر یا درویش کی طرح حافظؔ ھمیشہ کسی اور ھی دنیا میں ڈوبے نظر آئے ھیں۔

ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

"کبیرکے یھاں بھی مستی ملتی ھے۔ مگر یہ مستی حافظؔ کی سی مستی نھیں۔حافظ کی مستی مجذوب کی مستی ھے جو ایک جگہ گم سم بیٹھا رھتا ھے۔اپنے آپ میں ڈوبا ھوا،اپنے آپ سے باتیں کرتا ھوا۔دنیا ومافیھا سے بے خبر مگر ساری دنیا کو خبردار کرتا ھوا۔کبیر کی مستی قلندر کی مستی ھے۔جو مست تو ھے مگر اپنے آپ میں ڈوب کر سڑکوں، گلیوں اور بازاروں میں نکل آیا ھے چمٹا بجاتا ھوا۔ناچتا گاتا ھوا اور اپنی آواز سے ساری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرتا ھوا۔ یہ ھیں سائیں کبیر۔"

کبیر پیالہ پریم کا انتر لیا لگائے
روم روم میں رم رہا اور امل کیا کھائے (صفحہ ۱۶۔۱۷)

۷۔**شیرازہ۔سری نگر، کشمیر**۔ جلد ۲۷،۰ دسمبر ۱۹۸۸ء:اس شمارے میں شامل غلام نبی ناظر کا ایک مضمون "کلام حافظ اور کشمیری شاعری" قابلِ ذکر ہے مضمون نگار نے ابتدا میں ایران اور ہندوستان (خصوصاً کشمیر) کے ثقافتی تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے اس بات کا اظہار کیا کہ کشمیر میں زمانۂ قدیم سے فارسی شعراء کی مقبولیت رہی ہے۔جن میں خیام،سعدی، فردوسی اور حافظ خاص طور پر شامل ہیں۔ان شعراء کے کلام کا اثر کشمیری شاعروں کے کلام میں دیکھا جا سکتا ہے۔

حافظ کے ضمن میں مضمون نگار رقم طراز ہے۔

"حافظ کا براہِ راست ترجمہ کشمیری میں اگر چہ بھت کم ھوا ھے مگرگھری نظر سے دیکھا جائے تو حافظ کا اثر ھماری شاعری میں جا بجا جلوہ گر ھے۔حافظ نے اپنا نقش پوری طرح کشمیری

شاعری میں چھوڑ رکھا ہے۔حافظ کو خود کشمیر اور یہاں کے حسن اور خوب صورتی،گل وگل زار اور قدرتی نظاروں کی کثرت کا احساس ہے۔

کلام حافظ شیراز می گویند و می رقصند
سیہ چشمانِ کشمیری و ترکانِ سمر قندی

اس کی شاعری کے اثرات کی نشان دھی کرتے ہوئے بیسیوں اشعار کو ان کے اشعار کے مقابلے رکھ کر یکسانیت دریافت کی جاسکتی ہے۔"(صفحہ ٦٨)

اپنے اس دعوے کی دلیل میں فاضل مضمون نگار نے مختلف کشمیری شعراء مثلاً رسول میر، گامی اور مقبول وغیرہ کے اشعار حافظ کے اشعار کے تقابل اور تاثر کے طور پر پیش کیے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی بے شمار تراجم، شروح اور مضامین حافظ کے تعلق سے ملتے ہیں۔جن میں سے چند ایک درجِ ذیل ہیں۔

شرحیں:

ا۔شرحِ ابیاتِ حافظ ___ از عبدالواحد بلگرامی

۲۔شرحِ دیوانِ حافظ ___ از محمد بن یحییٰ بن عبدالکریم لاہوری (۱۰۷۰ھ)

۳۔شرحِ دیوانِ حافظ ___ از شیخ محمد افضل الہٰ آبادی (م ۱۱۲۴ھ)

۴۔شرحِ دیوانِ حافظ ___ از محمد جعفر بن محمد صادق قریشی (۱۲۱۲ھ)

۵۔شرحِ دیوانِ حافظ ___ از یوسف لہاوری

۶۔شرحِ رضوی ___ از مولانا کمال الدین احمد

۷۔شرحِ مغلقات ولغاتِ دیوانِ حاف ___ از عبدالرب (۱۲۴۰ھ)

۸۔عرفانِ حافظ ___ از مولانا محمد اشرف علی تھانوی (م۔۱۳۶۲ھ) ردیف ''د'' تک غزلیات کی صوفیانہ شرح ہے۔مطبوعہ نفیس اکاڈمی۔کراچی

۹۔عرفانیات ___ از مسلم ہاشمی ردیف ''م'' کی غزلیات کا ترجمہ اور شرح ہے۔مطبوعہ لاہور ۱۳۷۶ھ

۱۰۔گلبنِ معرفت ___ از محمد اسماعیل خان۔ترجمہ وشرح ہے۔مطبوعہ امرتسر ۱۹۲۱ء۔

۱۱۔خمریات ___ از رازی۔ردیف ''م'' کی غزلوں کی شرح اور ترجمہ۔مطبوعہ حاجی

فرمان اینڈ سنز۔ لاہور

۱۲۔ ترجمہ وشرحِ رباعیاتِ حافظ ___ از حکیم مظفر حسین اظہری دہلوی۔ مطبوعہ لاہور۔

منظوم تراجم:

۱۔ آئینۂ معرفت ___ از غلام حیدر۔ ۴۲ غزلوں کا منظوم ترجمہ۔ مطبوعہ کتب خانہ محمدی، لاہور ۱۲۲۹ھ۔

۲۔ تحفۂ دل کش ___ از غلام حیدر بن محمد عبداللہ عبدی۔ منتخب غزلیات کا منظوم ترجمہ۔ بوعہ، میکی۔ گوجرانوالہ ۱۳۱۴ھ

۳۔ منظوم ترجمہ رباعیاتِ حافظ ___ از راگھوندر راؤ جذب عالم پوری۔ مطبوعہ، مشورہ بک ڈپو۔ دہلی

۴۔ منظوم ترجمہ رباعیاتِ حافظ ___ از شاغل جے پوری (م ۱۳۹۰ھ) غیر مطبوعہ۔

۵۔ قندِ شیراز ___ از احسن مفتاحی۔ چار سو تیس اشعار کا منظوم ترجمہ۔ مطبوعہ عثمانیہ بک ڈپو۔ کلکتہ

۶۔ منظوم ترجمہ دیوانِ حافظ ___ از حافظ محمد عبداللہ فیصل آبادی۔ مطبوعہ دارالفرقان، لاہور

۷۔ منظوم ترجمہ دیوانِ حافظ ___ از عبداللہ خان عسری۔ مطبوعہ، لدھیانہ۔

منثور تراجم:

۱۔ بادۂ حافظ ___ از بیدار بخت۔ ردیف "م" کی غزلوں کا ترجمہ اور شرح ہے۔ مطبوعہ تاج بک ڈپو۔ لاہور ۱۳۶۹ھ۔

۲۔ گلدستۂ عشاق ___ از غلام محمد عبد۔ منتخب غزلیات کا ترجمہ۔ مطبوعہ امرتسر ۱۹۳۱ء

۳۔ منثور ترجمہ دیوانِ حافظ ___ از شمس بریلوی (کراچی) مطبوعہ کراچی ۱۳۹۱ھ

۴۔ منثور ترجمہ دیوانِ حافظ ___ از ابو نعیم عبدالحکیم نشتر جالندھری۔ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ ۱۳۸۸ھ۔

۵۔ منثور ترجمہ دیوانِ حافظ ___ از محمد یاسین۔ مطبوعہ آزاد بک ڈپو، حیدرآباد، سندھ

۶۔ لسان الغیب ___ از جلال الدین احمد جعفری۔ مطبوعہ الٰہ آباد

یہی نہیں، ہندو پاک میں حافظ کی مقبولیت کا ثبوت ان فارسی شرحوں سے بھی ملتا ہے جو ایرانی عالموں سے قطع نظر برصغیر کے فارسی دانوں کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں۔ مثلاً

۱۔ بحرِ فراستہ الحافظ فی شرح دیوانِ حافظ ___ از عبداللہ خویشگی قصوری۔

۲۔ خلاصۃ البحر فی التقاط الدر ___ از عبداللہ خویشگی

۳۔ خلاصۃ البحرین زوایدالنہرین ___ از عبداللہ خویشگی

۴۔ بدر الشروح ___ از مولانا بدر الدین اکبر آبادی
۵۔ طور معانی ___ از زین العابدین ابراہیم آبادی (۱۱۱۸ھ)
۶۔ مرج البحرین ___ از سیف الدین عبدالرحمٰن ختمی، لاہوری (۱۰۲۶ھ)
۷۔ فواید الاسرار فی رفع استار ___ از شاہ بہلول کول برکی جالندھری (۱۱۱۹ھ)
۸۔ مفتاح الکنوز علیٰ حافظ الرموز ___ از قطب الدین قندھاری۔ وغیرہ

دیگر ہندوستانی زبانیں اور حافظ:

اردو کے علاوہ دیگر ہندوستانی زبانوں میں بھی حافظ پر یا تو کام ہوا یا ان کی غزلوں کا ترجمہ کیا گیا اور ان زبانوں کے شاعروں نے حافظ سے متاثر ہو کر صوفیانہ شاعری کی۔ ان میں سے چند کا ذکر نا گزیر معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ گجراتی: کرشن لال موہن جویری نے گجراتی ادب سے متعلق ایک کتاب انگریزی میں ترتیب دی جس کا عنوان ہے Milestones in Gujrati Literature یہ کتاب ۱۹۱۴ء میں منظرِ عام پر آئی۔

اس کتاب میں اس نے گجراتی کے مشہور شاعر پریمانند کا ذکر کیا ہے اس کی شاعری ہمیشہ سے روحانیت سے پر رہی ہے۔ حافظ کی طرح اس کی زندگی کے بھی بعض واقعات کو مصنف نے مماثلتاً بیان کیا ہے کہ چودہ پندرہ سال کی عمر تک وہ حروف آشنا تھا لیکن اتفاق سے ایک پرہیز گار شخص کے ماتحت کام کرنے لگا جو کام ناتھ مہادیو مندر کے قریب تھا۔ ایک دن جب اس کا پیر بڑودہ چھوڑ کر جا رہا تھا تو اس نے پریمانند کو صبح سویرے بلایا۔ پریمانند وقت پر وہاں پہنچ نہیں سکا بہر حال جب وہ وہاں پہنچا تو پیر نے اس کی خدمت کے عوض اسے دعائیں دیں اور کہا "اب تم پراکرت میں بھی شاعری کرنے کے قابل ہو جاؤ گے۔ اگر تم جلدی پہنچ جاتے تو میں تمہیں سنسکرت میں شعر کہنے کی دعا بھی دیتا۔" بہر حال اس کے بعد سے پریمانند نے جو شاعری کی وہ حافظ کی طرح صوفیانہ شاعری تھی جس کی طرف اس کتاب کے مصنف نے توجہ دلائی ہے۔

اسی طرح گجراتی کا ایک اور شاعر دیارام بھی عشق حقیقی کا متوالا تھا اور اس سلسلے میں گجراتی کے نقاد اس کا تقابل فارسی شاعر حافظ سے کرتے ہیں۔ اس نے اردو میں بھی شاعری کی اس کی تخلیقات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) مذہبی یا فلسفیانہ (۲) اخلاقی

(۳) عاشقانہ صوفی شاعر ہونے کی وجہ سے وہ حافظ کی طرح مذہب عشق کا قائل ہے جویری نے اس موضوع پہ الگ سے ایک کتابچہ ''دیارام اور حافظ'' کے نام سے بھی تحریر کیا ہے۔ جس میں ان دونوں شاعروں کا تقابلی مطالعہ درج ہے۔ حافظ کی طرح اس کی شاعری بھی عشق، معشوق، ساقی، مے خانہ اور جام و مینا کے استعاروں سے بھری ہوئی ہے۔

ایک گجراتی شاعر کلاپی (۱۹۰۰-۱۸۷۴ء) کے ہاں بھی حافظ کے فلسفہ عشق کی جھلکیاں ملتی ہیں لیکن اس کے ہاں حافظ کا عشق مجازی دکھائی دیتا ہے۔ یعنی ایک ستم آشنا محبوب کی جفا کاریاں، وصل کی خواہش، ہجر و فراق کا رونا وغیرہ۔

گجراتی شاعر بالاشنکر الھاس رام کنٹھاریا (۱۸۹۸-۱۸۵۹ء) نے باقاعدہ فارسی ادب اور حافظ کا مطالعہ کیا تھا وہ مے خانہ کی لذتوں اور مسرتوں سے بھی واقف تھا۔ اسی لئے ''مست'' رہتا تھا۔ اس نے حافظ کی کچھ غزلوں کا گجراتی میں ترجمہ کیا جن میں ''اگر آن ترکِ شیرازی'' والی غزل کو کافی مقبولیت ملی۔ خود اس کی اپنی نظمیں ''ہری پریم پنچ دشی'' پر کلام حافظ کی چھاپ دیکھی جاسکتی ہے اس کے لڑکے ٹی۔ بی کنٹھاریا نے تو پورے دیوانِ حافظ کا ترجمہ کرنا شروع کیا تھا جو ماہ نامہ سدرشن میں ایک مدت تک چھپتا رہا۔ ان ترجمہ شدہ غزلوں کا ایک نسخہ جو ۱۵۷ صفحات پر مشتمل ہے ''غزلستان'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

مراٹھی: مراٹھی شاعروں پر بھی حافظ کے اثرات نمایاں طور پر پڑے۔ خصوصاً مراٹھی غزل اس کی دین ہے۔ اس کا گہرا اثر مشہور مراٹھی شاعر مادھو پٹوردھن کی ''غزلانجلی'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔ جس میں عشق کی ناکامیوں میں ہی اس کی کامیابی کا ذکر ملتا ہے۔ (۳۴)

بنگالی: انقلابی بنگلہ دیشی شاعر نذرالاسلام کے ہاں حافظ کا گہرا اثر ملتا ہے انہوں نے رباعیات حافظ کا بنگالی میں ترجمہ کیا۔ وہ حافظ کے زبردست عاشقوں میں سے تھے۔ اپنی ادبی زندگی کے آغاز ہی میں انھوں نے حافظ کی مشہور غزل ''یوسفِ گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور'' کا بنگالی میں ترجمہ کیا جو وہاں کے ایک اسلامی رسالے میں شائع ہوا۔

اس کے علاوہ ''مے معشوقہ'' کے عنوان سے دیوانِ حافظ کی چند غزلوں کا ترجمہ بنگالی میں کیا۔ کچھ اور ترجمے درج ذیل ہیں۔

۱۔ **شراب سیر گاهی:** اس میں حافظ کی تعلیمات افکار و اوزان پر بحث کی گئی ہے اور کلامِ حافظ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

۲۔ **دفع نی:** قاضی نذرالاسلام کا یہ شعری مجموعہ بھی حافظ کے افکار پر مبنی ہے اور

اس میں حافظ کی ایک غزل کا بنگلہ ترجمہ موجود ہے۔

۳۔ رباعیات حافظ: جس زمانے میں قاضی نذرالاسلام کا چہیتا بیٹا بلبل سخت علیل تھا اور وہ اس کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا اسی زمانے میں اس نے بلبل شیراز حافظ کی رباعیات کا ترجمہ بھی کیا۔ اور جس روز بلبل کا انتقال ہوا اسی روز اس کا ترجمہ بھی مکمل ہوا۔ ''بلبل ایران حافظ شیرازی''

محمد عیسیٰ شاہدی نے اپنی فارسی کی کتاب میں اس واقعے کا ذکر خود قاضی کی زبانی یوں کیا ہے۔

"روزی که ترجمه (دیوانِ حافظ) با تمام رسید، درهمان روز بلبل، جگر پاره ام، ازدست رفت۔ کسی که در زندگی من محبوب ترین و بهترین سرمایه بودبااهداء وبعنوان هدیهٔ اوبعنوان هدیه شاعر بلبل شیراز به بنگله دیش دعوت نموده۔ آورده ام۔ شهنشاه شعرائی ایران به دعوت سلطان غیاث الدین حاکم بنگال توجه نکرده بود ۔ولی به دعوت من بی اعتنا نشد۔ ازراهی که جنازهٔ پسرم تشیع ازهمان راه دوستِ من ومعشوق من، شاعرایرانی خانه من فرود آمدبا اشکِ چشمانم زیر پایش آبپاشی شد۔" (۳۴)

اس روز جب دیوانِ حافظ کا ترجمہ مکمل ہوا، ٹھیک اسی روز میرا لختِ جگر بلبل اس دنیا سے رخصت ہوا۔ وہ مجھے زندگی میں سب سے زیادہ محبوب تھا وہ جو میری زندگی کا بہترین سرمایا تھا۔ اسے میں نے بلبل شیراز کی دعوت کے لئے بنگلہ دیش سے ایران بطور ہدیہ پیش کیا اور شہنشاہ شعرائے ایران نے سلطان غیاث الدین، حاکم بنگال کی دعوت پر توجہ نہ کی تھی لیکن میری دعوت سے بے اعتنائی نہ برتی۔ جس راہ سے میرے بیٹے کا جنازہ جانے والا تھا۔ میرا محبوب ایرانی شاعر اور میرا دوست اسی راہ سے میرے گھر آیا۔ اور اس نے اس کی پائنتی سے کھڑے ہو کر آنسو بہائے۔

ترجمہ: رباعیات حافظ کے مقدمہ میں ایک جگہ اپنے بچے سے مخاطب ہو کر شاعر انقلاب نے لکھا ہے۔ ''پسرم بلبل! دردورانِ حیات تو، ترجمہ رباعیات بلبل شیراز را شروع کردم ۔روزی کہ ترجمہ راپپایان رساندم، آنروز تو ای، بلبلِ باغ من پریدی، آیا در آن سرزمنی کہ رفتہ ای، باغِ بلبلانِ زیبا ترا ایران است؟'' (۳۵)

(اے میرے بیٹے بلبل! تیری زندگی میں، میں نے بلبل شیراز کی رباعیات کے

ترجمہ کا کام شروع کیا تھا۔ اور جس روز یہ ترجمہ پایۂ تکمیل کو پہنچا تو اسی روز! اے میرے چمن کے بلبل! پرواز کر گیا۔ کیا وہ زمین جہاں تو گیا ہے، وہاں کی بلبلوں کا چمن ایران سے زیادہ خوب صورت ہے؟'')

دراصل فارسی ادب اور حافظؔ سے دلچسپی قاضی نذ الاسلام کو اسی زمانے سے ہو گئی تھی جب وہ بغاوت کے جرم میں قید کر دیئے گئے۔ وہاں قید خانے میں ان کی ملاقات ایک پنجابی صوفی سے ہوئی۔ ایک روز وہ حافظ کی غزلوں کے چند اشعار ترنم سے پڑھ رہا تھا قاضی نذر اسلام نے جب یہ غزل سنی تو بے حد متاثر ہوئے اور اس کے پاس جا کر ان اشعار کا مطلب پوچھا۔ اسی روز سے انھوں نے نہ صرف یہ کہ وہ غزل یاد کر لی بلکہ فارسی سیکھی اور فارسی ادب کا مطالعہ کرنے لگے۔ یوں حافظ ان کے محبوب ترین شاعر بن گئے۔ (۳۶)

مولانا اسلم جے راج پوری نے حیات حافظ میں بنگالی میں حافظؔ کی ایک اور شرح کا حوالہ دیا ہے کتاب کا نام ''شتاب شتک''۔ اور مصنف کا نام ہے کرشنا چندر موزمدار اس کا مطبوعہ نسخہ کلکتہ سے شائع ہوا۔ (۳۷)

اسی طرح ''ترجمہ انتخاب دیوان'' کے نام سے پنجابی میں لاہور سے حافظ کی غزلوں کا انتخاب مع ترجمہ شائع ہوا۔ حافظ سی زبان میں بھی بنگالی میں ۲۵ غزلوں کا ترجمہ شامل ہے۔ جیسے (ہندی) کا عنوان دیا گیا ہے۔ (۳۸)

اس کے علاوہ سنسکرت زبان میں بھی تقریباً (۱۶) غزلیں ترجمہ کی گئیں۔ اور ''شیرازہ'' دسمبر ۸۸ میں غلام نبی ناظر کے مضمون کے مطابق انھوں نے حافظ کی تقریباً ڈیڑھ سو غزلوں کا کشمیری میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔

یورپی زبانیں اور دیوانِ حافظ کے ترجمے اور شرحیں:۔

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ حافظ کے کلام کا جادو صرف ایران یا ایشیائی زبانوں تک محدود نہیں بلکہ یورپی زبانوں پر بھی سر چڑھ کر بولتا نظر آتا ہے اس کا ثبوت وہ متعدد ترجمے ہیں جو وقتاً فوقتاً یورپ کی مختلف زبانوں میں ہوتے رہے ہیں۔ انگریزی سے قطع نظر اگر یورپ کی دوسری زبانوں کا جائزہ لیا جائے تو ان میں بھی دیوانِ حافظ کے انتخابات، حافظ کی غزلوں کے ترجمے اور شرحیں ملیں گی اور ان کی اچھی خاصی فہرست تیار کی جاسکتی ہے۔ مختلف محققین کی کاوشوں کی روشنی میں جو ترجمے ہمارے سامنے آئے وہ درج ذیل ہیں۔

زبان	مترجم	کام کی نوعیت	مقام اشاعت	اشاعت
۱۔ لاطینی	F.Meniski	دیوان کی پہلی غزل (نثری ترجمہ)	وینا	۱۶۶۰ء
”	T.Hyde	پہلی غزل کا نثری ترجمہ (Syntaqma Dissecrt Alionum)	آکسفورڈ	۱۷۶۷ء
”	Reviski	Specimen Poeseos Presicae (پہلی سولہ سترہ غزلیں، نثری ترجمہ)	وینا	۱۷۷۱ء
”	W.Jones	سترہ غزلوں کا نثری ترجمہ	---	---
المانی (جرمن)	Wahl	Neue arabische anthologic بعض قصیدوں اور غزلوں کا ترجمہ	--	۱۷۹۷ء
”	Von Hammer	پورا دیوان حافظ پہلی مرتبہ منظوم ترجمہ۔ یہ وہی دیوان ہے جس کے ذریعے گوئٹے اور نطشے حافظ کے کلام سے آشنا ہوئے۔	وینا	۱۸۰۱ء (۳۹)

۳۔ ،،	G.F. Dauner	بقول ہاشم رضی بعض غزلوں کا نثری ترجمہ۔ بقول مولانا اسلم پورا دیوان دو جلدوں میں نثری ترجمہ	ہمبرگ نورمبرگ	۱۸۴۶ء ۱۸۵۲ء
۴۔ ،،	Rosenzweig Schwannau	متن دیوان مع ترجمہ، نثر میں تین جلدوں میں۔	وینا	۱۸۵۸ء(۴۱)
۵۔ ،،	Nesselmann	Der diwan de schemseddin muhammad انتخاب دیوان (منظوم ترجمہ)	برمن	۱۸۶۵(۴۲)
۶۔ ،،	F. ruckert	چند غزلوں کا منظوم ترجمہ	---	---
۷۔ ،،	Platen	Nach bildungen aus dem diwan des Hafis یہ ترجمہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ یہ منظوم ترجمہ ہے اور اس میں بحور و اوزان اور قوافی کا خیال رکھا گیا ہے۔		۱۸۸۰ء
۸۔ ،،	Bodenstadt	حافظ کے چند نغموں کا ترجمہ	برلن	۱۸۸۷ء
۹۔ ،،	Hans Bethage	Nachdich tungen der lieder des hafis چند غزلوں کا ترجمہ	لیبپرگ	۱۹۱۰ء
فرانسیسی	William Jones	۷۵ غزلیں فرانسیسی میں ترجمہ	وینا	۱۷۹۹ء
،،	J. Carpentier	oubayyat de Hafis etd. Omar Khyyam (رباعیات عمر خیام کا ترجمہ)	پیرس	۱۹۲۱ء
،،	Charlse Devilles	Les ghazels de hafiz ترجمہ کامل دیوان حافظ	پیرس	۱۹۲۲ء

	Arthur guy	Hafiz: les poemes erotiques or ghazaels de chans eddin mohammed hafiz en calque et ۲۳ arecrime a lapresane غزلوں کا منظوم ترجمہ فارسی اوزان و بحور کے ساتھ۔	---	۱۹۲۷ء
اسپرانتو	Welliam Auld	سترہ غزلوں کا منظوم ترجمہ	اسکاٹ لینڈ	۱۹۸۸ء
ارمنی (آرمینی)	---	۲۹ غزلوں کا منظوم ترجمہ	---	۱۹۸۸ء
ڈنمارکی	Carl K. Jersmier	Hafis Koerlighted sdigte غالباً حافظ کی رباعیات کا ترجمہ ہے۔ موضوعات بھی قائم کیے گئے ہیں۔	---	۱۹۱۹ء
رومانی	de Otto Starck	gazeluri منتخب کلام کا ترجمہ	---	---
سونڈی	Erik Blomberg	عنوانات کے تحت منتخب غزلوں کا ترجمہ۔	---	---
فنلاندی	Henri Broms	سات غزلوں کا ترجمہ	---	---
نروژی	Bjarne	Hafiz Av Shiraz	---	---
نارویجین	Aagarrd Jan	۱۳ غزلوں کا عنوان کے تحت ترجمہ	---	---
ھلندی	Jan. H	Hafis che Strofen	---	---
ہالینڈ کی زبان	Eeekhout	منتخب کلام حافظ کا ترجمہ	---	---

دیوانِ حافظ کے انگریزی ترجمے اور شرحیں:

یہ ایک عجیب سی بات ہے کہ حافظ کی شاعری نے یوں تو دنیا کی تقریباً تمام زبانوں کو متاثر کیا اور اکثر زبانوں میں دیوانِ حافظ کے ترجمے ہوئے لیکن اردو کے علاوہ سب سے زیادہ ترجمے جس زبان میں ہوئے وہ ہے انگریزی۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ مغرب کا رندانہ و عاشقانہ مزاج عمر خیام کی طرح حافظ کی رندی و سرمستی، نیز عشق و عاشقی کے مضامین کو رغبت کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ اور اس طرح حافظ کی شاعری نے انگریزی شاعروں کو متاثر کیا۔ اس میں موسمِ بہار اور لالہ و گل کا تذکرہ بھی انگریزی شاعروں کی پسند کا باعث بنا اور وہ اس طرف متوجہ ہوئے۔

دوسرا ایک اہم سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب انگریزوں نے برصغیر اور دیگر ایشیائی ممالک پر اپنا تسلط قائم کیا تو ان تمام ممالک کو ایک لسانی رشتے میں جوڑنے والی زبان جسے Linqua Franca بھی کہا جا سکتا ہے۔ وہ فارسی ہی تھی جو برصغیر، ایران، ترکستان، افغانستان اور روس کے اکثر و بیشتر علاقوں میں بولی، پڑھی اور سمجھی جاتی تھی۔ انگریزوں نے اپنی سیاسی بصیرت کی بناء پر اس زبان کی تعلیم ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین کے لیے لازمی قرار دی تاکہ تسلط شدہ ممالک کے عوام و خواص سے ایک ذہنی و تہذیبی رابطہ قائم کیا جا سکے۔ اس لیے مختلف فارسی شاعروں اور ادیبوں کی کتابوں، کے تراجم کا کام شروع ہوا۔ اسی سلسلے میں فارسی کے مقبول و ہردل عزیز شاعر حافظ کے دیوان کی ترتیب و تدوین نیز ترجمے اور شرحیں بھی لکھی گئیں۔ ان میں سے کچھ تو خود ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیرِ اہتمام تیار کی گئیں۔ اور کچھ ان لوگوں کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں جو یا تو انگریزی سرکار سے وابستہ رہے یا ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم اور حکومت برطانیہ کے سرکاری عملوں سے متعلق تھے ویسے بھی فٹز جیرالڈ کے ترجمہ رباعیات خیام کے بعد مشرقی شاعری اور مشرقی شعریات دونوں ہی سے دلچسپی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اور جیسا کہ پچھلے صفحات میں دی گئی فہرست سے اندازہ ہوتا ہے سولہویں سترھویں صدی ہی میں کلام حافظ کی مقبولیت مغرب میں اتنی بڑھ گئی تھی کہ لاطینی، المانی، فرانسسی، اور دیگر یورپی زبانوں میں اس کی شرحیں بھی لکھی جا رہی تھیں اور دھڑا دھڑ ترجمے ہو رہے تھے۔ پھر انگریزی کیسے اس سے متاثر ہوئے بغیر رہ سکتی تھی۔ بہرحال حافظ سے متعلق جو کتابیں مضامین، دواوین، ترجمے اور شرحیں ہمارے سامنے آتی ہیں ان کی تاریخ وار فہرست کچھ اس طرح ہے۔ (۴۳)

No	Year of Publication	Author & Work	Place of Publication
1	1771	William Jones: a grammer of the one Persian Language.	......
2	1774	John Richardson: a speimen of Persian Poetry. پہلی سولہ غزلوں کا انگریزی ترجمہ	Calcutta
3	1785	Thomas Law: in asiatick Miscellony V.I	Calcutta
4	1786	H. H. in Asiatick Miscellony Vol.2	Calcutta
5	1787	John Nott: Select odes from the Persian Poet Hafiz	London
6	1791	Persian text of Hafiz, East India Company	Calcutta
7	1791	The persian work of Mohammed Shamsuddin Hafiz with his life	London
8	1795	W. Ousley : Persian Miscellony. منتخب غزلوں کا ترجمہ مغنی نامہ اور اس کا ترجمہ	London
9	1797	W. Ouseley: Oriental Collection V.I	London
10	1797	W. Jones: پورا دیوان انگریزی میں نثری ترجمہ	London
11	1798	W. Ouseley: Oriental Collections V.2 تین جلدوں میں۔ جیرٹ کے دیوان سے اخذ کردہ غزلوں کا انگریزی ترجمہ	London
12	1799	William Jones: Work IV انگریزی میں منظوم ترجمہ ایک مضمون کے ساتھ جس کا عنوان ہے Easy on the poetry of the Eastern Nation	London
13	1800	William Jones: Work V انگریزی میں منظوم ترجمہ	London
14	1800	Hindley: کلامِ حافظؔ کا نثری اور منظوم ترجمہ۔ کیپٹن کلارک نے ان غزلوں کی فہرست بھی دی ہے	
15	1802	S. R. Ousseau رچرڈسن کی کتاب کا ازسرِ نو اعادہ	

16	1826	Persian Text of Hafiz Priuted with notes	Calcutta
17	1831	Persian Text of Hafiz Lithographed with notes	Kanpur
18	1841	Persian Text of Hafiz Lithographed with notes	Bombay
19	1846	Gore Ouseley: Biographical Notices of Poet (Hafiz) 1.pp. 23-42	London
20	1854	Brokhans Persian Text of Hafiz with a commentry in Turkish Odes-80, with the Scannig	Leipzig
21	1854	W. S. Jerret: Diwan-i-Hafiz	London
22	1856	Calcutta Review Vol. 26 Notice of Hafiz (pp. 3-98-414)	Calcutta
23	1860	W. Ouseley: Oriental Collection V.3 ode No:426	London
24	1872	A. S. Robinson: Century of ghazal (Hafiz) نوغزلوں کاانگریزی نثر میں ترجمہ	London
25	1872	The eleven works mentioned as references at the head of the life of Hafiz (P.XXIII)	London
26	1875	Hermann Bicknell: Selections from Hafiz of Shiraz ۱۲۰غزلوں کاانگریزی میں منظوم ترجمہ مع مقدمہ نیز قطعات، رباعیات اور مغنی نامہ بھی۔	London
27	1876	E. H. Palmer: The Song of the reed and other piecest (تقریباً ۱۶ غزلیں)	.....
28	1881	H. Jarret: Persian Text (Printed without notes and without Scanning	Calcutta

29	1887	Pestanji Cooverji Taskar: Odes of Hafiz منتخب سوغزلوں کی فرہنگ	Bombay (Education Society)
30	1891	Col. H. Wilberforce Clarke:The Diwan of Hafiz پورا دیوان انگریزی نثر میں۔ دو جلدوں میں	London
31	1893	Translation of Justin Huntley Mac Carthy	London
32	1897	Gertrude L. Bell: Poems from the Divan of Hafiz	London
33	1898	Walter Leaf: Versions from Hafiz an essay in Persian metre	London
34	1901	John Payne: the poems of Shamsuddin Mohammed Hafiz of Shiraz	London
35	1905	Richard le Galienne: Odes from the Divan of Hafiz	U.S.A
36	1920	John Wotkins: Selections from the Rubayyat Odes	U.S.A
37	1921	Elizabeth Bridges(E. Daryush) Sonnet from Hafiz & other verses	U.S.A
38	1923	Reuben Levy: Persian Literature introduction	U.S.A
39	1947	Arthur J. Arberry: Fifty Poems of Hafiz	U.S.A
40	1952	Peter Avery and Jhon Heath Stubbs: Hafiz of Shiraz	U.S.A
41	1958	Arthur J. Arberry: Classical Persian Literature	U.S.A
42	.....	Thomas Wright: Rose in Hood (Hafiz)	U.S.A
43	1966	Hadi Hasan: Agolden treasury of Persian Poetry (P.123 to 136)	New Delhi Publication Division
44	1988	William Auld:حافظ: فارسی زبان میں شامل سترہ غزلوں کا ترجمہ۔	New Delhi Publication Division

انگریزی مقالات جن میں حافظؔ کا تذکرہ ہے:

1. William Jones: Asiatic Reserches Vil.3 (P.172) "The mystical poetry of the persians"(۳۳)

2. G. M. Wickens:

1) Bulletion of the school of oriental & African studies, Vol.xiv:" The Conception of Asiatic unity in Persian Poetry.

2)The legacy Persia Religian (O .U. P 1951)

3) Anthology of Dawn songs (ed. harto)

"Contribution on persian poetry"

4) Detailed analysis of imagery in some of Hafiz's poems-Bulleting of the S.O.A.S (۳۵)

حافظؔ انگریز دانشوروں کی نظر میں:

(1) Arbuth Not: " in Persian portaits"

Hafiz has been called by some " The Anacreon of Persia." and refers to him as this really great poet whose genius has been fully acknowleged and apprecited througout the world---- to whom the first and highest rank has been uninimonsly assigned. (۳۶)

(2) Charlse Stenoarty: (1809)

"Afew of the poems of Hafiz may be understood in a literal sense, but in general they allude to the sufi mysteries. Had wealth or sensual enjoyment been the wish of Hafiz, it might have been amply, gratified, as most liberal offers from the princes both of Persian and of India were held out to him. But he preferred a life of poverty and of retirement."(۳۷)

(3) Lt. Col. Wilberforce Clark:

Hafiz breathes orginality in all his works, scorns to immtate any authority but Nature , or to use any art but art to conceal art, has deffects but only his own has beauties but only his own. He may be condemned, he can not be compared --- his style is effulgent, dazzaing, finished. concise --- in music and eloquence the strains of Hafiz are without equal in Persian literature. The Shaikhs and Sufis all agree in considering the Dewan of Hafiz as the very height of perfection.

(4) Fitz Gerald:

Hafiz is the most Persian of Persians. He is the best representative of thier charactor, whther his Saki and wine be real of mystical --- to be sure, their roses and nightingales are repeated often enough. But Hafiz and old Omar Khayyam ring like true metal.

(5) Dennision Ross:

It is equally unsatisfactony to give a completely interpretation to his songs. He wrote of the world as he found it. In his experience pleasure and religion were the two most incentives to human action, he ignore neither the one nor the other. I think he was content to " faintly trust the larger hope."

(6) John Payne:

Hafiz to me is one of the three greatest poets of the world, the other two being Dante and Shakspear."

انگریزی میں حافظ کے چند قابلِ ذکر ترجمے اور شرحیں:

(1) Odes of Hafiz : by Pestinji Cooverji Taskar:

یہ کتاب جس کے سرورق پر حافظ کا یہ شعر موجود ہے۔

کارِ بی ہودہ کنی بہ کہ نشینی بی کار　　　　رنجِ بی ہودہ بری بہ کہ گزینی راحت

ایجوکیشن سوسائٹی پریس، بائیکلہ (ممبئی) سے ۱۸۸۷ء میں شائع ہوئی۔ دیباچے میں مصنف نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ۔ ''یہ کتاب ان طلبہ کی امداد کے لیے لکھی گئی ہے جو ممبئی یونیورسٹی سے سالِ رواں (۸۸۔۱۸۸۷ء) میں پری ویس اگزامینشن میں شریک ہونے والے ہیں۔'' اسی لیے اس کتاب میں صنائع بدائع اشعار میں استعمال ہوئے ہیں اور جو شعری تراکیب عربی فارسی کی ہیں، ان سب کی وضاحت کی گئی ہے۔ اشعار کی صحت کا بھی خیال رکھا گیا ہے اور اس کے لیے دیوانِ حافظ کے مختلف نسخوں کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ ساتھ ہی ان غزلوں کی تقطیع بھی کی گئی ہے۔ اور بحر کا نام بھی درج ہے۔

اس دیباچے میں مصنف نے اپنے غیر ملکی ہونے پر انکساری کا اظہار کیا ہے۔ نیز الفسٹن کالج کے پروفیسر حیرت جو فارسی کے زبردست عالم تھے، کا حوالہ دیا ہے اور ان کے علمی تبحر اور زبان و بیان پر بے مثال قدرت کو خاص طور پر سراہا ہے۔ اس کے بعد ''دیوان'' اور ''غزل'' کے اصطلاحی مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے۔ اور اس کے بعد غزلیں اور ان کی فرہنگ کا سلسلہ ہے۔

ہر غزل کے ابتداء میں اس کی بحر دی گئی ہے اور مطلع کی تقطیع کی گئی ہے۔ مثلاً

دوش سودا	ئی رخش گف	تم زسر بی	روک نم
فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلن

(بعض جگہ آخری رکن کو فاعلان بنایا گیا ہے۔)

بحرِ رمل مثمن مزاحف

پھر پورے شعر کی تشریح یوں ملتی ہے۔

دوش سودائے رخش گفتم ز سر بیروں کنم
گفت کو زنجیر تا تدبیر ایں مجنوں کنم

Last night, used in poetry. The word commonly used is دیشب

Exessive desire, lore, name of the four humours of the

body, (اخلاطِ اربعہ) atribilis. The other three are بلغم، خون and صفرا is supposed that the excess of the humour atribilis creats madness and hence the term "سودا" means madness.
An eccentric man is called سودائی

زسر بیروں کنم:

Remove from my mind
A chain -: زنجیر
Possessed of a devil, mad. one desparately -: مجنوں
in love, derived from جن a genious, devil -: مفعول
The analogous terms-: مجنوں، زنجیر، سر سودا
The figure is -: مراعات النظیر

اسی طرح سو غزلوں کی فرہنگ دی گئی ہے۔
یہ کتاب شرح یا ترجمہ سے زیادہ فرہنگ کی حیثیت رکھتی ہے۔

(2) The Divan of Hafiz: Lieit. Col. H. Wilberfarce Clarke:

پہلی مرتبہ براہِ راست فارسی سے انگریزی نثر میں ترجمہ شدہ یہ دیوان کپتان دلبر فورس کلارک کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ جو ۱۸۹۱ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد اس کے کئی ایڈیشن نکلے۔ اس دیوان کے ابتدا میں حافظ کے متعلق تفصیلی حالات اور تنقیدی وضاحتیں ملتی ہیں۔ مقدمے میں تصوف اور حافظ کے حالاتِ زندگی پر بحث کی گئی ہے۔ اور مترجم نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ یہ دیوان میجر ایچ۔ ایس۔ جیرٹ کے مرتب کردہ ۱۸۸۱ء کے دیوانِ حافظ مطبوعہ کلکتہ کے پیشِ نظر ترتیب دیا گیا ہے۔

اس سے قبل ہرمن براک ہاس نے ۱۸۵۴ء میں لیپزگ جرمنی سے 'دیوانِ حافظ' ترتیب دیا تھا۔ کپتان کلارک نے اپنے مترجم دیوان کے دیباچے میں ان دونوں نسخوں کے اختلاف پر روشنی ڈالی ہے۔ اور غزلیات، ساقی نامہ، مغنی نامہ۔ قطعات و رباعیات، مثنویات، مخمس وغیرہ تمام اشعار کی تعداد وغیرہ کی تفصیل دی گئی ہے۔

اس کے بعد فارسی اور انگریزی کے ان تمام کتابوں کا ذکر ہے جن سے اس دیوان کے ترجمے میں مدد لی گئی۔ مثلاً دیوانِ حافظ (مولوی فتح علی)، دیوانِ حافظ (مولوی سیّد صادق علی)

دیوانِ حافظ (مرتبہ جیرٹ)، ہسٹری آف پرشیا (میلکم)، گلشن راز (مرتبہ ای۔ایچ۔ونفیلڈ)، عربین سوسائٹی (لین)، درویش (پروفیسر براؤن)، دیوانِ حافظ (مرتبہ ون ہیمر)، دیوانِ حافظ (مرتبہ روزن ویگ)، دیوانِ حافظ (مرتبہ نکیل مین)، دیوانِ حافظ (مرتبہ برمن براک ہاس)، غزلیات حافظ (مرتبہ پسٹن جی کوورجی ٹاسکر)، اور دیوانِ حافظ (مرتبہ بیرن روسکی)، دیوانِ حافظ (مرتبہ ولیم جونس) وغیرہ وغیرہ۔

پھر انگریزی طلبہ کی سہولت کے لیے فارسی عروض سے متعلق کتابوں کی حوالہ جاتی فہرست دی گئی ہے۔ترجمہ نثر میں کیا گیا ہے۔اور اس سلسلے میں مترجم نے ایک زبردست منطقی بحث چھیڑی ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کسی بھی زبان کی شاعری کا منظوم ترجمہ دوسری زبان میں قطعی ناممکن ہے زیادہ سے زیادہ اس کا نثری ترجمہ کیا جاسکتا ہے جو خود مترجم نے کیا ہے۔نثری ترجمے کی حمایت میں مدلل بحث کے بعد حافظ کے انگریزی ترجموں کی تاریخ وار فہرست اور تفصیل دی گئی ہے۔

یہ کتاب انگریزی کی بہت سی کتابوں کی طرح دی بورڈ آف اگزامینرز، اورینٹل لینگویجز کی جانب سے انگریزوں کو فارسی پڑھانے کے مقصد سے حکومت برطانیہ کی ایماء پر ترجمہ کی گئی ہے۔اور مسٹر ایچ۔ایم۔کلارک کے نام منسوب کی گئی ہے جو ولیم اسٹین لی کلارک، جو تقریباً ۲۷ سال تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹر رہے اور فارسی کے اچھے اسکالر تھے۔خود کپتان دلبر فورس کلارک ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے رکن اور پرشین مینول کے مصنف تھے جنھوں نے سب سے پہلے بوستان سعدی کا ترجمہ کیا۔

مواخذ کے بعد انگریزی میں حافظیات پر لکھی جانے والی کتابوں کی ایک طویل فہرست تفصیلی وضاحت کے ساتھ دی گئی ہے۔اس کے بعد اصل ترجمہ شروع ہوتا ہے جس میں غزلوں کی ترتیب میں ردیف اور حروف تہجی کا خیال رکھا گیا ہے۔کل تعداد ۵۷۳ ہے اور اشعار کی کل تعداد ۵،۷۰۳ ہے اس کے علاوہ قطعات، رباعیات، مثنوی، ساقی نامہ، مغنی نامہ، قصائد اور فردیات وغیرہ کے ترجمہ شدہ اشعار کی کل تعداد ۶۳۳ ہے۔

حیاتِ حافظ سے متعلق ایک مفصل باب مقدمے میں شامل ہے۔اسی کے ساتھ کچھ اور فہرستیں بھی شامل ہیں مثلاً حافظ کے معاصر فرماں روا جن کا ذکر اس کے کلام میں ملا ہے۔یا صنائع بدائع کی فہرست جو حافظ کے اشعار میں جابجا نظر آتے ہیں۔پھر غزلوں کا باقاعدہ ترجمہ اور تشریح اور حاشیے دیے گئے ہیں۔یہ دیوان دو جلدوں پر مشتمل ہے اور حافظ کے مطالعے کے

سلسلے میں کافی اہم ہے۔

(3) Poems from the Divan of Hafiz: Gertrude Bell:

مشہور مستشرق مس جرٹرڈ لا تھین بیل نے ۱۸۸۸ء میں جب وہ بیس سال کی تھی آکسفورڈ سے تاریخ میں فرسٹ کلاس حاصل کیا۔ اور تاریخ کا یہ مطالعہ ہی اسے کشاں کشاں مشرقی لسانیات وادب کی طرف لے گیا۔ اس کی دلچسپی مشرقی زبانوں میں اتنی بڑھی کہ اس نے عربی اور فارسی باقاعدہ تحصیل شروع کی۔ خصوصاً فارسی سے اس کی دلچسپی کی پوری داستان اس کے ان خطوط سے اخذ کی جاسکتی ہے جو ۱۸۹۱ء میں لیڈی بیل (ارنیسٹ بین) نے مرتب کیے ہیں جولائی ۱۸۹۱ء کے ایک مکتوب سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا فارسی ادب کا مطالعہ اسی وقت شروع ہوگیا تھا جب اس نے اپنی آنٹی لیڈی لیسلر کے ساتھ تہران جانے کا ارادہ کیا۔ اس کے بعد اس نے لارڈ اسٹین لی آف ایلڈرلی اور مسٹر اسٹرانگ سے باقاعدہ فارسی سیکھنی شروع کی۔ اپنے استاد مسٹر اسٹرانگ کے بارے میں وہ اپنے ایک مکتوب (Letter I,P9-28) میں بڑے پیار سے لکھتی ہے۔

"My teacher is a delightful old person with bright eyes and a white turban who knows so little French (French is our medium) that he can neither translate the poets to me. Nor explain any grammatical difficulties. But we get admiraldy neverthless and spend much of our time in long philosophic discussions carried on by me in French and by him in Persian."

بہت جلد اس نے فارسی کی اچھی خاصی استطاعت حاصل کرلی۔ اس کے بعد اس نے برٹش میوزیم میں لاطینی میں تحریر کردہ حافظ کے حالاتِ زندگی اور ان کے کلام کا مطالعہ کیا۔ اور یہیں سے اسے کلام حافظ کے ترجمے کی ترغیب ہوئی ۱۸۹۶ء میں اس نے حافظ کی تقریباً تیس غزلوں کا انگریزی ترجمہ کیا اور استاد مسٹر اسٹرانگ کو دکھایا۔ اس دوران اس کی ملاقات ہین مان سے (Heinemnn) ہوئی جن سے اس نے اپنے ترجمے پر پیش لفظ لکھنے کی خواہش ظاہر کی لیکن وہ چونکہ مسٹر اسٹرانگ کے پاس ہی تھا لہٰذا وہ ان تک نہ پہنچا، نہ سکی۔ بہر حال یہ کتاب ۱۸۹۷ء میں منظرِ عام پر آئی۔ بیل کے مقدمے کے علاوہ مشہور ادیب ڈینی سن راس نے بھی اس

کا پیش لفظ (مطبوعہ ۱۹۲۸ء) تحریر کیا ہے، جس میں انھوں نے بیل کے کام کی تعریف کی ہے۔

بیل نے اپنے مقدمے میں اس وقت کے ایران کی جو تاریخ قلم بند کی ہے اسے صرف ڈینی سن راس ہی نہیں سراہتے بلکہ مشہور فارسی اسکالر پروفیسر ای۔ جی۔ براؤن نے بھی ''تاریخ ادب فارسی'' میں اس کی تعریف کی ہے۔اور بیل کے ترجمے کو "In debtedness to an excellant and most readable sketch" قرار دیا ہے۔وہ لکھتے ہیں۔

"It is to Miss Gertrude Bell that we are indebted for the best estimate of Hafiz, atonce critical, sympethetic and full of insight."

ڈینی سن راس بھی اپنے پیش لفظ میں بیل کے تصوف پر لکھے گیے بیان کی تعریف کرتے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے ترجمے کے فن اور اس کی دشواریوں پر بحث کی ہے اور انگریزی کے مختلف ترجموں پر بحث کی ہے اور انھوں نے پروفیسر براؤن کی ہم نوائی کرتے ہوئے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مس بیل کا ترجمہ تمام ترجموں میں بہترین ترجمہ ہے اس کے بعد حافظ کے احوال و آثار کی تفصیل دی گئی ہے۔کلام حافظ کی خصوصیات کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور اس کا تقابلی مطالعہ مغربی شاعر دانتے سے کیا گیا ہے جو خود حافظ سے متاثر تھا۔'' اس کے بعد اصل ترجمہ شروع ہوتا ہے۔

ترجمے کی زبان بڑی رواں دواں اور شگفتہ ہے ترجمہ منظوم ہے اور ایک شعر کا ترجمہ پورے ایک بند (Stanza) میں کیا گیا ہے۔ جو چار مصرعوں (Lines) سے عبارت ہے۔ جن کی ترتیب کچھ اس طرح ہے کہ پہلا اور تیسرا مصرع ہم قافیہ اور دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہے۔ مثلاً

یوسف گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور
کلبہ احزاں شود آخر گلستاں، غم مخور

From Cannon Joseph shal return, whose face
A little time was hidden: weep no more
Oh, weep no more ! in sorrow's dewelling place
The roses yet shall spring from the bare floor

صلاح کار کجا و منِ خراب کجا
بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

Where is my ruined life where the fame
of noble deeds?
Look my long drawn road and whence it came,
And where it leads !

یہاں پہلے شعر میں Face اور Place (پہلے اور تیسرے مصرعے میں) اور دوسرے شعر میں Fame اور Came (پہلے اور تیسرے مصرعے میں)، More اور Floor (دوسرے اور چوتھے مصرعے میں) اور Leads اور Deeds (دوسرے اور چوتھے مصرعے میں) ہم قافیہ ہیں۔

ترجمے کے ساتھ حسب ضرورت اشعار کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ جو Notes کے عنوان سے کتاب کے آخر میں شامل ہے۔

انگریزی میں اس ترجمے کو معتبر ترجمے کی حیثیت حاصل ہے۔

(4) Odes from the Divan of Hafiz: Richard Le Galieme:

یہ ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۹۰۳ء میں منظرِ عام پر آیا۔ جیسا کہ اس پیش لفظ سے ظاہر ہے۔ اس کے بعد اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ یہاں تک ۱۹۲۰ء میں اس کا چھٹا ایڈیشن منظرِ عام پر آیا۔ جو بوسٹن سے دی پیج کمپنی نے شائع کیا۔

اس کتاب کے پیش لفظ میں مترجم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ ترجمہ کرنل دلبرفورس کے نثری ترجمے اور جان پین کے منظوم ترجمہ کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے۔ اس ترجمے کی مشکلات و مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ خصوصاً غزل کی منتشر مزاجی کے پیش نظر اس کے ترجمے میں جو دشواریاں حائل ہوتی ہیں ان کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ انگریزی میں اس قسم کی کوئی صنف نظر نہیں آتی۔

اس کے بعد مترجم دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے غزل کے مواد، مزاج اس کی ذہنی فضا اور شعری ماحول کے مطابق ایسے قوانی استعمال کیے ہیں جو حافظ کی غزلوں میں نہیں ہیں۔ اس دعوے کے جواز میں اس نے تین ترجمے تقابلی طور پر پیش کیے ہیں۔ ایک کرنل کلارک کا، دوسرا جان پین کا، تیسرا اپنا خود کا۔ وہ یہ بھی وضاحت کرتا ہے کہ کرنل کلارک چونکہ تصوف پر یقین رکھتے تھے لہٰذا انھوں نے ترجمہ کرتے وقت حافظ کے استعاروں اور اصطلاحوں کی قوسین میں وضاحت

کردی ہے۔ یہ الفاظ حافظ کی غزل میں نہیں ہیں۔ بلکہ کلارک کے اپنے ہیں۔

حافظ کی غزلوں پر اس نے بڑی دلچسپ بحث کی ہے اور حافظ کا موازنہ دانتے اور چاسر سے کیا ہے وہ حافظ کو چاسر کا ہم عصر قرار دیتا ہے۔ حافظ کی روحانیت اور لسان الغیبی پر بحث کرتے ہوئے وہ بائبل کے Song of Solomn کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ قدیم ایرانی دیوان حافظ کے تعلق سے وہی عقیدہ رکھتے ہیں جیسے قدیم عیسائی نغمہ سلیمان کے تعلق سے۔

اس کے بعد غزلوں کا ترجمہ شروع ہوتا ہے۔ ہر غزل کا نمبر تحریر کیا گیا ہے۔ ایک شعر کا ترجمہ پورے ایک Stanza کی صورت میں ملتا ہے۔ جو تقریباً گیارہ لائنوں پر مشتمل ہے۔ کہیں کہیں نو، دس لائنیں بھی ملتی ہیں اور ترجمے میں کہیں کہیں مترجم کی اپنی اختراع بھی موجود ہے جو اصل ترجمے سے ہٹ کر ہے۔ اور ترجمے کو تخلیقی بنا دیتی ہے۔ اور ترجمہ کبھی کبھی اپنی جگہ پر ایک مکمل نظم لگنے لگتا ہے۔

(5) Selections from the Rubaiyat and Odes of Hafiz:

قدیم فارسی مخطوطات سے اخذ کر کے انگریزی میں حافظ کی منتخب رباعیات غزلیات کا منظوم ترجمہ دی پرشیا سوسائٹی آف لندن کے ایک رکن کی حیثیت سے جان واٹ کینس (John M. Watkins) نے کیا جو ۱۹۲۰ء میں لندن سے منظرِ عام پر آیا۔

ترجمے سے پہلے ایک طویل مقدمہ شامل ہے جس کا پہلا حصہ حافظ کے حالات زندگی اور اس کی شاعری پر محیط ہے۔ کلام حافظ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے حافظ کے انگریزی ترجموں پر بحث کی گئی ہے۔ خصوصاً کرنل دلب فورس کلارک کے ترجمے کی روشنی میں تصوف پر ایک سیر حاصل بحث ہے۔ اور ان مختلف صوفیانہ اصطلاحات کی تشریح و توضیح کی گئی ہے اور ''رباعیات'' کے عنوان سے صنفِ رباعی کی تعریف کے ساتھ ساتھ حافظ کے بنیادی نظریات و تعلیمات کی روشنی میں حافظ کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کے بعد تصوف کی مختلف اصطلاحات مثلاً عشق (Love) شراب اور مستی (Wine & Intoxiction) ہجر، غیبت اور حضور (Seperation, Severance & Absence) فنا فی اللہ (Re absorption) وغیرہ جیسی اصطلاحات کی تشریح کے ساتھ ساتھ حافظ کے شعروں کے حوالے دیے ہیں۔

اس کے بعد 'glossary' کے عنوان سے حروف تہجی کے اعتبار سے حافظ کی لفظیات و اصطلاحات کی فرہنگ دی گئی ہے۔ جو مترجم کے پرخلوص کاوش کی آئینہ دار ہے۔

اس کے بعد رباعیاتِ حافظؔ کا انگریزی منظوم ترجمہ دیا گیا ہے ساتھ ہی ساتھ حسب ضرورت ان کی تشریح بھی موجود ہے۔ رباعیات کو عنوانات کے اعتبار سے تقسیم کردیا گیا ہے۔ مثلاً پہلا حصّہ ’حافظؔ گلشن میں غرق مراقبہ ہے‘۔

دوسرا حصّہ: حافظؔ، نغمہ، مے و مے خانہ، تیسرا حصّہ: بے ثباتی و بے اعتباری دنیا۔ چوتھا حصّہ: نئی زندگی کی آمد۔ پانچواں محبوب اوراس کا حسن۔ چھٹا غمِ عشق اور ہجرِ محبوب اسی طرح دیگر حصّے ان عنوانات کے تحت ہیں۔ محبوب مجازی کے جور و ستم، حافظ اور محبوب سے ملاقات و گفتگو، ہجر کا رونا اور دوبارہ ملاقات کی دعا۔ محبوب کا لطف و کرم، تخاطب با حریفاں (صوفی) حافظؔ اور خود کلامی، حافظ اور خدا سے تخاطب۔ حافظ اور پند و نصیحت وغیرہ۔

اس کے بعد کا حصّہ منتخب غزلیات حافظ کے منظوم انگریزی ترجمہ پر مشتمل ہے۔ ہر غزل کے ترجمے سے پہلے اس کا مطلع رومن رسم الخط میں دیا گیا ہے اور غزل نمبر بھی۔ یہ غزلیں لکھنؤ بازار ایڈیشن کے اعتبار سے دی گئی ہیں۔ آخر میں اہم اور صرف صوفیانہ غزلوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔

اس کے بعد مخمس، ترجیع بند، ایک قصیدے کے کچھ حصّے اور کچھ لفظوں کا ترجمہ شامل ہے۔ اور سب سے آخر میں بعض رباعیات پر مختصر نوٹ ہے۔ غزلوں میں عام طور پر ایک شعر کا ترجمہ دو مصرعوں ہی میں کیا گیا ہے۔ اور قافیوں کا خاص خیال رکھا گیا ہے مگر کبھی کبھی دو سے زائد مصرعے بھی ملتے ہیں مثلاً

یوسف گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور
کلبہ احزاں شود آخر گلستاں غم مخور

Lost Joseph returns again to Canon, grieve not
The cell of sorrowfulness becomes one day a
rose garden grieve not.

بمی سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بی خبر نبود ز رسم و راہِ منزلہا

Stain thy prayer- carpet with wine, if thee
Magaian Saint the Perfect-Murshid, bids thee
For the Pilgrim should not be ignorant of the ways

and customs of the Stages on the

Heavenly path.

(6) Fifty Poems of Hafiz: Arthur J. Arberry:

لندن یونیورسٹی کے عربی کے پروفیسر آرتھر جے آربری کی مرتبہ یہ کتاب ۱۹۴۷ء میں کیمبرج یونیورسٹی پریس لندن سے شائع ہوئی۔ ایسا لگتا ہے کہ پروفیسر آربری حافظ کے زبردست عاشقوں میں سے تھے۔ اس لیے کہ اس کتاب کے پہلے ہی صفحے پر ایک نظم کی صورت میں حافظ کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ کہ ''تم وہ دانش ور ہو جو رکناباد کے کنارے کھڑے سامنے ایران سے نغمگی کی بارش برساتے رہے ہو۔ ہم آج بھی تمہارے ان نغموں کے اسیر ہیں۔''

اس کے بعد غزل کے مطلعوں کی فہرست، انگریزی ترجمے کے ساتھ دی گئی ہے۔ پھر ایک طویل مقدمہ حافظ کے حالاتِ زندگی اور شاعری سے متعلق ہے۔ پروفیسر آربری اس دیباچے میں اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ انتخاب دو مقصدوں کے پیشِ نظر کیا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ حافظ کے اسلوب کے مختلف پہلو اور ان کے خیالات کی انگریزی داں طبقے میں تفہیم۔ دوسرے یہ کہ مغرب میں بابائے فارسی ولیم جونس کے پہلے ترجمے A Persian Song (1746-1794) کے بعد سے لے کر اب تک ۱۹۹۴ء دوسو برسو میں انگریزی ادب میں حافظیات اور حافظ کے اثرات کا جائزہ۔ بقول آربری اس طویل عرصے میں حافظ کے اسلوب نے انگریزی کے شعراء کو بھی اس کی تقلید کی ترغیب دلائی۔ اور انگریزی شاعری کو نئی جہتوں سے آشنا کروایا۔

جہاں تک حافظ کے حالاتِ زندگی کا تعلق ہے آربری فارسی تذکرہ نگاروں سے مطمئن نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ان تذکرہ نگاروں نے اپنے شعراء کے حالاتِ زندگی جاننے اور تحریر کرنے میں کوتاہی برتی ہے۔ لہٰذا ان تذکروں سے ہمیں کوئی خاطر خواہ معلومات نہیں ملتی۔ البتہ اس ضمن میں وہ مس جرٹرڈ بیل کے مقدمے کو اہمیت دیتے ہیں۔ نیز پروفیسر براؤن کی تاریخ ادب ایران کے اس باب کو ماخذ بناتے ہیں جو حافظ سے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ حسین پژمان کے دیوانِ حافظ کا مقدمہ اور ڈاکٹر قاسم غنی کی کئی جلدوں پر مشتمل کتاب ''بحث در آثار و افکار و احوالِ حافظ'' مطبوعہ تہران کا مطالعہ ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے براک ہاس، رزن ویگ اور مسعود فرزاد سے بھی استفادہ کیا ہے۔

مختلف نسخوں میں غزلوں کی تعداد اور مستند اور الحاقی غزلوں پر بحث کرنے کے

بعد وہ قاسم غنی کے حوالے سے حافظ کی شاعری کے تین ادوار مقرر کرتے ہیں۔(۱) پہلے دور کی شاعری یک رخی ہے اس میں تہ داری نہیں ملتی۔(۲) دوسرے دور کی شاعری میں لفظی اور معنوی دونوں پہلوؤں پر زور دیا ہے۔ ان میں تہ داری ہے۔(۳) تیسرے دور میں اسلوب کی پختگی اور حسن اور بہترین فلسفیانہ تخلیقات ملتی ہے۔ اس انتخاب میں تیسرے دور کی غزلیں شامل ہیں۔

اس کے بعد انگریزی ترجموں کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہیں۔ اور انگریزی میں فارسی کے ترجمے کو دشوار قرار دیتے ہیں۔

ترجمے سے قبل فارسی غزلیں دی گئی ہیں گویا ترجمے کا پورا متنِ فارسی اس انتخاب میں موجود ہے۔ جو اور کہیں نظر نہین آتا۔ اس سے قاری کو کافی مدد ملتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی غزلوں کی پہچان کے لیے عنوانات بھی قائم کیے گیے ہیں۔

یہ عنوانات یا تو غزل کے مطلعوں سے لیے گیے ہیں یا کسی شعر سے یا غزل کی کسی ترکیب سے، کہیں ردیف سے اور کہیں مصرے کے پہلے رکن یعنی صدر سے۔ اکثر غزلوں میں آزاد ترجمہ ملتا ہے۔

اس انتخاب میں پروفیسر آربری نے کل پچاس غزلوں کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ ان پچاس غزلوں میں سولہ غزلیں تو خود ان کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں۔ باقی غزلوں کا انتخاب کچھ اس طرح ہے۔

1. Mis G. Bell	09	8. E. H. Palmer	01
2. J. Nott	04	9. R. Gallienne	05
3. W. Jones	01	10. E. Bridges	01
4. J. Richard son	01	11. H. H.	01
5. Water Leaf	06	12. R. Levy	01
6. Thomas Law	01	13. H. Bickuill	01
7. G. H. Hindley	01	14. J. Payne	01

یوں کل ملا کر پچاس غزلوں کا ترجمہ شامل ہے جو پندرہ مترجمین کی کاوشوں کو پیش کرتا ہے۔ اسی لیے ترجموں کا انداز بھی الگ الگ ملتا ہے۔ یعنی بعض مترجمین نے ایک شعر کا ترجمہ ایک شعر ہی میں کیا ہے۔ بعض نے چار لائنوں میں اور بعض نے چار سے زیادہ۔ اسی طرح قافیوں کے التزام اور استعمال دونوں میں ہر ترجمہ نگار کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کسی نے

پہلے اور تیسرے مصرعے اور دوسرے اور دوسرے اور چوتھے مصرعے کو ہم قافیہ بنایا ہے اور کسی نے پہلے دو مصرعوں کو اور اسی طرح پھر دوسرے شعر کے دو مصرعوں کو ہم قافیہ بنایا ہے۔

اشعار کے ترجمے میں مصرعوں کی کوئی متعین تعداد نہیں ملتی۔ بلکہ خیال جتنے مصرعوں میں ادا ہو سکا ہے، ایک شعر کے ترجمے کے لیے اتنے مصرعے لائے گئے ہیں۔ زبان کے اعتبار سے بھی مختلف مترجمین کے ہاں فرق پایا جاتا ہے۔ کسی کے ہاں روانی ہے، کسی کے ہاں سادگی، کسی کے ہاں بھرتی کے الفاظ اور کسی کے ہاں تخلیقی شان ہے اسی لیے کہیں ترجمے کا حق ادا ہوا ہے اور کہیں کھوسا گیا ہے، کہیں صرف لفظی ترجمہ ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

صلاح کار کجا و منِ خراب کجا

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

Where is the pious doer ? and I the estrayed one where ?

Behold how far the distance from his safe home to here !

(Elizabeth Bridges)

پہلا مصرعہ فجائیہ سے زیادہ استفہامیہ انداز اختیار کر گیا ہے جس سے حافظؔ کے خیال کی ترسیل صحیح طور پر نہیں ہو پا رہی ہے۔ کیونکہ اس میں لہجے کی پکڑ نہیں ہے۔ اسے بھی دوسرے مصرعے کی طرح فجائی ہونا چاہیے۔

بعض جگہ ترجمہ بہت ہی خوب صورت اور مترنم ہے مثلاً یہ شعر۔

بیا کہ قصر امل سخت سست بنیاد است

بیار بادہ کہ بنیاد عمر بر باد است

The house of hope is built on sand,

And life's foundation rest on air.

Then come, give wine in to my hand,

That we may make an end of care.

(A. J. Arberry)

یہاں پہلا اور تیسرا مصرعہ اور دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہے۔

شگفتہ شد گلِ حمرا و گشت بلبل مست

صلای سر خوشی ای صوفیانِ بادہ پرست

The rose has flushed red, the bud has brust

And drink with joy is the nightingale_____

Hail sufis ! lovers of wine, all hail_______

For wine is proclaimed to a world a thirst

(G. Bell)

پہلے مصرعے میں The rose has flushed red شگفتہ گل حمرا کا ترجمہ ہے۔ باقی ٹکڑا The bud has brust بھرتی کا ہے۔ شعر میں اس کی طرف کہیں کوئی اشارہ نہیں ہے۔ چوتھا مصرعہ وضاحتی ہے۔ ترجمہ نہیں۔ خیال کو تھوڑا آگے بڑھاتا ہے یا اس کی وضاحت کرتا ہے کہ صوفیوں کو سرخوشی کی دعوت کیوں دی جا رہی ہے۔

بعض غزلوں کے ترجموں میں جن بحروں کا استعمال کیا ہے وہ طویل، غنائی بحریں ہیں۔ اور پڑھنے میں لطف دیتی ہیں۔ کیوں کہ ان میں بہت حد تک حافظ کی غزل کا موڈ اور فضا شامل ہے۔

زلف آشفتہ و خوی کردہ و خندہ لب و مست

پیرہن چاک و غزلخواں و صراحی در دست

Wild of miew, chanting a love song, cup in hand, locks disarrayed,

Cheek beflushed, wine overcome, vesture awry breast diplayed

پورے ترجمے میں غزل کی ہیئت استعمال کی گئی ہے اور مطلع کے اعتبار سے ہر دوسرے مصرعے میں یہی قافیے لائے گئے ہیں۔ مثلاً

Unalleyed, laid, renegade, sulmber-bewrayed, shade, اور unmade

وغیرہ۔ یہ ترجمہ Walter leaf کا کیا ہوا ہے۔ جو غالباً غزل کا مزاج داں تھا۔

حسبِ ضرورت وضاحت یا تشریح کتاب کے آخر میں نوٹس کے کالم میں موجود ہے۔

ہر غزل کی بحر دی گئی ہے۔ اس کے ارکان اور آوازوں کے ساتھ مثلاً

بحرِ رمل مثمن مجنون مقصور - u u - / u u - - / u u - - / u - u - <u>u</u>

آخر میں ان ترجمہ نگاروں کے نام اور ترجموں کی فہرست دی گئی ہے یہاں سے یہ غزلیں منتخب کی گئی ہیں۔ غرضیکہ اس اعتبار سے یہ انتخاب بڑا اہم ہے۔

(7) Hafiz of Shiraz (Thirty Poems): Wisdom of the East series:

یہ ترجمہ وزڈم آف دی ایسٹ (مشرق کی دانشوری) کے اشاعتی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو پیٹر ایوری اور جان ہیتھ اسٹبس کی مشترکہ کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ یہ کتاب لندن سے پہلی بار ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی۔ ابتداء میں ایک ادارتی نوٹ دی گئی ہے۔ یہ کتاب دراصل مشرق و مغرب کے درمیان کلاسیکی خیالات اور جدید تحریکات کے باہمی رابطے کے مقصد سے شائع کی جارہی ہے۔ مترجمین کو یقین ہے کہ مشرقی نظریات اور وہاں کے گہرے فلسفیانہ خیالات دوسری قوموں کے لیے روحانی فیوض و برکات کی حیثیت رکھتے ہیں اور نیز یہ کہ وہ مغرب میں بھی روحانیت کا احیاء کرنے میں ممدو معاون ثابت ہوں گے۔ غالباً اس کتاب کے ناشر J. L. Cranmer Byng کی جانب سے دی گئی اس نوٹ سے ہمیں اس کی وجہ اشاعت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔

اس کے بعد حافظ کے احوال و افکار سے متعلق ایک طویل مقدمہ مترجمین کی جانب سے پیش کیا گیا ہے جس میں حافظ کو چاسر کا ہم عصر بتایا گیا ہے اور جرٹرڈ بیل کے حوالے سے حافظ کو شیعہ مذہب کا مقلد قرار دیا ہے۔ اور اسی تعلق سے شیعیت اور تصوف پر ایک تفصیلی بحث ملتی ہے۔ جس سے کہیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مترجمین کے سامنے شیعیت اور تصوف دونوں کا کوئی صحیح اور واضح تصور نہیں ہے۔ اور ان دونوں کی تفہیم میں ان سے کہیں کہیں سہو ہوا ہے۔

بہر حال اس سلسلے کی کڑی کلام حافظ کی دیگر خصوصیات سے ملا دی گئی ہے۔ اور حافظ کی صوفیانہ شاعری کا انگریزی شعراء کی صوفیانہ شاعری کے ساتھ تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔ خاص طور پر اسپینی شعراء جن میں Ramon Lull کا نام اہم ہے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

حافظ کی شاعری پر تین پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ ایک رندی و سرمستی سے سرشار نغمے یعنی خمریات، دوسرے صوفیانہ کلام اور تیسرے دربار سے متعلق شاعری۔

ہر دو مترجمین کا خیال ہے کہ حافظ کی شاعری کو محض Oriental pearls at random strung سمجھنا غلط ہے۔ کیوں کہ ایک نظم اپنے اندر ابتداء، وسط اور انتہا تینوں رکھتی ہے۔ یہ نظریہ ارسطو سے چلا آرہا ہے مگر اس سے قبل کی یونانی شاعری میں غزلیہ انداز ملتا ہے۔ Odes of Pindar اس کی بہترین مثال ہے۔

پروفیسر گلبرٹ نارووڈ نے اپنی کتاب Pindar Caliphornia University میں لکھا ہے کہ پندار کی نظمیں ایک مسلسل اکائی سے محروم ہیں مگر اس کے باوجود بھی علامتی سطح پر وہ ایک فضا میں بندھی نظر آتی ہیں۔ (اسی طرح حافظ کی غزلیں بھی ہیں۔ ان کے اکثر اشعار ایک

دوسرے سے بے تعلق ہیں) مگر باہمی ربط رکھتے ہیں۔

پھر ہر مترجم کی طرح انھوں نے بھی فارسی سے انگریزی میں ترجمہ کرنے کی دشواریوں کا ذکر کیا ہے۔ آخر میں سرورق سے متعلق ایک وضاحتی نوٹ کے بعد Acknowledgement کے کالم میں ان تمام کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے جن سے اس ترجمے میں استفادہ کیا گیا ہے۔

اس ترجمے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہر غزل کے ترجمے سے پہلے چند جملوں میں غزل کے تمام اشعار کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ مثلاً ''بیا کہ قصر امل سخت سست بنیاد ست'' والی غزل کا خلاصہ یوں ہے۔

He (i.e Hafiz) will put no trust in this transitory world. The soul's true home is in the highest heaven by the Sidra tree, where the Prophet had his revelation from the Angel Gabriel. But here below, there is no freedom but knowledge of necessity.

اس میں کل تیس غزلوں کا ترجمہ شامل ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ کسی بھی غزل کا مطلع فارسی میں نہیں دیا گیا ہے کہ غزل پہچانی جا سکے۔ غزل کے جو نمبر دیے گئے ہیں وہ براک ہاس Brockhaus کے نسخے سے لیے گئے ہیں۔ اگر قاری کے پاس مذکورہ نسخہ نہیں ہے تو وہ یہ نہیں جان سکتا کہ فلاں ترجمہ حافظ کی کون سی غزل کا ہے۔

ترجمے کے بعد " Glossary of Proper Names " کے تحت کلامِ حافظ میں آنے والی شخصیات کی وضاحت کی گئی ہے۔ مثلاً اہرمن، آصف، بہمن، فرہاد، عمادالدین، وغیرہ۔

اس کے بعد Notes کے عنوان سے مختلف غزلوں کے اشعار کی حسب ضرورت تشریح کی گئی ہے۔

(8) Rose in Hood: Thomas Wright:

حافظ سے متعلق یہ مختصر سی کتاب تھامس رائٹ کی تحریر کردہ ہے۔ جس میں W. Paul Jones کی تشریحات شامل ہیں۔ ابتدا میں حافظ کے احوال و افکار کے بارے میں مقدمے میں تفصیلی نوٹ دیئے گئے ہیں اس کے بعد ترجمے کے مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ اور خصوصاً حافظ کے انگریزی ترجموں کا ذکر کرتے ہوئے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انگریزی میں کسی مشرقی شاعر کے ترجمے کے لیے عام طور پر تین اصول عمل میں لائے گئے ہیں۔

۱۔ پہلا طریقہ ہے ایک ادبی اور شعری ترجمہ اوزان و بحور کی پابندی کے ساتھ۔ جیسے جان پین نے عمر خیام اور حافظ کے ترجموں کے لیے اپنایا ہے۔

۲۔ دوسرا طریقہ کرشن لال جویری، پروفیسر مولوی سید سراج الدین، کے۔ بی اور ڈی۔ آئی ایرانی، دنشا فریدون جی ملاّ کا طریقہ یعنی انتہائی شاعرانہ اور تخیلی ترجمہ یا ولبر فورس کلارک اور دوسرے مترجمین کی طرح نثری ترجمہ۔

۳۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ انتخاب کیا جائے یعنی اپنی مرضی سے کلام کا کچھ حصہ منتخب کیا جائے اور اس کی بھی اپنے حساب سے تلخیص کی جائے، اور تھوڑی سی آزادی لیتے ہوئے اسے ایک شکل دی جائے۔ جس میں اس کا مفہوم آجائے یعنی صرف مفہوم۔ باقی سب اپنا، طبع زاد۔ جیسا کہ فٹز جیرالڈ نے یہ کہہ کر کیا۔ " I do what I like "

"اس کے بعد مترجم لکھتا ہے کہ حافظ کی شاعری میں جو مجھے پسند آیا ترجمے کے اصولوں کو برتتے ہوئے میں نے ان کے کلام کے اس حصے کا انتخاب کیا۔ اور پھر اسے ایک سوایک بندوں میں منظوم کیا۔ حالانکہ میں نے تھوڑی آزادی سے کام ضرور لیا مگر میرا ترجمہ حافظ کے خیالات ہی کی ترجمانی کرتا ہے۔ میرا خاص مقصد یہ تھا کہ دنیا کے اس عظیم شاعر کے دانش ورانہ خیالات، سوز و گداز، طنز و ظرافت اور جادوگری کو دنیا کے سامنے پیش کروں۔"

کتاب کا عنوان حافظ کی محبوبہ Rose in Hood (غالباً شاخِ نبات) کے نام پر رکھا گیا ہے۔ یا پھر پیر گلرنگ کے نام پر ___ اور اس انتخاب میں وہی اشعار شامل ہیں جو حافظ نے اپنی اس محبوبہ کے متعلق کہے ہیں۔ ترجمہ خوب صورت اور مترنم ہے۔

(90) Golden Treasury of Persian Poetry:

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق پروفیسر اور صدر شعبۂ فارسی پروفیسر ہادی حسن نے یہ ترجمہ غالباً طلبہ کی سہولت کے پیشِ نظر کیا ہے۔ اس میں فارسی کے چند مشہور شاعروں کے کلام کا نثری ترجمہ دیا گیا ہے۔ جس میں صفحہ ۱۲۳ سے صفحہ ۱۳۶ تک حافظ کی کل تیرہ غزلوں اور چند منتخب اشعار کا ترجمہ پیش ہے۔ غزلیں قزوینی کے دیوان سے منتخب کی گئی ہیں۔ ابتدا ہی میں 'حافظ' کے عنوان سے شاعر کے حالات درج ہیں۔ اور فکر و فن کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ کتاب دی پبلی کیشنز ڈیوژن دہلی نے ۱۹۶۶ء میں شائع کی۔

اس کے علاوہ بعض انگریزی کتابیں ایسی ہیں جن میں حافظ کے حالات ملتے ہیں۔ مثلاً

1. Prof B. Brown: Literary History of Persia

2. Luisa: Rose Garden of Persia

3. Dr. Gothel: The world's greatest classics etc.

ایشیائی زبانیں، حافظ کے ترجمے اور شرحیں:

ان یورپی زبانوں کے علاوہ متعدد ایشیائی زبانوں میں بھی حافظ کے ترجمے ہوئے ہیں۔اردو سے قطع نظر جن زبانوں میں ترجمے ہوئے ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

ترکی: حافظ کی سب سے مشہور شرح مولانا سودی کی ترکی میں شائع ہوئی اس کے علاوہ قسطنطنیہ سے ۱۸۷۰ء میں حافظ کا جو ترجمہ شائع ہوا اس میں مولانا سودی کے علاوہ مولانا سیّد محمد وہابی ابنِ سیّد حسن اشعری کی شرح بھی شامل ہے۔ یہ ترجمہ ۱۸ غزلوں پر مشتمل ہے۔

عربی: الدکتورابراہیم امین الشورابی نے حافظ کی ۳۸ منتخب غزلوں کا ترجمہ عربی میں 'اغانی شیراز اَو غزلیاتِ حافظ الشیر ازی' کے نام سے کیا جو جامعہ فواد الاوّل کے استاذ ہیں۔ اس میں الدکتور طٰہٰ حسین کا وقیع ترجمہ بھی شامل ہے۔'حافظ سی زبان' میں یہ ترجمہ موجود ہے۔

جاپانی (ژاپانی): E- Yarshater کا یہ ترجمہ Persian Heritage Series کی ایک کڑی ہے۔اور چونکہ مترجم خود اس جریدے کا مدیرِ اعلیٰ ہے، لہٰذا اس نے حافظ کی چند منتخب غزلوں کا ترجمہ جاپانی میں کر کے شائع کیا۔

مجارستانی: Keps Geza کا یہ ترجمہ Hafiz Versek کے نام سے شائع ہوا۔اس میں ۳۵ غزلوں کا منظوم ترجمہ کیا گیا ہے۔

لہستانی: ۲۰ غزلوں کا یہ ترجمہ Annanisasz Zajacz Kowski کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔

اس کے علاوہ کچھ ترجمے یہ ہیں جو ان زبانوں سے ناواقفیت کی بنا پر پڑھے نہیں جاسکتے اور نہ ہی مترجم کا نام معلوم ہوسکا۔

چک: Dr. Jar B. Kosut کا ترجمہ

روسی: تقریباً ۲۳ غزلوں کا ترجمہ، مترجم کا نام روسی ہونے کی وجہ سے پڑھا نہیں جاسکا۔

تاجیکستانی: ۲۶ غزلوں کا منظوم ترجمہ۔

کُردی : ۱۰ غزلوں کا منظوم ترجمہ۔

کرجی: ۱۰ غزلوں کا ترجمہ

قفقازی : چند منتخب غزلوں کا ترجمہ

اوکراین: چند منتخب غزلوں کا ترجمہ ۱۹۷۷ء۔

ان کے علاوہ چینی، ازبکستانی، بلغاریہ وغیرہ میں بھی حافظؔ کے ترجمے ہوئے۔ جن سے ان کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ چونکہ ان زبانوں سے حرف آشنائی نہیں ہے اس لیے نہ ان کے مترجم کے نام بتائے جاسکتے ہیں اور نہ غزلوں کی تعداد یا مطلع۔ لہٰذا یہاں راقم الحروف کو معذور جانیئے۔ البتہ اس سے ایک حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حافظ نہ صرف اپنے دور میں بلکہ اپنی موت کے بعد بھی عالمی سطح پر ایک زبردست مقبولیت حاصل کر چکے تھے۔ جو بہت کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔ انھوں نے سچ ہی کہا تھا۔

غزل گفتی و دُر سفتی ، بیا و خوش بخواں حافظؔ
کہ بر نظم تو افشا ند فلک عقدِ ثریا را

=xxx=

حوالہ جات

(۱) دیوانِ حافظ ۔مرتبہ: ہاشم رضی ۔بخش اول، دوم، سوم ۔(۲) ایضاً صفحہ ۱۸۔اس کتاب کے مولف کے ناموں میں اختلاف ہے۔ سام مرزا، ''تحفۂ سامی'' میں اس کے مولف کا نام سلطان حسین بایقرا بتایا ہے جبکہ بابر، ''بابر نامہ'' میں کمال الدین حسین گازرگاہی کو اس کا مولف بتایا ہے۔ (۳) محمد گلندام سے منسوب مقدمہ میں 'خاکِ مصلیٰ'' والا مادۂ تاریخ کا قطعہ شامل نہیں، بلکہ واضح طور پر ''اثنی وتسعین وسبعمائۃ'' تحریر ہے۔ جو ۷۹۲ء ہے۔ تعجب ہے ھٹی ۷۹۶ء کیسے کہہ رہے ہیں۔ (۴) اسلم جیراج پوری تو شاعر کے نام سے لاعلمی ظاہر کرتے ہیں البتہ خواجہ عباد اللہ اختر (دیوانِ حافظ صفحہ ۳۵) میں اسے جامی کا قطعہ قرار دیتے ہیں۔ (۵) بعض کتابوں میں 'عجب' کی بجائے 'مطیع' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ (۶) بحوالہ کے۔ این۔ پنڈت صفحہ ۸۹۔۸۸(۷) رسالہ 'فکر و نظر' جنوری ۱۹۶۰ء۔ مضمون'' حافظ شیرازی کے دو قدیم ترین ماخذ از: ڈاکٹر نذیر احمد۔ (۸) لطائفِ اشرفی (ملفوظات سیّد اشرف جہانگیر سمنانی) مرتبہ: نظام یمنی مطبوعہ، نصرت المطابع، دہلی۔ جلد اول، صفحہ ۸۱ (۹) بحوالہ حیاتِ حافظ صفحہ ۶۳۔ (۱۰) مترجم دیوانِ حافظ، قاضی سجاد حسین۔ صفحہ ۲۰۔ (۱۱) شش ماہی سوغات، شمارہ ۱۰۔ مضمون 'لسان الغیب' از: رشید حسن خان، صفحہ ۵۵۔ (۱۲) تذکرہ حبیب السیر۔ بعض محققوں کا خیال ہے کہ اس قصے کی کوئی اصل بنیاد نہیں، بلکہ حافظ نے اسے کلیلہ و دمنہ کی حکایت سے اخز کیا ہے۔ بعض تذکرہ نگار شیخ علی کلاہ نامی ایک شخص سے منسوب کرتے ہیں۔ شعر ہے۔

اے کبکِ خوشخرام کجا میروی بایست   غرّہ مشو کہ گربۂ حافظ نماز کرد

(۱۳) شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ جب ان بزرگوں سے نام پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ جناب امیر علیہ السلام ہیں۔ (۱۴) 'حافظ اور اقبال' از: ڈاکٹر یوسف حسین خان۔ صفحہ ۳۶۰ تا ۳۶۳ (۱۵) شعر العجم۔ جلد سوم، صفحہ ۲۵۲۔ (۱۶) حافظ اور اقبال۔ صفحہ ۱۱۷۔ (۱۷) ایضاً صفحہ ۳۱۴۔ (۱۹) حافظ نامہ۔ بخش اوّل ۔صفحہ ۳۱۔۳۲ (۲۰) حافظ اور اقبال۔ صفحہ ۲۶۸۔ (۲۱) ذکرِ حافظ۔ صفحہ ۸۳۔ (۲۲) ایضاً، صفحہ ۶۰۔۵۹ (۲۳) حیاتِ سعدی، صفحہ ۱۷۷۔۱۷۶۔ (۲۴) ایضاً، صفحہ ۱۷۳ تا ۱۷۵۔ (۲۵) 'شاہ راہ' سالنامہ ۱۹۵۴ء۔ مضمون ''نیا سال، نئے سوال'' صفحہ ۱۷۴۔۱۷۳ (۲۶) مطالعۂ حافظ سے کیا استنباط ہوتا ہے از: محمد احتشام الدین ھٹی، صفحہ ۱۲۵۔ (۲۷) حیاتِ حافظ، صفحہ ۶۹۔ (۲۸) دیوانِ حافظ، مرتبہ: رحمت علی رعد، صفحہ ۱۸۔ (۲۹) حافظ نامہ، بخش اوّل، صفحہ ۱۵۔ (۳۰) دیباچہ 'لسان الغیب' از: میر ولی اللہ، جلد اوّل۔ (۳۱) دیوانِ ہاشم رضی، صفحہ، بی و یک۔ (۳۲) مطالعۂ حافظ، صفحہ ۱۲۳۔ (۳۳) ڈاکٹر پتوردھن عرف مادھو جولین، از: کیرتی چاپرو کاڑہ صفحہ ۳۶۶ (مراٹھی) (۳۴) بلبل ایران حافظ شیرازی بہ نقل، از: مقدمۂ رباعیاتِ حافظ، صفحہ ۴۴۔ مطبوعہ اکادمی تحقیقات وآوزشِ اسلامی داکا۔ (۳۵) ایضاً۔ (۳۶) بحوالہ قاضی

نذر الاسلام، شاعرِ ملی، بنگلہ دیش۔ (۳۷) حیاتِ حافظ، صفحہ ۷۷۔ (۳۸) ایضاً، صفحہ ۸۷۔ (۳۹) بمطابق ہاشم رضی ۱۶۸۰ء (۴۰) بمطابق ہاشم رضی ۱۸۱۲ء (۴۱) بمطابق ہاشم رضی ۵۶۔ ۱۸۴۶ (۴۲) ایضاً ۱۸۵۵ (۴۳) یہ فہرست دیوانِ ہاشم رضی، ففٹی پوئمس آف حافظ از؛ پروفیسر آر بری، حافظ آف شیراز از؛ پیٹر ایوری اور جان ہیتھ اسٹبس اور حیاتِ حافظ از؛ مولانا اسلم جیراج پوری وغیرہ کی تحقیق کی روشنی میں تیار کی گئی۔ (۴۴) بحوالہ کلارک (۴۵) بحوالہ پیٹر ایوری اور جان ہیتھ اسٹبس صفحہ ۱۷۔ (۴۶)، (۴۷) بحوالہ سیلیکشنز فرام دی رباعیات اینڈ اوڈز آف حافظ از؛ جان واٹ کنس، مقدمہ۔

کتابیات

اردو

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مؤلف/مترجم	مطبع/ناشر	اشاعت
۱	دیوانِ حافظ	مترجم مرزا جان صاحب	مطبع مجیدی، کانپور	۱۸۶۷ء
۲	دیوانِ حافظ	مترجم محمد عنایت اللہ	بندے ماترم پریس، لاہور	۱۳۲۴ھ
۳	شرحِ یوسفی	مولانا محمد یوسف علی چشتی	مطبع نول کشور	اگست ۱۹۱۳ء
۴	لسان الغیب (اردو شرح)	میر ولی اللہ	کاشی رام پریس لاہور	۱۹۲۲ء
۵	الشرح فی المجاز (اردو شرح)	ملا محمد عبداللطیف گوجری	آگرہ	۱۹۴۷ء
۶	ترجمان الغیب (منظوم اردو ترجمہ)	محمد احتشام الدین حقی	شمس المطابع، مشین پریس، حیدرآباد، دکن	۱۳۵۷ھ
۷	دیوانِ حافظ	مترجم خواجہ عباداللہ اختر	بازار کشمیر پریس، لاہور	۱۹۱۶ء
۸	دیوانِ حافظ	مترجم قاضی سجاد حسین		۱۹۶۲ء
۹	وجدانِ حافظ	علامہ منور لکھنوی		۱۹۵۶ء
۱۰	دو آتشہ	نریش کمار شاد		
۱۱	عرفانِ حافظ	پنڈت شیاما چرن شُکل	کتب خانہ انجمن ترقی اردو، دہلی	دوسری بار ۱۹۶۴ء
۱۲	انتخابِ غزلیاتِ حافظ مع فرہنگ	ڈاکٹر مغیث الدین فریدی	مکتبہ شاہراہ، دہلی	ستمبر ۱۹۷۵ء
۱۳	سمن زار	پروفیسر ضیاء احمد بدایونی	ساہتیہ اکادمی	مارچ ۱۹۶۸ء
۱۴	رباعیاتِ حافظ (منظوم اردو ترجمہ)	رگھویندر راؤ جذب		
۱۵	دیوانِ حافظ	نسخۂ شاہانِ مغلیہ	خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری	
۱۶	حیاتِ حافظ	مولانا اسلم جیراج پوری	مکتبہ جامعہ	چوتھا ایڈیشن ۱۹۴۱ء
۱۷	مطالعۂ حافظ	محمد احتشام الدین حقی دہلوی	بمبئی جوب برقی پریس، دہلی	۱۳۵۸ھ

۱۸	ذکرِ حافظ	سجاد ظہیر	انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ	ستمبر ۱۹۵۶ء
۱۹	حافظ اور غالب	چودھری نبی احمد باجوہ	لاہور	
۲۰	حافظ اور اقبال	ڈاکٹر یوسف حسین خان	غالب اکیڈمی، دہلی	مئی ۱۹۷۶ء
۲۱	حافظ کی شاعری	کے۔ این۔ پنڈت	انجمن ترقی اردو ہند، دہلی	۱۹۷۷ء
۲۲	مقدمہ شعر و شاعری	مولانا الطاف حسین حالی		
۲۳	حیاتِ سعدی	مولانا الطاف حسین حالی	لاہور	۱۳۸۰ھ
۲۴	شعر العجم (جلد دوم)	شبلی نعمانی	مطبع معارف، اعظم گڑھ	۱۹۴۷ء
۲۵	نیرنگِ خیال	محمد حسین آزاد		
۲۶	کاشف الحقائق	سیّد امداد امام اثر مرتبہ: ڈاکٹر وہاب اشرفی	ترقی اردو بیورو، نئی دہلی	۱۹۸۲ء
۲۷	غبارِ خاطر	مولانا آزاد	آزاد کادمی	
۲۸	اصغر	عبدالشکور	اسرار کریمی پریس	۱۹۴۵ء
۲۹	عرفانِ غالب	آلِ احمد سرور	مطبوعاتِ شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی	۱۹۷۳ء
۳۰	غالب ــ تقلید اور اجتہاد	پروفیسر خورشید الاسلام	نیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	
۳۱	غالب ــ کچھ مضامین	ڈاکٹر خلیق انجم	انجمن ترقی اردو ہند، دہلی	۱۹۹۱ء
۳۲	محاسنِ الفاظِ غالب	پروفیسر نذیر احمد		
۳۳	کلیاتِ محمد قلی قطب شاہ	ڈاکٹر سیّدہ جعفر	ترقی اردو بیورو، دہلی	۱۹۸۵ء
۳۴	مقاماتِ اقبال	ڈاکٹر سیّد عبداللہ	نقوش پریس، لاہور	۱۹۵۹ء
۳۵	سب رس	ملا وجہی مرتبہ: مولوی عبدالحق		
۳۶	جائزۂ کلامِ غالب	طالب کاشمیری		
۳۷	فنِ ترجمہ نگاری	مرتبہ: ڈاکٹر خلیق انجم		
۳۸	ترجمے کی روایت اور اس کا فن	مرتبہ: ڈاکٹر قمر رئیس		
۳۹	اولوکتا (اردو ترجمہ)	پروفیسر عبدالستار دلوی	شعبۂ اردو بمبئی یونیورسٹی	۱۹۸۸ء
۴۰	خوشبو	بدیع الزماں خاور	نقشِ کوکن پبلی کیشنز، ممبئی	۱۹۷۴ء
۴۱	دیوانِ غالب (ہندی)	علی سردار جعفری	ہندوستانی بک ٹرسٹ	۱۹۵۸ء
۴۲	قاضی نذر الاسلام (اردو)	میودھا چکرورتی ترجمہ: عرش ملسیانی	نیشنل بک ٹرسٹ آف انڈیا	مارچ ۱۹۶۹ء
۴۳	فارسی ادب کی مختصر تاریخ	ڈاکٹر حفیظ الدین احمد کرمانی		

فارسی

۱	از سعدی تا جامی	علی اصغر حکمت	تہران	
۲	اشعار و احوالِ حافظ	سعید نفیسی	تہران	
۳	حافظ شناسی (الہامات خواجہ)	محمد علی بامداد	تہران	
۴	بہارستان	عبدالرحمٰن جامی	تہران	
۵	تاریخ عصرِ حافظ (جلد دوم)	دکتر قاسم غنی	تہران	
۶	شرح سودی بر حافظ	عصمت ستارزادہ	تہران	
۷	شرح حال لسان الغیب	سیف پور فاطمی	تہران	
۸	تذکرۂ میخانہ	فخر النبی	تہران	
۹	حافظ نامہ	عبدالرحیم خلخالی	تہران	
۱۰	حافظ شیریں سخن	محمد معین	تہران	
۱۱	دیوانِ حافظ	مرتبہ؛ حسین پژمان	تہران	
۱۲	دیوانِ حافظ	مرتبہ؛ ہاشم رضی	تہران	
۱۳	دیوانِ حافظ	مرتبہ؛ مجید یکتائی	تہران	
۱۴	دیوانِ حافظ	دکتر قاسم غنی و قزوینی	تہران	
۱۵	دیوانِ حافظ	مرتبہ؛ دکتر رضا جلالی نائینی دکتر نذیر احمد		
۱۶	حافظ نامہ	خرمشاہی		
۱۷	دیوانِ حافظ		مطبع نول کشور، لکھنؤ	
۱۸	دری از دیوانِ حافظ	سعید نفیسی	تہران	
۱۹	نقشی از حافظ	علی دشتی	تہران	
۲۰	حافظ بہی زبان	بکوشش محسن رمضانی	تہران	چاپ اول آذر ماہ
۲۱	اشعار حافظ	عبدالمنان بیدل	پٹنہ، ہند	
۲۲	دیوانِ حافظ	مرتبہ: محمد رحمت اللہ رعد	ہند	
۲۳	حافظِ شیراز	بامداد	انتشارات نیل، تہران	
۲۴	قاضی نذر الاسلام	علی اوجی	رایزنی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران، بنگلہ دیش	مہر ماہ ۱۳۷۴

انگریزی

No	Book	Author	Publication	Year
1	Odes of Hafiz	Pestinji Cooverji Taskar	Edu Society Press Mumbai	1887
2	The Diwan of Hafiz	Liet. Col. H. Wilber force Clark		1897
3	Poems from the Diwan of Hafiz	Gertrude Bell		1897
4	Odes from the Diwan of Hafiz	Richard Le Gallienne	Boston	1903
5	Selection from the Rubaiyat and Odes of Hafiz	Jhon. M. Watkins	London	1920
6	Fifty Poems of Hafiz	Arthur I. Arbery	London	1947
7	Hafiz of Shiraz(Thirty Poems)	Petre Avery Jhon Heathstubbs	London	1952
8	Rosein Hood	Thomas Wright		
9	Golden Treasury of Persian Poetry	Hadi Hasan	Publication Division Delhi	1966
10	Milestones in Gujrat Literature	Kirshnalal M. Ghavan		1914
11	Dr. Patwardhan Urf Madhav Gulian	(Marathi)		

رسائل و جرائد

۱	بازیافت	شعبۂ اردو، کشمیر یونیورسٹی	دسمبر ۱۹۹۳ء
۲	سوغات ۱۰	بنگلور	
۳	جامعہ (غالب نمبر)	جامعہ ملّیہ	۱۹۶۹ء
۴	علم و فن (غالب نمبر)		۱۹۶۹ء
۵	ادبِ لطیف	لاہور	۹۵۶ء
۶	فکر و نظر (حالی نمبر)	علی گڑھ	اکتوبر ۱۹۹۱ء
۷	شاعر (غالب نمبر)	بمبئی	۱۹۶۹ء
۸	ہندوستانی زبان	بمبئی	اکتوبر ۱۹۹۷ء

حسد چه می بری اے ست نظم ! بر حافظ
قبولِ خاطر و لطفِ سخن خداداد ست



Prof : Rafiya Shabnam Abidi